إن من الشعر لحكمة وإن من البيان لسحرا

سپاس بیقیاس یزدانی کہ این کلام لاثانی

الموسوم بہ

کلیات اکبر

از تصنیفات

عالیجناب خان بہادر سید اکبر حسین صاحب اکبر الہ آبادی

حصہ اول

ایڈیشن چہارم ۱۹۱۴ع

اسٹینڈرڈ پریس الہ آباد [illegible]

اِنَّ مِنَ الشِّعرِ لَحِکمَۃً وَّ اِنَّ مِنَ البَیَانِ لَسِحرًا

کُلّیاتِ اکبر

یعنی

کلام بلاغت نظام عالیجناب خان بہادر سید اکبر حسین صاحب

المعروف بہ لسان العصر

پنشنر جج، آنریری فیلو الٰہ آباد یونیورسٹی

حصّہ اول

باہتمام بابو شمبھر ناتھ صاحب بھارگو

اسٹینڈرڈ پریس الٰہ آباد میں چھپا

قیمت عہ ۱۲ر (مع محصول)

سارم (جلد)

سنہ ۱۹۱۴ء

فہرست مضامین

نمبر	عنوان	صفحات	کیفیت
۱	غزلیات دورِ سوم۔ کلامِ حال	۱-۸۲	
۲	" دور دوم غالباً سنہ ۱۸۶۶ء سے سنہ ۱۹۰۸ء تک کا کلام	۸۳-۱۱۱	
۳	" دورِ اوّل۔ سنہ ۱۸۶۶ء اور اس سے پیشتر کا کلام	۱۱۲-۱۴۰	
۴	رباعیات و قطعات وغیرہ	۱۴۱-۱۵۶	
۵	پیسنہ یعنی قطعات خاص مضامین پر	۱۵۷-۱۹۶	جلوۂ دربار۔ برق کلیسا۔ کرزن سبھا اور اکثر مشہور و مقبول اور معنی خیز نظمیں اسی حصہ میں شامل ہیں۔
۶	مواقع خاص	۱۹۷-۲۱۰	نظم کانفرنس (ایک خاص کانفرنس مقصود تھی) اس حصہ میں ص ۲۰۲ پر درج ہے
۷	متفرقات	۲۱۱-	

نوٹ۔ کلیات اکبر کے اکثر ذی علم و باخبر ناظرین نے یہ رائے ظاہر فرمائی ہے کہ اس کلیات سے وہ شخص جس نے صرف چند مشہور مضامین کو پڑھ لیا یا کسی خاص نظم کو دیکھ لیا، باخبر نہیں ہو سکتا۔ بجز اسکے کہ وہ کل اشعار بالخصوص صفحہ ۱۵۷-۱۹۶ اور صفحہ ۱۴۱-۱۵۶ کو بہ ملاحظہ کرے کیونکہ اکثر اشعار معنی خیز جابجا متفرق طور پر مندرج ہیں۔

غلط نامہ

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱۸	۱۷	نکمت	نکہت
۲۹	۱۲	اپنے	اپنی
۳۱	۶	آسے ادسر	کہ آسے ادسر
۳۶	۲	چھڑی پر	چھڑی ہم پر
۳	۱۳	اجیراد	احتراد
″	۳	اٹھتا	اٹھا
۴۸	۱۷	وہ اٹھے	وہ اٹھے تو
۵۵	۲	عاقبت میں	عاقبت میں
۷۱	۱۵	تاقہ	ناقہ
۷۲	۲۱	بج	رنج
۷۳	۹	کہاں کہیں کا سوتیں	کہاں ان کہیں کا سوتیں
۷۹	۱۹	بستی	پستی
۸	۱	مہیٹر	تھیٹر
۹۲	۸	تمال دیرکن	تما و پیرکن
۱۰۸	۱۹	یہ حیرت	بے یہ حیرت
۱۱	۲	نکہت	نکمت
۱۶	۲	وہ سمجھے	وہ سمجھا
۱۶۱	۱۵	مضطرب ے	مضطرب و ے
″	۲	ملنڈ	لمسڈ
۱۶۲	۷	اوپہ تو	اوپر تو
۱۶۳	۶	سوزن	سوسن
″	۷	سوسن	سوزن
۱۶۸	۱۹	پروار	پرداز
۱۷۴	۲۰	جبہ مو دستار	جبہ و دستار
۱۷۵	۷	آموز نگاہ نواز	آہ رو نگاہ نواز

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱۷۵	۲۱	نشار	نساز
۱۸۷	۹	زبانوں میں	زبانوں پر
۲۰۹	۱	ور گوشہ	در گوشہ
۲۱۳	۱۵	زینت کے	کہروریت کے
۲۱۶	۵	ترلہ	تحرلہ
″	۱۴	تعرس	تقرش
۲۱۷	۳	علبل پرواہ	ملبل و پروا
۲۲۲	۷	آرام دہ	آرام دہ
″	۲۱	عرب	عرب
۲۲۳	۷	باقی	و باقی
۲۲۴	۱۰	بس اک	بس ہے اک
۲۲۵	۷	دباق	۔ ا میں
۲۲۶	۸	رمن	رہن
۲۲۸	۲۱	کلام	گلا
۲۴۱	۱۹	ڈفمیشن	ڈیمیش
″	۲	حول	ہول
۲۴۲	۵	افعی راسو	افعی و راسو
″	۱	تومن	تامن
″	۱۱	خوشن است خوب	خوشن است و خوب
۲۴۲	۱۵	کہیں کا ڈیوک	کہیں کا توڑیوک
۲۴۶	۱۰	لولے	لوٹا
۲۴۹	۸	دیہ	دیہہ
۲۵۱	۱۹	سے	سلہ
۲۵۴	۵	ممتی	بلا ممتی

اڈیشن چہارم

اس خیال سے کہ پہلے اڈیشنوں کے خریداروں کو شکایت نہ ہو۔ یہ اڈیشن بلاتغیر و تبدل
پا گیا۔ مرے ایک معزز اور تعلیم یافتہ دوست نے ارادہ کیا ہے کہ ایک مفصل انڈکس بلحاظ
مضامین مختلفہ مرتب فرمائیں۔ میں نے نہایت شکر گذاری کے ساتھ اجازت دیدی ہے تیسرا حصہ
ترتیب ہے۔ اللہ تعالی سے مغفرت کی دعا کرتا ہوں اور ناظرین سے خطاپوشی کی امید
رکھتا ہوں۔

سید اکبر حسین یکم ستمبر ۱۹۱۸ء

دیباچہ طبع ثالث

مصنف مسلسل نادرستی طبیعت کے سبب سے بہت کم کام کرسکتا ہے ۱۹۱۰ء تک شکایت چشم
کی وجہ سے بالکل معذوری تھی۔ پہلا اڈیشن سید عشرت حسین صاحب[۱] نے ۱۹۰۹ء میں مرتب کر کے چھپوایا۔
وہ ختم ہو گیا۔ پبلک کی قدر شناسی سے دوسرا اڈیشن ۱۹۱۱-۱۹۱۰ء میں شایع ہوا۔ اس کی طبع اور کاپیوں
کی تصحیح میں جناب مولوی محمد فاخر صاحب عرف مولوی راشد صاحب سلمہ اللہ تعالی الہ آبادی نے جو
خود ایک عمدہ ذیعلم شاعر ہیں بہت محنت و توجہ کی انکی شکر گذاری کیجاتی ہے۔ دوسرا ایڈیشن
بھی ختم ہو گیا اور اکثر درخواستیں بلاتعمیل رہ گئیں۔ لہذا یہ تیسرا ایڈیشن پبلک میں پیش کیا جاتا ہے
حضرت شاکر میرٹھی اڈیٹر ادیب نے مہربانی سے خود اسکا انتظام طبع انڈین پریس الہ آباد میں کیا
اور صحت و صفائی طبع میں بہت کوشش فرمائی۔ اکثر بزرگوں نے وقتاً فوقتاً یہ خیالات ظاہر فرمائے
(۱) ترتیب اچھی نہیں (۲) بعض اشعار کی تشریح ہونی چاہیے (۳) انڈکس ہونا چاہیے

[۱] بی۔ اے کیمبرج یونیورسٹی ڈپٹی کلکٹر جونپور ممالک متحدہ۔ خلف الرشید حضرت مصنف

(۴) مصنف کی سوانح عمری ہونی چاہیئے (۵) مصنف کی تصویر ہونی چاہیئے (۶) ایک مطول تمہید خود مصنف کی طرف سے ہونی چاہیئے۔

امر اول۔ یہ اعتراض بجا ہے لیکن بلحاظ حالات موجودہ مصنف اسی ترتیب کو مناسب سمجھا صد بجہ جائیکہ او باشد۔ ہر سو میکشم ۔ تا بہ تقریبے نگاہے جانب او میکنم۔

امر دوم۔ الکنایتہ ابلغ من التصریح علاوہ بریں اس کلام میں جلالت زیادہ تھی آیندہ کوئی سخن فہم دوست بہ شرط ضرورت شارح ہو سکتا ہے۔

امر سوم۔ ایک مختصر انڈکس بعض مضامین کا شامل کیا جاتا ہے

امر چہارم اسکی تحریک مدت سے بعض لائق اور معزز احباب فرما رہے ہیں لیکن مصنف کا خیال ہے کہ اگر اسکی لائف ایسی قیمتی ہوبھی تو اس کلیات کے دیباچے میں وہ نہیں لکھی جاسکتی۔

امر پنجم۔ مصنف کو یہ امر بحیثیت ایسل ہونے کے اور طور پر معنی خیز نہیں نظر آیا۔

امر ششم۔ مصنف کا خیال تھا کہ تمام اشعار جو زیادہ تر ابتدا دتیا توسی اور تقلیدی طرز میں کہے گئے ہیں اور جن میں فقط قافیہ پیمائی ہے وہ خارج ہو کر صرف منتخب اشعار طبع ہوں لیکن دوستوں نے لٹریری خیال کو اخلاقی خیال پر اصرار کے ساتھ ترجیح دی بس اسقدر متفرق و مختلف المعانی اشعار کو پیش نظر رکھکر کوئی تمہید لکھنا دشوار نظر آیا۔

ایک یورپین مصنف کہتا ہے کہ عمدہ کتاب کو تمہید کی ضرورت نہیں۔ مصنف اس پر یہ اضافہ کرتا ہے کہ یہ عکس ہے کہ وہ تمہید برائے خود ایک جداگانہ مضمون ہو مصنف نے بعض خیالات کو جو ایک آرٹیکل چاہتے ہیں اکثر ایک یا چند اشعار میں ظاہر کر دیا ہے توجہ فرما کر کل کتاب کا ملاحظہ ضرور ہے کیونکہ ایک قسم کے اشعار ایک جگہ نہیں ہیں۔ ایک لائق اور ویلم ڈیر صاحب نے فرمایا ہے کہ مصنف بہ نسبت شاعر کے زیادہ تر ایک مفکر (سوپ چیسلا) یا فلاسفر ہے جس نے اپنے خیالات خوبی کے ساتھ نظم کئے ہیں۔ مصنف کو خوشی ہے کہ یہ راے اسکی عزت افزائی کے ساتھ ہی اسکی شاعرانہ ذمہ داری کم کرتی ہے جسکا خود اسکو ادعا نہیں ہے گستاخی ہے مصنف کا ارادہ ہے

کہ آیندہ اپنے ایسے خیالات کو جو لٹریچر، اخلاق، مذہب، فلسفہ وغیرہ مختلف عنوانوں کے ذیل میں آسکتے ہیں اپنے علم اور سمجھ کی بساط کے موافق علیحدہ مستقل تصنیف میں تحریر کرے یہ بھی ارادہ ہے کہ اس کلیات اور اسکے حصۂ دوم کا عمدہ اور مکمل انتخاب معہ کلام جدید کے ضروری تمہید اور مفصل انڈکس کے ساتھ ایک جلد میں جسکی قیمت زیادہ نہ ہو شائع کرے۔

سنہ ۱۹۰۸ء میں یعنی اڈیشن اول کے شائع ہونے سے پہلے بعض قطعات و رباعیات اکبر کو (جو تمام و کمال اس کلیات میں مندرج ہیں) مخزن پریس دہلی نے شائع کیا۔ اسمیں نامور اور ذی علم اڈیٹر صاحب نے جو دیباچہ تحریر فرمایا ہے۔ اُسکے چند فقرات یہ ہیں۔

خان بہادر سید اکبر حسین صاحب اکبر کا کلام سخنوروں اور سخن فہموں میں جس عزت و وقعت سے دیکھا جاتا ہے محتاج توصیف نہیں۔ آپ نے عمر ملازمت سرکار میں اور عہدہ ہائے جلیلہ کی ذمہ داریوں کی مصروفیت میں بسر کی مگر قدرت نے چونکہ اُنھیں شاعر بنایا تھا وہ چپکے چپکے شاعری بھی کرتے رہے۔ اُنکا کلام عام طور پر مخزن اور بعض دیگر ادبی رسالوں میں اُسوقت سے شائع ہوا ہے جب سے اُنھوں نے پنشن لی ہے لیکن ان چند سالوں میں ہی اُنھوں نے سخن شناسوں کے دلوں کو مسخر کر لیا ہے۔ ایک دن میرے ایک طباع دوست نے جو خود ایک نامور شاعر ہیں مجھسے پوچھا کہ تمھارے نزدیک اکبر کے کلام کی سب سے بڑی خصوصیت کیا ہے میں نے کہا کہ میں دیکھتا ہوں کہ اکبر روشن خیالی کے ساتھ مشرق کی سچی محبت کا واعظ ہے۔ اُسکے نزدیک ہر مشرقی نژاد کا فرض ہے کہ اپنے وطن سے محبت رکھے اپنے مذہب کی حفاظت کرے اپنے بزرگوں کا ادب ملحوظ رکھے اور اپنے ہر رسم و رواج کو صرف اسلئے مذموم نہ سمجھے کہ وہ کسی مغربی رسم و رواج کے خلاف ہے بلکہ جائز حد تک اپنی چیزوں پہ نازاں ہو اپنے ماضی سے واقف ہوئے اپنے حال کی تنقید کر سکے اور اپنے مستقبل کی نسبت اچھی امید رکھے۔ یہ خیالات اس زور اور اس خوبی کے ساتھ معاصرین میں سے کسی کے ان نہیں ملتے میرے دوست نے مجھسے اتفاق رائے کیا اور یہ کہا کہ یہ تمام باتیں جو آپنے بیان کیں بیشک اکبر کے کلام میں پائی جاتی ہیں۔ ایسی بہت سی اور بھی گنی جا سکتی ہیں مگر آپ نے نہیں گنیں لیکن میں ان سب کو ایک مرکب لفظ میں ادا کرتا ہوں اور کہتا ہوں کہ اکبر لسان العصر ہے۔ زمانہ موجودہ کے طبائع کا میلان علمی اور رد عمل ان

بس کی تاریخ جب کوئی لکھنے بیٹھے گا، تو اکبر کا کلام اسکے لئے تمر لباس زمانے کے آثار کے ہوگا مجھکو
اُن کا یہ کتنا دل سے بھایا اور اسی لئے میں نے اس تمہید میں اس گفتگو کا ذکر نا مناسب نہ سمجھا۔ عبدالقادر

واضح ہو کہ سنہ ۱۹۱۹ء میں کلکتہ بورڈ آف ایگزمینیشن نے جو اردو کورس اعلیٰ امتحان آنرس کے
لئے شائع کیا ہے اسمیں مصنف کی بہت سی رباعیاں مندرج ہیں ہر شاعر کی ایک مختصر لائف مرتبین
نے تحریر کی ہے مصنف کے حالات کی نسبت جو نوٹ اُنھوں نے اپنی اطلاع اور خیال کے مطابق
لکھا ہے وہ بجنسہ ذیل میں نقل کیا جاتا ہے تاکہ یہ اعتراض کہ مصنف کا حال کچھ بھی مندرج
نہیں ہے کسیقدر رفع ہو جائے اگرچہ اسمیں شک نہیں کہ مصنف کے دلچسپ و عجیب حالات
وخیالات کے اظہار کے لئے یہ نوٹ کافی سے نہایت کم ہے۔

استخاب از اردو کورس کلکتہ بورڈ آف ایگزمینیشن ۱۹۱۹ء

سید اکبر حسین نام اکبر تخلص موجودہ دور کے مشہور شاعر ہیں ۱۸۴۶ء کو مقام بارہ ضلع الہ آباد میں پیدا ہوئے
جہاں انکے چچا تحصیلدار تھے جیسا کہ عموماً خاص لوگوں میں دیکھا گیا ہے بچپن ہی سے آثار ذہانت و ذکاوت
انکے ناصیہ اقبال پر درخشندہ تھے ۱۸۶۷ء میں انھوں نے وکالت درجہ ادنیٰ کا امتحان پاس کیا ۱۸۶۹ء
میں نائب تحصیلدار مقرر ہوئے اور ایک سال کے بعد ہی ہائیکورٹ کے مثل خوان ہوئے مگر ترقی کی خواہش
کے سبب یہ ملازمت بھی کافی نہیں ہوئی اور ۱۸۷۳ء میں ہائی کورٹ کی وکالت میں کامیابی حاصل کی اور چند
سالوں کے بعد منصف مقرر ہو گئے۔

انگریزی انھوں نے پرائیویٹ طور پر سیکھی تھی۔ لیکن قانونی قابلیت کے ایسے گراں قدر جوہر نمایاں ہوئے
تھے کہ سب آرڈینیٹ جج کے لئے انکو عمدہ طور پر پیش کیا گیا اور پانچ سال بھی نہیں گذرنے تھے کہ ڈسٹرکٹ
سشن جج کے منصب پر تقرر ہوا اور اسکی قائم مقامی انھوں نے سالہا سال کی۔ ہائیکورٹ کی ججی کیلئے
بھی انکا نام لیا جاتا تھا لیکن ۱۹۰۳ء میں وہ اپنے مستقل عہدہ ججی عدالت خفیفہ الہ آباد سے ریٹائر ہوگئے
اور اسلئے یہ خیال ظہور میں نہ آسکا۔

۱۸۹۸ء میں گورنمنٹ نے جوڈیشل سروس کے صلہ میں خان بہادر کا خطاب مرحمت فرمایا اکبر کا

نیک نام اور خاموش عہد ملازمت اسکا واقعی مستحق تھا۔ الہ آباد یونیورسٹی کے فیلو بھی منتخب ہوئے اور عدالت خفیفہ الہ آباد کے ہال میں انکی تصویر کو عزت کے ساتھ جگہ دی گئی۔

آجکل وہ الہ آباد میں فرصت کی حالت سے مطمئن زندگی بسر کر رہے ہیں اور موجودہ عہد کے اُن منتخب شعرائے اُردو میں سمجھے جاتے ہیں جنھوں نے زمانہ کے میلان عام اور جدید اثرات سے موثر ہو کر شاعری کے لئے نئی نئی راہیں نکالیں اُنکے کلام میں سنجیدہ اور نتیجہ خیز ظرافت کی آمیزش ایک ایسا دلکش حسن ہے جو اُنکو اپنے تمام معاصرین میں نمایاں کرتا ہے۔ ان کے کلام کی ایک خوبی یہ بھی ہے کہ جدید خیالات کے ساتھ اُردو شاعری کی قدیمی خصوصیات کا بھی پورا لحاظ رکھتے ہیں۔ وہ مغربی تعلیم کے پورے حامی ہیں۔ اُنھوں نے اپنے لڑکے کو انگلستان میں تعلیم دلائی مگر ساتھ ہی مغرب کی مادہ پرستی اور بے اعتدالانہ روش کے سخت مخالف ہیں اور قومی خصائل اور اخلاقی اوضاع کی محافظت کو ضروری سمجھتے ہیں۔ ان کی تالیفات سے مسٹر بلنٹ کی فیوچر آف اسلام کا اردو ترجمہ اور متعدد قانونی کتابیں چھپ چکی ہیں اور کلیات نظم عنقریب شائع ہونیوالا ہے۔

پہلے اڈیشن کے شائع ہونے کے بعد اکثر ذیعلم اور سخن شناس بزرگوں نے اظہار راے میں قلم اٹھایا۔ رسالہ مخزن، زمانہ اور پرچہ مشرق میں مبسوط تنقیدیں نظر آئیں، لیکن بہ نسبت حالات مصنف کے زیادہ تر کلام مصنف پر نظر گئی۔ لہذا قطع نظر خوف طوالت کے اُن مضامین کو یہاں نقل کرنا اس سبب سے بھی غیر ضروری ہے کہ مصنف کا کلام ہی پیش کیا جاتا ہے بجز اسکے کہ اکثر بزرگوں نے مصنف کے کلام دیکھنے کا شوق ظاہر فرمایا اور کوئی وجہ مصنف کو اس خیال کی نہیں ہے کہ اُسکے اشعار لٹریچر میں کچھ وقعت رکھتے ہیں۔

حصہ دوم بھی جو مختصر ہے اور تقریباً اشاعت کے لئے تیار ہے لائق ملاحظہ شائقین ہے۔

الہ آباد
۱۰- اگست سنہ ۱۹۱۲ع

اکبر حسین

اعلان

اس چوتھے ایڈیشن کی جلدیں بھی جو بالکل مطابق تیسرے ایڈیشن کے ہیں بہت کم طبع ہوئی ہیں،
شائقین جلد درخواست کریں ورنہ مایوسی ہوگی۔ درخواست خریداری خود حضرت مصنف کے نام عشرت منزل
الہ آباد کے پتے پر یا نام سید عشرت حسین صاحب ڈپٹی کلکٹر جونپور بھیجی جائے۔ قیمت عہ مع محصول۔ اگر
کوئی امر قابل استفسار ہو تو جوابی کارڈ آنا چاہیے۔

کلام اکبر کا دوسرا حصہ بھی تیار ہے اسکی قیمت عمہ مع محصول و خرچہ روانگی ہوگی
تیسرا حصہ زیر ترتیب ہے۔

یکم ستمبر سنہ ۱۹۱۲ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دورِ سیوم۔ کلام حال

کہو۔ کرے گا حفاظت مری خدا میرا
رہوں جو حق پہ۔ مخالف کریں گے کیا میرا

خدا کے در سے اگر میں نہیں ہوں بیگانہ
تو ذرّہ ذرّۂ عالم ہے آشنا میرا

مری حقیقتِ ہستی یہ مشتِ خاک نہیں
بجا ہے مجھ سے جو پوچھے کوئی پتا میرا

اُنھیں ہے عقل جو محتاجِ غیر ہے ہردم
مجھے ہے عشق کہ جو خود ہے مدّعا میرا

غرور اُنھیں ہے تو مجھ کو بھی ناز ہے اکبر
سوا خدا کے سب اُن کا ہے اور خدا میرا

دل مرا جس سے بہلتا کوئی ایسا نہ ملا
بُت کے بندے ملے اللہ کا بندا نہ ملا

بزمِ یاراں سے پھری بادِ بہاری مایوس
ایک سر بھی اُسے آمادۂ سودا نہ ملا

گل کے خواہاں تو نظر آئے بہت عطر فروش
طالبِ زمزمۂ بلبلِ شیدا نہ ملا

واہ کیا راہ دکھائی ہے ہمیں مُرشد نے
کر دیا کعبے کو گُم اور کلیسا نہ ملا

رنگ چہرے کا تو کالج نے بھی رکھا قایم
رنگِ باطن میں مگر باپ سے بیٹا نہ ملا

سیّد اُٹھے جو گزٹ لے کے تو لاکھوں لائے
شیخ قرآن دکھاتے پھرے پیسا نہ ملا

ہوشیاروں میں تو اک اک سے سوا ہیں اکبر
مجھ کو دیوانوں میں لیکن کوئی تجھ سا نہ ملا

عنایت تجلّی میں رم میں نا آشنا ہونا
عجب ہیں یہ ادائیں دم ہی بھر میں کیا سے کیا ہونا

بتوں کے پہلے سجدے تھے بتوں کے اسے ہو خم
ہمیں ہر عہد میں مشکل رہا ہے نا خدا ہونا

مرا محتاج ہونا تو مری حالت سے ظاہر ہے
مگر ہاں دیکھنا ہے آپ کا حاجت روا ہونا

خود حقیقت ہے وہ یہ ہے دل نہیں ہے میرے کہنے میں
مجھے تسلیم ہے ارشادِ واعظ کا بجا ہونا

خدا بنتا تھا منصور اسلئے مشکل یہ پیش آئی
نہ کھنچتا دار پر شامت اگر کرتا جدا ہونا

بچاتا ہے ہزاروں کفر سے اے واعظِ ناداں
بلائے دامِ گیسوئے بتاں میں مبتلا ہونا

مجھے جوشِ طبیعت سے ہوا شوقِ گناہ آخر
غضب کیا یار سکھلائے اگر اُن کو جفا ہونا

صفاتِ حق تعالیٰ فہمِ منکر میں نہیں آتے
وہ کہتا ہے کہ گویا کچھ نہ ہونا ہے خدا ہونا

خدا اُن سے ملائے تو نہایت ہی خوشی آئے گا
نیا عہدِ وفا بندھنا گذشتہ کا گلا ہونا

طریقِ معرفی کی کیا یہی روشِ ضمیری ہے
خدا کو بھول جانا اور محوِ ماسوا ہونا

دلیل خود میں سے پوچھتی ہے کہ تم مسلم مگر خدا کیا
دل اُنکے عاشق سے کہہ ہائے کہ اُنکے ہوتے یہ سو گیا

نہ کچھ تکلف نہ کچھ بناوٹ جو بات تھی دل میں صاف کہہ دی
اگر وہ مانیں تو مہربانی اگر نہ مانیں تو پھر گلا کیا

کبھی لڑتا ہوں کفر سے میں کبھی ہوں قربان بھولے پن پر
خدا کے دیتا ہوں واسطے جب تو پوچھتا ہے وہ مدعا کیا

جو تمہارے لبِ جاں بخش کا شیدا ہوگا
اُٹھ بھی جائے گا جہاں سے تو مسیحا ہوگا

وہ تو موسیٰ ہوا جو طالبِ دیدار ہوا
پھر وہ کیا ہوگا کہ جس نے تمہیں دیکھا ہوگا

قیس کا ذکر مری شانِ جنوں کے آگے
اگلے وقتوں کا کوئی بادیہ پیما ہوگا

آرزو ہے مجھے اک شخص سے ملنے کی بہت
نام کیا لوں کوئی اللہ کا بندا ہوگا

لعلِ لب کا ترے بوسہ تو میں لیتا ہوں مگر
ڈر یہ ہے خونِ جگر بعد میں پینا ہوگا

غنچۂ دل کو نسیمِ عشق نے وا کر دیا
میں مریضِ ہوش تھا مستی نے اچھا کر دیا

شانِ محبوبیِ صانع کا نشاں رکھا ہے یہ
ورنہ کیا تھا حسن نے دل میں درد پیدا کر دیا

دیں سے اتنا الگ حدِ ماسوا سے یوں قریب
اِس قدر دلچسپ پھر کیوں رنگِ دنیا کر دیا

موت سے غفلت جوانی میں تو لذت دے گئی — ہاں مگر پیری میں اس نے مجھ کو رسوا کر دیا

کیا مرے اک دل کو خوش کرنے پہ وہ قادر نہیں — ایک کُن سے دو جہاں کو جس نے پیدا کر دیا

بے تمہارے دیکھے اب دم بھر بھی چین آتا نہیں — سچ بتاؤ جانِ جاں تم نے مجھے کیا کر دیا

سب کے سب باہر ہوئے وہم و خرد ہوش و تمیز — خانۂ دل میں تم آؤ ہم نے پردا کر دیا

ہو طلب کامل تو بس نعمت اسی کا نام ہے — بھوک نے نانِ جویں کو منّ و سلویٰ کر دیا

یوسفِ معنی کے جلووں کو دکھا کر عشق نے — میری بیداری کو بھی خوابِ زلیخا کر دیا

ق

شاہدِ بزمِ ازل نے اک نگاہِ ناز سے — عشق کو اس انجمن میں مسند آرا کر دیا

شورِ شیریں کا مزا رکھا سرِ فرہاد میں — قیس کو دیوانۂ اندازِ لیلیٰ کر دیا

گردنِ پروانہ میں ڈالی کمندِ شوقِ شمع — رنگِ گل کو دیدۂ بلبل کا پھندا کر دیا

ذوقِ نظارہ سے جانوں کو ملایا خاک میں — گردشِ چشمِ بتاں سے حشر برپا کر دیا

جس نے یہ سب کچھ کیا اکبر میں تم سے کیا کہوں — اس نے مجھ کو کیا کیا دل کو مرے کیا کیا کر دیا

بے غرض ہو کر مرے سے زندگی کٹنے لگی — ترکِ خواہش نے ہمارا بوجھ ہلکا کر دیا

رنگ اڑانا اہلِ یورپ کا تو ہے اکبر محال
مفت اپنے آپ کو تم نے تماشا کر دیا

نعت

دُر فشانی نے تری قطروں کو دریا کر دیا — دل کو روشن کر دیا آنکھوں کو بینا کر دیا

خود نہ تھے جو راہ پر اوروں کے ہادی بن گئے — کیا نظر تھی جس نے مُردوں کو مسیحا کر دیا

ارسطو سے نہ پوچھ اے ہمنشیں خاصیتِ الفت — مجھے معلوم ہے سن لے اثر مہلک فرا اچھا

نقاب ان کے رخِ رنگیں سے اٹھا عین محفل میں — کھلایا گل یہ تو نے واہ اے بادِ صبا اچھا

ہٹایا زلف کو ان کے رخِ رنگیں سے گلشن میں — کھلایا گل یہ تو نے واہ اے بادِ صبا اچھا

دلا کر جھوٹی امیدیں دلوں کو خوں کرتے ہو
نہ یہ طرز ادا اچھی نہ یہ شوق جفا اچھا
یہ ملنے ہی سے اکثر رنج بھی ہو جاتے ہیں پیدا
جو سچ پوچھو تو ملنے سے نہ ملنے کا گلا اچھا

ابھی سارے میں سب کر رہے ہیں قول و عہد اکبر
اُسی کوچے میں پھر ہو چکیں گے ہونے دو ذرا اچھا

تصوف کے بیاں کو ہوش نے روح آشنا پایا
معانی کچھ نہ سمجھا پر قیامت کا مزا پایا
جوانی چھن گئی حسرت رہی باقی ستانے کو
عروس دہر ہم نے دل لگا کر تجھ سے کیا پایا

ہے کام ترا ساقی اک جام پلا دینا
یا وہ کو بھلا دینا یا میں کو مٹا دینا
مستوں کو حقیقت کا اک جلوہ دکھا دینا
موجِ مئے وحدت کو آئینہ بنا دینا

ہجر میں خونِ جگر آخر کو پینا ہی پڑا
موت بھی آئی نہیں مجبور جینا ہی پڑا
قلب انساں میں کبھی پڑ جاتی ہے اک ایک بات
جیت پڑا لیکن تمہارے دل میں کینہ ہی پڑا
وضع اُس کی دیکھ کر لازم ہوئی قطعِ امید
کل ستم کی چل رہی تھی منہ کو سینا ہی پڑا
تجربے کے بعد شیشے سے کھنچا آخر گلاب
کھلنے میں تیرے عارض کا پسینا ہی پڑا
دل بھی کاسا ہو ٹھہ بھی تھرائے شرابا بھی جب
شیخ کو لیکن تری محفل میں پینا ہی پڑا

الفتِ احمد پئے تکمیل ایماں تھی ضرور
راہ حق جوئی میں اے اکبر یہ پینا ہی پڑا

اُردو میں وزنِ قاآنی کا نمونہ

تصور اُس کا جب بندھا تو پھر نظر میں کیا رہا
نہ بحثِ ایں و آں رہی نہ شورِ ماسوا رہا
زباں حلق پر بس اک فسانۂ فنا رہا
نہ ہم رہے نہ دل رہا نہ دل کا مدعا رہا
مٹے سارے سعایِ عیش جب سے سدا اگر
فنا کی دُھن پہ مستقل جہاں سے بقا رہا

پردہ توڑا آپ نے اُس بت کو آیا کر دیا
خود پری تھی اب اُسے پریوں کا سایا کر دیا
کر گئے تھے حضرت سید عقیدوں کو درست
چرچ نے رسموں کا بھی آخر صفایا کر دیا

کم ہوئی آخر بصارت روشنی میں لیپ کی
بڑھ گئی جو کچھ بصیرت تو جلایا کر دیا

ہم کو زیر آسماں ہو کر گذرنا ہی پڑا
منزلِ ہستی ہیں لٹنے کو ٹھہرنا ہی پڑا

موت کے عشووں کے آگے نازِ منطق کچھ نہ تھا
دل کو مذہب کے قدم پر سر کو دھرنا ہی پڑا

جانتی تھی قوت اپنی لذتِ عمر عروج
بحر ہیں لیکن حبابوں کو ابھرنا ہی پڑا

خوانِ فلک پہ جو ملے شاکر رہ کے ساتھ کر قبول
غم کی شکایتیں ہیں کیا آیا ہے پیش کھا بھی جا

ساغر مے ہے سامنے شیخ سے کہہ رہے ہیں وہ
دیکھتا کیا ہے ہر طرف مردِ خدا چڑھا بھی جا

اے دلِ باتمیز و ہوش حزم کا کام یہاں نہیں
لطفِ فریبِ حسن اٹھا فقروں میں انکے آ بھی جا

بنائے کارِ جہاں کو خراب ہی دیکھا
ہمیشہ ہم نے یہاں انقلاب ہی دیکھا

ہم انقلاب کے شایق نہیں زمانے ہیں
کہ انقلاب کو بھی انقلاب ہی دیکھا

وفا میں ثابت قدم نکلنا فدائے عشقِ حبیب ہونا
یہ کامیابی ہے عاشقی کی یہی تو ہے خوش نصیب ہونا

ادھر وہی طبع کی نزاکت ادھر زمانہ کی آنکھ بدلی
بڑی مصیبت شریف کو ہے امیر ہو کر غریب ہونا

عطا ہوئی ہو اگر بصیرت تو ہے یہ حالت مقامِ حیرت
خدا سے اتنا بعید رہنا خودی سے اتنا قریب ہونا

رسولِ اکرم کی ہسٹری کو پڑھو تو اول سے تا بہ آخر
وہ آپ ثابت کرے گی اپنا عظیم ہونا عجیب ہونا

جو دل پہ گذرے کروں گذارش بغیر پیچیدگی و سازش
فقیہ ہونے کی ہے نہ خواہش نہ چاہتا ہوں ادیب ہونا

رہِ طلب میں ہے بس مقدم شکستہ دل اور چشمِ پرنم
نہیں مؤثر کچھ اس میں ہمدم امیر ہونا غریب ہونا

نظر کر انکی طرف ادب سے تو پھیر دیں عیب دل کو سب کے
عجب نہیں عاشقانِ رب سے ظہورِ کارِ عجیب ہونا

جو مل گیا وہ کھانا داتا کا نام جپنا
اسکے سوا بتاؤں کیا تم سے کام اپنا

رونا تو ہے اسی کا کوئی نہیں کسی کا
دنیا ہے اور مطلب مطلب ہے اور اپنا

اے برہمن ہمارا تیرا ہے ایک عالم
ہم خواب دیکھتے ہیں تو دیکھتا ہے سپنا

یہ دھوم دھام کیسی یہ شوق نمود کیسا
بجلی کو دل کی صورت آتا نہیں تڑپنا

بے عشق کے جوانی کٹتی نہیں مناسب
کیونکر کہوں کہ اچھا ہے جیٹھ کا نہ تپنا

نفس کے تابع ہوئے ایماں رخصت ہوگیا
وہ زمانے میں گئے مہماں رخصت ہوگیا

مے انھوں نے پی اُن کے پاس کیونکر دل لگے
جانور اک رہ گیا انساں رخصت ہوگیا

فرق ظاہر ہوگیا جب سے قلم اور تیغ کا
دل میں انشا کا جو تھا ارماں رخصت ہوگیا

کہہ دیا تھا میں نے کٹ جائیں جو ناقص شعر ہوں
یہ نتیجہ تھا کہ کُل دیواں رخصت ہوگیا

عقل کو کچھ نہ ملا علم میں حیرت کے سوا
دل کو بھایا نہ کوئی رنگ محبت کے سوا

آئے گی تجھ کو نظر صانع عالم کی جھلک
سامنے کچھ نہ رکھ آئینۂ فطرت کے سوا

تیرے الفاظ نے کر رکھے ہیں پیدا دفتر
ورنہ کچھ بھی نہیں اللہ کی قدرت کے سوا

جلوہ نظر آیا نہیں اے یار تمہارا
تڑپا ہی کیا طالب دیدار تمہارا

بڑھنے تو ذرا دو اثر جذبۂ دل کو
قائم نہیں رہنے کا یہ انکار تمہارا

دم بھر کے لئے آ کے مجھے شکل دکھا جاؤ
مہمانِ دمِ چند ہے بیمار تمہارا

ہر دم نظرِ شوق کیا کرتا ہوں تم پر
ہر وقت میں رہتا ہوں گنہگار تمہارا

صدمے شبِ فرقت کے اٹھائے نہیں جاتے
اب موت کا طالب ہے طلبگار تمہارا

خادم ہو تم اے حضرتِ دل کوئے بتاں کے
اللہ رہے یار و مددگار تمہارا

کس ناز سے کہتا ہے تسلی دہ ظالم
رحم نہ کرے گیسوؤں کو پیار تمہارا

اکبر کی تمناؤں سے کہتا ہے یہ گردوں
اس دور سے اٹھنے کا نہیں بار تمہارا

بتکدے میں مطمئن رہنا مرا دشوار تھا
بت تو اچھے تھے مگر میں درپئے آزار تھا

اکبرِ مرحوم کتنا بیخود و سرشار تھا
ہوش ساری عمر اُس کی زندگی پر بار تھا

صبح میں آئی تجلی روئے جاناں کی نظر
زہر سمجھے تھے جسے وہ شربتِ دیدار تھا

دل ہی دل میں ہو لئے مست مئے تصویر ہم
شرع میں رہنے کا خطرہ تھا نہ خوف دار تھا

حادثات کی خرابی کا میں کرتا شرح کیا
گوہرِ جاں پر فقط اک گرد کا اسا تھا

رنگِ گلزارِ جہاں کا قدرداں مجھ سا تھا کون
جو گُلِ رنگیں تھا میرے ہی گلے کا ہار تھا

فسونِ بت سے بچا بند باب دیر رہا
خدا نے فضل کیا طفلِ دل بخیر رہا

تعجب آتا ہے اُن کے مذاق پر مجھکو
چمن خزاں میں بھی جن کا محلِ سیر رہا

فسانے رہ گئے اکبر کی بت پرستی کے
نہ بت رہے نہ برہمن رہے نہ دیر رہا

نہ کتابوں سے نہ کالج کے ہے در سے پیدا
دین ہوتا ہے بزرگوں کی نظر سے پیدا

جو خردمند ہیں وہ خوب سمجھتے ہیں یہ بات
خیر خواہی وہ نہیں ہے جو ہو ڈر سے پیدا

رنج دُنیا سے بہت مضطرب الحال تھا یہ
دل میں تسکیں ہوئی مذہب کے اثر سے پیدا

یہ بت پنہاں نہیں ہوتے خدا ظاہر نہیں ہوتا
غنیمت وہ زمانہ ہے کہ میں کافر نہیں ہوتا

ترا ناوک بھی اے صیاد کیا ہی روح پرور ہے
کہ تیرا صید بسمل رہتا ہے۔ آخر نہیں ہوتا

علومِ دنیوی کے بحر میں غوطے لگانے سے
زباں گو صاف ہو جاتی ہے دل طاہر نہیں ہوتا

تری چشمِ فسوں گر کا اشارہ ہے یہ نرگس سے
فقط نظّارہ کرنے سے کوئی ساحر نہیں ہوتا

نہ خلق اُس کی خبر لیتی نہ عقل اُس کی مدد کرتی
خدا جبتک کسی کا حافظ و ناصر نہیں ہوتا

حضورِ قلب اگر حاصل نہیں تجھکو تعجب کیا
خدا جب دل سے غائب ہو تو دل حاضر نہیں ہوتا

یہ حق گوئی ہے اکبر کی کہ ہے جس کا اثر اتنا
فسوں کیسا مسلماں آدمی ساحر نہیں ہوتا

یہ سست ہے تو پھر کیا وہ تیز ہے تو پھر کیا
نیٹو جو ہے تو پھر کیا انگریز ہے تو پھر کیا

رہنا کسی سے دب کر ہے امن کو ضروری
پھر کوئی فرقہ ہیبت انگیز ہے تو پھر کیا

رنج و خوشی کی سب میں تقسیم ہے مناسب
بابو جو ہے تو پھر کیا چنگیز ہے تو پھر کیا

ہر رنگ میں ہیں پاتے بندے خدا کے روزی
ہے پینٹر تو پھر کیا رنگریز ہے تو پھر کیا

جیسی جسے ضرورت ویسی ہی اُس کی چیزیں
یاں تخت ہے تو پھر کیا واں میز ہے تو پھر کیا

حق سے اگر ہے غافل ہرگز نہیں ہے عاقل
معقود ہیں اب اسکے سننے سمجھنے والے
کیسی ہی سلطنت ہو سب جوش رہ سکیں گے
مرل وہی ہے جسکو میوں نے ہے بتایا
گھر کا چراغ دیکھو یعنی کہ دل سنبھالو
اسلام و حق کے حامی ہرگز نہیں ہیں ہم تم
دونوں ہی مر رہے ہیں دونوں کا حشر ہوگا

ہستی جو ہے تو پھر کیا پرویز ہے تو پھر کیا
میرا سخن نصیحت آمیز ہے تو پھر کیا
گر ترک ہے تو پھر کیا انگریز ہے تو پھر کیا
اسٹیم ہے تو پھر کیا مہمیز ہے تو پھر کیا
کوئی ابار دم بھر گلریز ہے تو پھر کیا
حرص و غرور حسرت انگیز ہے تو پھر کیا
بیٹو جو ہے تو پھر کیا انگریز ہے تو پھر کیا

وہ حجاب اُس کا آج تک نہ گیا
اک جھلک اُس کی دیکھ لی تھی کبھی
کیا ٹھہرتا ہمارے آگے غیر

نہ گیا اُن کے دل سے شک نہ گیا
وہ اثر دل سے آج تک نہ گیا
دیکھئے آخر ش کھسک نہ گیا

میخانۂ رفارم کی چیکی زمین پر
کیسی بہار سال میں پایو جناب شیخ
یہ پاس اور وہ پاس یہ مجاہدہ اہل زر

واعظ کا خاندان بھی آخر پھسل گیا
تم کو خبر نہیں کہ زمانہ بدل گیا
اخبار میں جو چھپ گئے ارمان نکل گیا

فطرت میں سلسلہ ہے کمال و زوال کا
پرتو جو اس میں ہے ترے حسن و جمال کا
نظارہ کر رہا ہوں بت بے مثال کا
ہم اپنے فقر میں بھی ہیں اک آن بان سے
اُس مس پہ کون میرے سوا ہو فریفتہ
رکھا پڑا ہے اُس محبت کا ڈر سے میل جول
الفت میں فرض ہے محبت کا ذکر کا اتباع
دور فلک میں چاند کی قسمت بھی خوب ہے

گھٹنا ہے بدر کا تو ہے بڑھنا ہلال کا
عالم ہے شیفتہ مرے رنگ خیال کا
شان خدا ہے ساتھ شباب و جمال کا
کملی ہماری رنگ دکھاتی ہے شال کا
گاہک میں ہی ہوں ہند میں لندن کے مال کا
موقع نہیں ہے بحث حرام و حلال کا
موقع نہیں ہے بحث حرام و حلال کا
ہے بس عروج خاتمہ اُس کے زوال کا

اک ہمسِ ناتمام یہ عالم کو وجد ہے / کیا پوچھنا ہے آپ کے حسن و جمال کا
ماضی[1] تو ختم ہو چکا مستقبل آئے گا / ممکن نہیں بیاں کروں حال حال کا
بلبل کی شاخِ گل پہ نہ باقی رہے نظر / نشو و نما جو دیکھ لے اُس نونہال کا

طریقِ عشق میں مجھ کو کوئی کامل نہیں ملتا / گئے فرہاد و مجنوں اب کسی سے دل نہیں ملتا
بھری ہے انجمن لیکن کسی سے دل نہیں ملتا / ہمیں میں آگیا کچھ نقص یا کامل نہیں ملتا
پرانی روشنی میں اور نئی میں فرق اتنا ہے / اُسے کشتی نہیں ملتی اسے ساحل نہیں ملتا
پہونچنا داد کو مظلوم کا مشکل ہی ہوتا ہے / کبھی قاضی نہیں ملتے کبھی قاتل نہیں ملتا
حریفوں پر خزانے ہیں کھلے یاں ہجر گیسو ہے / وہاں پہ بِل ہے اور یہاں سانپ کا بھی بل نہیں ملتا
یہ حسن و عشق ہی کا کام ہے شبہ کریں کس پر / مزاج اُن کا نہیں ملتا ہمارا دل نہیں ملتا
چھپایا ہے سینہ و رخ دستاں ہاتھوں سے کروٹ میں / مجھے سوتے میں بھی وہ حسن سے غافل نہیں ملتا
حواس و ہوش گم ہیں بحرِ عرفانِ الٰہی میں / یہی دریا ہے جس میں موج کو ساحل نہیں ملتا

کتابِ دل مجھے کافی ہے اکبر درسِ حکمت کو
میں اسپنسر سے مستغنی ہوں مجھ سے مِل نہیں ملتا

ہستیِ حق کے معانی جو مرا دل سمجھا / اپنی ہستی کو اک اندیشۂ باطل سمجھا
وہ شناور ہوں جو ہر موج کو ساحل سمجھا / وہ مسافر ہوں جو ہر گام کو منزل سمجھا
حضرتِ دل کو چڑھا آیا میں بت خانے میں / اُن کے انداز سے اُن کو اِسی قابل سمجھا
ہوئی دنیا میں مرے جوشِ جنوں کی تکریم / ترے دیوانے کو عاقل نے بھی کامل سمجھا
کافری سہل نہ تھی عشقِ بتاں کھیل نہ تھا / بخدا میں تو اسی سے اسے مشکل سمجھا
اِن نگاہوں کے اشاروں سے طبیعت تڑپی / ان اشاروں کے معانی کو مرا دل سمجھا
ضعف سے میں جو گھٹا اور بڑھا اُس کا ستم / یاں زباں ہِل نہ سکی وہ متحمل سمجھا
اُترا دریا میں پئے غسل جو وہ غیرتِ گل / شورِ امواج کو میں شورِ عنادِل سمجھا

[1] یعنی زمانۂ ماضی

کفر و اسلام کی تفریق نہیں فطرت میں
یہ وہ نکتہ ہے جسے میں بھی نہ مشکل سمجھا

شیخ نے چشم حقارت سے جو دیکھا مجھکو
کہا میں آپ نے اللہ سے غافل سمجھا

حسن نے مار کے عشق کی تکمیل ہوئی
نہ نظر آپ کی سمجھی نہ مرا دل سمجھا

آپ دیکھیں مجھے اور میں نہ کروں یادِ خدا
موت سے آپ نے ایسا مجھے غافل سمجھا

وہ بھی نافہم ہے جو حشر کا طالب نہ ہوا
وہ بھی نادان ہے جو حشر کو مشکل سمجھا

نہ کیا یار نے اکبر کے جنوں کو تسلیم
مل گئی آنکھ تو کچھ سوچ کے عاقل سمجھا

مہربانی ہے عیادت کو جو آتے ہیں مگر
کس طرح ان سے ہمارا حال دیکھا جائے گا

دفترِ دنیا الٹ جائے گا بالکل یک قلم
ذرہ ذرہ سب کا اصلی حال دیکھا جائے گا

آفیشل اعمال نامہ کی نہ ہوگی کچھ سند
حشر میں تو نامۂ اعمال دیکھا جائے گا

بچ رہے طاعون سے تو اہلِ غفلت بول اٹھے
اب تو مہلت ہے پھر اگلے سال دیکھا جائے گا

تذکرۂ صاحب سب بلائے وہ وقت آیا ہے اب
بے اثر ہوگی شرافت مال دیکھا جائے گا

رکھو قدم ثابت نہ چھوڑو اکبر صراطِ مستقیم
خیر چل جانے دے انکی چال دیکھا جائے گا

سینے کا زخم آہ کی سختی سے چھل گیا
اچھا ہوا مرا تو محبت کا مل گیا

ایسے ستم کئے کہ مرا قلب ہل گیا
اور اس طرح کہ سینہ کا ہر داغ چھل گیا

تیرا پتہ چمن کو صبا سے جو مل گیا
بلبل کو وجد آگیا غنچہ بھی کھل گیا

تعلیم مذہبی کا خلاصہ یہی تو ہے
سب مل گیا اسے جسے اللہ مل گیا

ہوتا ہے انبساط ہوا سے طبیعت سے
غنچے کو دیکھئے کہ ہوا کھا کے کھل گیا

کس نے نگاہ ناز سے دیکھا ہے اس طرح
فریاد کر رہا ہے جگر ہائے دل گیا

حق قسمتی پہ ایسی کہا ہے کروں جہاز
اپنے ہی دل میں مجھکو مرا رب بھی مل گیا

کھلتا نہیں کہ شیخ سے اکبر نے کیا کہا
آیا تھا جوشِ دل سے مگر مضمحل گیا

وہ شعلہ شوق کا سینے میں مشتعل نہ رہا
ملا جو خانۂ تن خاک میں تو ملنے دو

تری نظر نہ رہی وہ مراد وہ دل نہ رہا
یہ رنج کیا ہے کہ زندانِ آب و گل نہ رہا

چودھویں منزل میں وہ ماہِ خوش اقبال آگیا
اُلفتِ گیسو نے آخر وہی مرے دل کو شکست
عالمِ فطرت پہ ہے میری نظر بھی اے حکیم

صبر و تقویٰ پر جو بھاری ہے وہی سال آگیا
ہائے کیا انمول شیشہ تھا مگر بال آگیا
فرق یہ ہے تجھکو عقل آئی مجھے حال آگیا

دعویٰ علم و خرد میں جوش تھا اکبر کو رات
ہو گیا ساکت مگر جب ذکرِ اقبال آ گیا

وہ مطرب اور وہ ساز وہ گانا بدل گیا
رنگِ رخِ بہار کی زینت ہوئی نئی
فطرت کے ہر اثر میں ہوا ایک انقلاب
حدِ شہرِ عافیت کی نئی طرز پر بندھی

نیندیں بدل گئیں وہ فسانا بدل گیا
گلشن میں بلبلوں کا ترانا بدل گیا
پانی فلک پہ کھیت میں دانا بدل گیا
وہ چوکیاں بدل گئیں تھانا بدل گیا

اِس گوہرِ نایاب سے واقف نہیں دنیا
خوب آتا ہے صاحب کو خود اک بات کا کرنا

آسان نہیں دل کا مرے دام لگانا
اور بات پڑے جب تو مرا نام لگانا

زلف نے پرتوِ دیں نام کو رہنے نہ دیا
دو مرادیں جو ملیں چار تمنائیں کیں
موت کو بھول گیا دیکھ کے جینے کی بہار

آخر اس لام نے اسلام کو رہنے نہ دیا
ہمنے خود قلب میں آرام کو رہنے نہ دیا
دل نے پیشِ نظرِ انجام کو رہنے نہ دیا

نورِ عرفاں عقل کے پردے میں پنہاں ہو گیا
بتکدے میں شور ہے اکبر مسلماں ہو گیا
انتشارِ اہلِ معنی فیض سے خالی نہیں

ہوش میں آنا حجابِ روئے جاناں ہو گیا
بیوفاؤں سے کوئی کہدے کہ ہاں ہاں ہو گیا
بوئے خوش پھیلی اگر غنچہ پریشاں ہو گیا

راحت تسکیں نہ تھا تاج جہاں کا کوئی رنگ	حسن روش پر میں چلا آخر پریشاں ہوگیا
خواب راحت بن گیا حرف حد العدما	حشر میں حسن عمل گلزار رضواں ہوگیا
اُن کی صورت دیکھکر آنے لگی یاد خدا	نور رخ اُن کا چراغ راہ عرفاں ہوگیا
دونوں کو تشبیہ دی تھی عارض محبوب سے	آئینہ حیرت میں آیا گل پریشاں ہوگیا
تیغ کھینچی اُس نے مسولِ توجہ ہم ہوئے	حسن وہ افسوں ہے جس سے ظلم احساں ہوگیا
ترک دنیا سے ہوئی جمعیت خاطر نصیب	حال میرا گو کہ ظاہر میں پریشاں ہوگیا
طاقت فریاد بھی مجھ میں نہ باقی رہ گئی	ظلم کرنا آپ کو مجھ پر اب آساں ہوگیا
خوان الوان فلک پر کیا مسرت ہو مجھے	گور کا لقمہ ہوا جو اُس کا مہماں ہوگیا
فرقت جاناں میں کیسی جو تبدلی اے ہمنشیں	اسقاط طبع بدر رخ ہجراں ہوگیا
صورت ظاہر میں دل اک قطرۂ خوں تھا فقط	آگیا جب جوش میں معنی کا طوفاں ہوگیا
جس سے کہتے ہیں وہ کہتا ہے کہ بیت ہم ہے	اب ہمارا حال بھی خواب پریشاں ہوگیا
بس یہی دولت مجھے دی تو نے اے عمر دراز	سینۂ اک گنجینۂ داغ عزیزاں ہوگیا
اور عالم میں ہوں میں اے فاتحہ خواں بعد مرگ	میں نہ تھا وہ جسم جو مٹی میں پنہاں ہوگیا
پڑھ گئی سورت جو تجھ بن گل کھلے گلزار میں	زخم دل کے حق میں ہر غنچہ نمکداں ہوگیا
کردیا اہل بصیرت فیض ساقی نے مجھے	ساغر مے آفتاب اوج عرفاں ہوگیا
اک نظر کا ہے تعلق اس جہاں سے ہوش کو	بس کا بس اک جنبش مژگاں میں پنہاں ہوگیا
دیکھنا مشروط دیں تھا تو ہوتا بت پرست	کچھ نہ دیکھا اس کی برکت سے مسلماں ہوگیا
درد نے جا اس میں کی اک سینہ پنہاں ہوگیا	الحمد اب مرا دل بھی مسلماں ہوگیا
جلوۂ حسن بتاں آشوب دوراں ہوگیا	اللہ اللہ آفت دیں مسلماں ہوگیا
اشک خوں آلود آنکھوں میں نمایاں ہوگیا	دیکھئے دل بھی تحریک چشم گریاں ہوگیا
رنگ خوں اب صاف آنکھوں میں عیاں ہوگیا	دیکھئے دل بھی تحریک چشم گریاں ہوگیا

اُس نے پوچھا ہو گیا آسودہ بوسہ لے کے تو
میں نے ناحق کہدیا جلدی میں جی ہاں ہو گیا

سر بھی کھا جائے گا ظالم جان بھی کھا جائے گا
سخت مشکل ہے کہ ناصح میرا مہماں ہو گیا

انقلابِ دہر دیکھو بن گیا آقا غلام
قصر کا مالک جو تھا اب اُس کا درباں ہو گیا

دیکھنے سے شوق پیدا شوق سے پیدا طلب
آفتِ دل آنکھ تھی دل آفتِ جاں ہو گیا

قبلِ ہستی ان عوارض سے بری تھا دل مرا
اس سفر میں مبتلائے دین و ایماں ہو گیا

عظمتِ خالق نہ سمجھا قدرِ دل اُس نے نہ کی
جو پئے لذت مطیعِ نفس و شیطاں ہو گیا

پوچھتے کیا ہو اُصول مذہبِ رندانِ عشق
یار کا ارشاد اُن کا دین و ایماں ہو گیا

میری قسمت تھی کہ ہر پتا بنا بانگِ عسس
بخت دشمن تھا کہ خوابِ چشم درباں ہو گیا

اس توقع پر کہ تیرے پیرہن میں صرف ہو
ماہِ نو بھی چرخ پر شکلِ گریباں ہو گیا

اُس لبِ شیریں کے بوسوں نے کیا شیریں سخن
لی زباں اُن کی جو منہ میں میں زباں داں ہو گیا

کی ترقی چشمِ بد دور ایسی اپنے رنگ میں
اکبر اب مسند نشینِ بزمِ رنداں ہو گیا

کر گئی کام نگاہِ مسِ برہمن کیسا
بچ چلے دیر و حرم شیخ و برہمن کیسا

اُس کو چکر ہی رہا اور یہ خدا تک پہونچا
دلِ پُرسوز جو ہاتھ آئے تو انجن کیسا

اصل سے ہو کے جدا نشو و نما کی امید
مجھکو حیرت ہے کہ بوڑھوں میں یہ بچپن کیسا

خدا کے ہوتے بتوں کو پوجوں نہیں تھا مطلق گماں ایسا
مگر تمہیں دیکھکر تو واللہ آچلا مجھکو دھیان ایسا

وہ چھت پہ بے پردہ سو رہے ہیں فلک قمر سے یہ پوچھتا ہے
بتا تو تیری نظر سے گذرا ہے کوئی خوشرو جوان ایسا

بھلا ہی دیتی ہو جسکو دنیا مٹا ہی دیتا ہو جسکو گردوں
عبث ہے انسان چاہتا ہے جو نام ایسا نشان ایسا

بھرا ہوا دل جو ذوق سے ہو خدا کی یاد آئیں شوق سے ہو
وہاں کے جلوؤں کا پوچھنا کیا مکین ایسا مکان ایسا

دل و جگر کو فراقِ بت میں حوالۂ چشمِ تر کروں گا
کبھی کسی نے کیا نہ ہوگا کنارۂ گنگ دان ایسا

دنیا کے مباحث یہ مری نظروں میں ہیں کیا
اتنا تو کوئی پہلے بتائے سمجھے میں کیا

تو کہئے گر وقعت عاشق نہیں دل میں
یہ کون سی سیکھی ہے زباں آپ نے تیں کیا

زلف پیچاں کا تصور مجھے کرتا ہی نہ تھا
ہوگئی مفت طبیعت میں اک الجھن پیدا

شرم کی جا ہے نہ ہو دل میں جو داغوں کی بہار
سینۂ خاک بھی کر لیتا ہے گلشن پیدا

میری ہر بات کا رخ ہے طرفِ عارضِ یار
میرے ہر شعر سے ہیں معنیٔ روشن پیدا

دیدۂ قاتل سے کھٹکتے رہو ہر دم اکبر
دوستوں ہی میں سے ہو جاتے ہیں دشمن پیدا

کوئی ہے دہر میں خون جگر کہیں پیتا
کوئی زمانے میں ہے تیر و انگبیں پیتا

میں ان کی بزم سے اٹھ آیا قبل دور شراب
محلِ شرم تھا کہتا کہ میں نہیں پیتا

سرورِ روح ہے حاصل لائے حیدر سے
میں جام کوثر و تسنیم ہوں یہیں پیتا

دلیری پینے کو دنیا میں قوتِ پرواز
اگر یہ خون کسی کا سراغ کیں پیتا

ہر ایک قطرے کے بدلے میں دیتا اک دانہ
تری طرح کوئی پانی حوالے زمیں پیتا

جھجکتے کیوں ہو۔ جو ہوتا ہے اعتراض اکبر
جواب کیوں نہیں دیتے بہت نہیں پیتا

شکایت جوشِ الفت سے ہوئی تھی لے حسیں پیدا
تعجب ہے اگر اس سے ہوئی چیں بہ جبیں پیدا

فریب عقل ظاہر میں ہے یہ سب ورنہ اے اکبر
نہیں فانی نہیں باقی نہیں پنہاں نہیں پیدا

مری تقریر کا اس پر بس یہ کچھ قابو نہیں چلتا
جہاں بندوق چلتی ہے وہاں جادو نہیں چلتا

کمر باندھی بھی یاروں نے جہاد و محبت قومی میں
وہ بولے تو نہیں چلتا وہ بولے تو نہیں چلتا

کہا پیرِ طریقت نے اکڑ کر اپنی مسند پر
یہی منزل ہے جس میں شیخ کا ٹٹو نہیں چلتا

لطیف الطبع ساتھی چاہیے میاں طبیعت کا
جس سے بے مزہ کے کاروانِ بو نہیں چلتا

ستم دورِ گردوں کے سہہ جاؤں گا
جو گذرے گی دل پر وہ کہہ جاؤں گا

دعا ہے کہ مر کر بھی رہ جاؤں کچھ
وگرنہ یوں نہیں مر کے رہ جاؤں گا

ہمیشہ آپ کے آگے ہیں دست بستہ رہا
مگر دل آپ کے قابو میں تھا شکستہ رہا

ذرا تو پختہ شریفوں کو باغ دہر میں دیکھ
انہیں کا حال ہر اک سے زیادہ خستہ رہا

جناب شیخ سے جا کر ذرا للہ کہہ دینا
کہ گمراہی تھی مجھ سے رند کو گمراہ کہہ دینا

بہت مشکل ہے بچنا بادۂ گلگوں سے خلوت میں
بہت آسان ہے یاروں میں معاذ اللہ کہہ دینا

مرے خط میں سلام اغیار کو قاصد یہ کیا معنی
نہایت رنج ہے اس کا مجھے واللہ کہہ دینا

تمہاری مرحبا سے شعر کی ہو جائے گی عزت
نہ نکلے واہ دل سے تو زباں سے واہ کہہ دینا

اگرچہ تسکینِ طبع ملت ہے شب تومی میں آہ کرنا
مفید تر ہے مگر دلوں کو رجوع سوئے اللہ کرنا

وفائے وعدہ سے چشم پوشی ہمیشہ شام و پگاہ کرنا
حضور نے کیا ثواب سمجھا ہے منتظر کو تباہ کرنا

یہ کس سے سیکھا ہے تیری آنکھوں نے اس بلا کی نگاہ کرنا
بجائے دیں کو خراب کرنا دلوں کو اتنا تباہ کرنا

کہیں گے تفصیل ذات پر ہو نشان دو یا پتا بتاؤ
بتوں کے آگے ہے سخت مشکل خدا کو اپنا گواہ کرنا

نئی ادا یہ نہیں فلک کی سدا سے اس کا یہی ہے شیوہ
کسی کو حد سے سوا بڑھانا کسی کو بالکل تباہ کرنا

کہا جو میں نے نہ توڑ دل کو تجھے مناسب ہے دلنوازی
تو ہنس کے بولا کہ سہل ہوگا دل شکستہ میں راہ کرنا

جہانِ صورت کا ذرہ ذرہ جمالِ معنی کا آئینہ ہے
مگر انہیں کو جو دیکھتے ہیں جو جانتے ہیں نگاہ کرنا

کہے کوئی شیخ سے یہ جا کر کہ دیکھئے آکے بزم سید
یہ رونق اور یہ چہل پہل ہو تو کیا برا ہے گناہ کرنا

وہ دور چرخ آ رہا ہے اکبر کہ اہل تقویٰ ہیں زار و مضطر
بزرگ بھی طفل دل کو اپنے سکھا رہے ہیں گناہ کرنا

مجھ کو نہ کبھی اس بت دلخواہ نے چاہا
اب میں بھی نہ چاہوں گا جو اللہ نے چاہا

ساتھ ان کا نہ چھوڑا کسی حالت میں بھی اس نے
شعروں کو مرے خوب ہی اس واہ نے چاہا

خوشی سے باخبر شیخ یہ راضی ہو نہیں سکتا
خیال دین و عزت امر ماضی ہو نہیں سکتا

عمل بیجا اگر ہو روکنا واجب ہے اکبر کو
امیدوں پر مگر کچھ حکم قاضی ہو نہیں سکتا

حسن روشنی میں لوٹ ہی کی آپ کو سوجھے
تہذیب کی میں اس کو تجلی نہ کہوں گا

لاکھوں کو مٹا کر جو ہزاروں کو ابھارے
اس کو تو میں دنیا کی ترقی نہ کہوں گا

ہے عفف جلوہ دیرِ ماہی کا
پوچھنا کیا ہے اس کے بانی کا

دیدہ ہے محو دیرِ حالی کا
دل ہے مشتاق اس کے بانی کا

جان دیدی غمِ حسیناں میں
حق ادا کر دیا جوانی کا

خوب جی بھر کے ہو لئے بدنام
حق ادا کر دیا جوانی کا

کرتے ہیں مجھ سے غیر کا شکوہ
شکر ہے ان کی مہربانی کا

دل میں سوزش ہے آنکھ میں آنسو
عشق ہے کھیل آگ پانی کا

غور کر کیا ہے زندگی کی بنا
سوچ کیا حق ہے اسکے بانی کا

شملا جناک میں عمل اپنے
شوق رکھ فیضِ آسمانی کا

ہوش بھی مار ہے طبیعت پر
کیا کہوں حال ناتوانی کا

قتل سے پہلے ہے گلورا حارم
شکر ہے اُن کی مہربانی کا

شیخ در گور و قوم در کالج
رنگ ہے دور آسمانی کا

ق

انجن آیا نکل گیا زن سے
بس لیا نام آگ پانی کا

بات اتنی اور اس پہ یہ طومار
عل ہے یورپ پہ جانفشانی کا

علم پورا ہمیں سکھائیں اگر
تب کریں شکر مہربانی کا

یوں مری طبع سے ہوتے ہیں معانی پیدا
جیسے ساون کی گھٹاؤں سے ہو پانی پیدا

کیا غضب ہے نگہِ مستِ مس بادہ فروش
شیخ فانی میں ہوا رنگِ جوانی پیدا

یہ جوانی ہے کہ پاتا ہے جنوں حسن سے طول
یہ نہ سمجھو کہ جنوں سے ہے جوانی پیدا

بیہودہ ہیں تو یہ جھگڑے ہیں بستے اے ہوش
تو نے کر رکھا ہے اک عالمِ فانی پیدا

کوئی موقع نکل آئے کہ بس آنکھیں لڑ جائیں
راہیں پھر آپ ہی کر لے گی جوانی پیدا

ہر تعلق مرا سرمایہ ہے اک ناول کا — میری ہر رات سے ہے ایک کہانی پیدا
جنگ ہے جرمِ محبت سے خلافِ تہذیب — ہو چکا ولولۂ عہدِ جوانی پیدا

گو وہی ہند کی فردوس نشانی اکبر
کاش ہوتا ہے کوئی ملٹن ثانی پیدا

ہوا صبح دم سے آگے بہکنے لگا — میں کیا کرتا منہ اُس کا تکنے لگا
محبت کا تم سے اثر کیا کہوں — نظر مل گئی دل دھڑکنے لگا
بدن چھو گیا آگ سی لگ اٹھی — نظر مل گئی دل دھڑکنے لگا
رقیبوں نے پہلو دبایا تو چپ — میں بیٹھا تو ظالم سرکنے لگا

ہو محفل میں اکبر نے کھولی زباں
گلستاں میں بلبل سے چہکنے لگا

نظامِ عالم بتا رہا ہے کہ ہے اک اس کا بنانے والا — ظہورِ آدم دکھا رہا ہے کہ دل میں ہے کوئی آنے والا
نسیمِ مستانہ چل رہی ہے چمن میں پھر زینت بدل رہی ہے — صدا یہ دل سے نکل رہی ہے وہی ہے یہ گل کھلانے والا

خودی گم کر چکا ہوں اب خوشی و غم سے کیا مطلب — تعلق ہوش سے چھوڑا تو پھر عالم سے کیا مطلب
قناعت جس کو ہے وہ رزق کا محتاج پر خوش ہے — سمجھ جس کو ہے اُس کو بحثِ بیش و کم سے کیا مطلب
جسے مرنا نہ ہو وہ حشر تک کی فکر میں اُلجھے — بدلتی ہے اگر دنیا تو بدلے ہم سے کیا مطلب
مری فطرت میں مستی ہے حقیقت بیں ہے دل میرا — مجھے ساقی کی کیا حاجت ہے جامِ جم سے کیا مطلب
خود اپنی ریش میں اُلجھے ہوئے ہیں حضرتِ واعظ — بھلا ان کو بتوں کے گیسوئے پرخم سے کیا مطلب
نئی تعلیم کو کیا واسطہ ہے آدمیت سے — جنابِ ڈارون کو حضرتِ آدم سے کیا مطلب

صدائے سرمدی سے مست رہتا ہوں سدا اکبر
مجھے نغموں کی کیا پروا مجھے سرگم سے کیا مطلب

خدا کے منکر ہی سے غافل کہاں کے پیر اور امام صاحب — اُنھیں کے در پر جھکی ہے خلائق سلام صاحب سلام صاحب

کہاں کی پوجا نماز کیسی کہاں کی لنگا کہاں کا دم دم
ڈٹا ہے ہوٹل کے در پہ ہر اک میں بھی ہوں ایک عالم صاحب

بتوں کو سمجھا رہے ہیں وہ سب کو کہ سب نہیں یاد رہتے
کرو خوشی نیک بختی سے جا کے تم گھر کا کام صاحب

ق

مگر نہیں مانتا ہے کوئی ہر اک کی یہ التجا ہے کل سے
مجھے بھی تم چھاپ دو کہیں پہ مرا بھی ہو جائے نام صاحب

مری تمھاری نہیں نبھے گی سدھارتا ہوں بری بلا سے
سلام صاحب سلام صاحب سلام صاحب سلام صاحب

اے جانِ جہاں حور ابھی شیریں سی خوب
ہے میری نگاہوں میں تری جلوہ گری خوب

تشبیہ میں دوں گا اسے رفتارِ صنم سے
واللہ تری چال ہے اے کبکِ دری خوب

یوں ترچھی نگاہوں سے مجھے قتل بھی کرنا
پھر صاف مکرنا کہ میں ہوں اس سے بری خوب

کھلتا ہے مرا غنچۂ دل آہِ سحر سے
عاشق کے لئے ہے یہ نسیمِ سحری خوب

منہ کھول کے سویا ہے وہ گل صحنِ چمن میں
لطف آج اٹھائے گی نسیمِ سحری خوب

سچ یہ ہے کہ واعظ مجھے بھاتا ہے نہ اکبر
وہ خبط ہی اچھا ہے یہ شوریدہ سری خوب

کہتے ہیں فطرت جسے یہ ہے نقابِ روئے دوست
ہے اسی پردے میں پنہاں آفتابِ روئے دوست

پردۂ فطرت خرد افروز و حکمت خیز ہے
ہے جنوں انگیز لیکن آب و تابِ روئے دوست

دیکھ لی جس نے جھلک اس کی وہ پہونچا دار پر
زیبِ منبر ہو ابھی جو محجوبِ روئے دوست

ذوقِ معنی ہو تو اے اکبر نظر آگے بڑھا
عالمِ انجم تو ہے لوحِ کتابِ روئے دوست

ماہِ نو بھی ہے چمکا ترے ابرو کی طرح
نکہتِ گل بھی نہ نکلی تری خوشبو کی طرح

کون سی تیغ ہے تیغِ خمِ ابرو کی طرح
کہ اشاروں ہی میں چل جاتی ہے جادو کی طرح

وہ ادا کی کہ قضا آ گئی خودداری کی
وہ نظر کی کہ اثر کر گئی جادو کی طرح

گل میں وہ شوخیِ رنگِ رخِ محبوب کہاں
سرو میں لوچ کہاں اس قدِ دلجو کی طرح

مجھ کو دم بھر کبھی زمانے میں نہیں چین نصیب
مضطرب شیشۂ ساعت میں ہوں بالو کی طرح

حسن میں کب ہے قمر کو تری مانند ثبات
کبھی عارض کی طرح ہے کبھی ابرو کی طرح

نہ یہ جنبش ہے نہ یہ نوک پلک ہے اس میں
قطع میں گو ہے ہلال آپ کے ابرو کی طرح

کم بضاعت کو جو یک ذرہ بھی ہوتا ہے فروغ
خود نمائی کو وہ اڑ چلتا ہے جگنو کی طرح

دل کا میلان یقینی ہے سخن میں جو ہو وزن
طبع سنجیدۂ سامع ہے ترازو کی طرح

کیا کہوں شوقِ شہادت کو میں تجھ سے قاتل
روز افزوں ہے تری قوتِ بازو کی طرح

خالی از لطف نہیں آنکھ چرانا اُن کا
فرحت افزائے نظر ہے رمِ آہو کی طرح

گلشنِ عشق میں ہے اشک اگر جوئے رواں
خوشنما آہ بھی ہے سروِ لبِ جو کی طرح

ہر زمیں میں ترا مضمون ہے مطلوب اے دوست
کہیں ہو ہو کی طرح ہے کہیں کوکو کی طرح

نیچی نظروں سے مرے دل کو وہ کرتے ہیں شہید
ظلم پوشیدہ کیا کرتے ہیں جادو کی طرح

فرحت انگیز تو ہے ولولہ انگیز نہیں
نکہتِ گل بھی نہیں ہے تری خوشبو کی طرح

رنگِ گل سے بھی سوا شوخ ہے تو رنگ میں یار
مگر افسوس کہ آوارہ بھی ہے بو کی طرح

ہمسر اس طرۂ مشکیں کی نہیں کوئی بلا
کوئی فتنہ نہیں اس نرگسِ جادو کی طرح

ٹکڑے میرے دلِ روشن کے جو دیکھا تو کہا
کیا گلے میرے یہ پڑ جائیں گے جگنو کی طرح

جامِ مے غیر کو دو میں نہ کروں گا شکوہ
رنج کی بات ہے پی جاؤں گا آنسو کی طرح

سر جھکا فکر میں بیٹھ۔ اپنی حقیقت کھل جائے
حق نما کون ہے آئینۂ زانو کی طرح

رشک آتا ہے جو تکیے پہ وہ سر رکھتے ہیں
صاحبِ حس نہ کہیں ہو مرے زانو کی طرح

نام کر جاتے ہیں دنیا میں جو خوش قسمت ہیں
کوئی مجنوں کی طرح کوئی ارسطو کی طرح

واعظا تیری زباں بند ہے مذمت سے کی
یہ سخن تیرا گلوگیر ہوا اچھو کی طرح

ہو اشاروں کا اگر اہلِ نظر کے تابع
خلق آنکھوں پہ جگہ دے تجھے ابرو کی طرح

گلشنِ دہر میں اکبر کا کلام رنگیں
کھل گیا گل کی طرح پھیل گیا بو کی طرح

اظہارِ مدعا میں کروں گا اسی طرح
وہ پیش آئیں اچھی طرح یا بُری طرح

چاہوں گا تخلیہ۔ زیادہ بٹھاؤں گا
تشریف لائے بھی تو حضرت کسی طرح

دل ہو وفا پسند نظر ہو حیا پسند
جس حسن میں یہ وصف ہو وہ ہے خدا پسند

توڑوں پہ تیرے جھومتے لگتی ہے شاخِ گل
سچ ہے تیرا ناچ مجھے اے صبا پسند

پھرتی ہے ارض آفتاب کے گرد
شد و چکر میں ہے حباب کے گرد

نہیں ظلمت ہزار اسے ٹالو
عشق بہتا ہی ہے شباب کے گرد

شعلہ رویوں میں گھومیں سوختہ دل
آنچ لگتی رہے کباب کے گرد

کون مستی مری سنبھالے گا
میں تو جاتا نہیں شراب کے گرد

وقتِ بہارِ گل دلم از ہوش دور بود
صبح نسیم دشمنِ شمع شعور بود

میگفت دوش تحفۂ شوقت زبان دل
ہر حرف او حکایتِ موسیٰ و طور بود

یک جلوہ کرد صورت پروانہ سوختم
آرے ہمیں علاج دل ناصبور بود

خوش بود آں زماں خودی از خود خبر نداشت
ہوشم خراب بود و دلم در حضور بود

یکساعت حضوری او اینچنیں گذشت
من محو بودم او ہمہ ناز و غرور بود

سیل مشو بگفتۂ مستکہ او ز جہل
وہمش نگفتہ ایکہ بجسم تو نور بود

اکبر بہ پیش پیر مغاں کرد اعتراف
غوغائے من بہ خلق ہمہ مکر و زور بود

گذشتند آں قدر یاراں ز دیدۂ سیدائے اکبر
کہ آں مرحوم اکنوں در شمار شیخ می آید

فسردگی ہوئی پیدا اس انتشار کے بعد
ہزار حیف کہ ملا نہ گرا سنگار کے بعد

کہا جو میں نے کہ دل چاہتا ہے پیار کروں
تو مسکرا کے وہ کہنے لگے کہ پیار کے بعد

بہت ہی بگڑے وہ کل مجھ سے پہلے لوم پر
خموش ہو گئے آخر کو تین چار کے بعد

گیا شباب تو اس آئینہ میں کیا دیکھوں
وہ لطف ہی نہ رہا باغ میں بہار کے بعد

نہ بھول اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا اے اکبر
خدا سکون بھی دیگا اس اضطرار کے بعد

مذاق درد ہے دل کو مرے ہے آہ پسند
عجب نہیں اسے کرلے تری نگاہ پسند

خدا کا شکر دیا اس نے مجھکو بوسۂ لب
کسے نصیب یہ حلوا ہے بادشاہ پسند

محلِ طعن نہیں ہے ہماری سے خواری
ہنر کے حکم میں ہے عیب بادشاہ پسند

یہ بے اصولی و لغزش بری ہے سالک کو
خدا کے واسطے تم کرلو ایک راہ پسند

نہ حلق سر کا ہے سودا مجھے نہ تسبیح کا
بتوں سے گو کہ میں کرتا ہوں رسم و راہ پسند

خدا پرست بنائے گا کیا وہ لسٹر بیچر
کرے جو طبع کو بیجے قید اور گناہ پسند

گناہ سخت بتوں سے ہے مدعا طلبی
غضب یہ ہے کہ مجھے ہے یہی گناہ پسند

ق

فلاسفی کو ہے مرغوبِ طبع الا اللہ
طریقِ شیفک کو ہے لا الہ پسند

رہا رسول کا درجہ سو وہ تو ہے قانون
کرے حریف اُسے ناپسند خواہ پسند

اب اسکے آگے ہے جو کچھ گروہ بندی ہے
ہر اک کو اپنی ہی نسبت ہے واہ واہ پسند

ملحداں را ہمہ اوصاف و ثنا ہا خوانند
مومناں را بجز اشتند بہ دشنامے چند

غیرتِ دین بہ فروشند بہ یک غمزۂ کفر
چشم پوشند ز ملت پئے خود کامے چند

روح خود را چو سپردی بہ غلامیِ حریف
چہ کنی ناز بہ نامے و بہ حندامے چند

پختہ و حیف کہ خدا عقل و تمیزش داد است
قدمے ہم نہ نہد در رہِ ایں خامے چند

ور دایں نغمۂ حافظ کن و خوش باش اکبر
ہاں تو از بادۂ شیراز بزن جامے چند

اے گدایان خرابات خدا یار شما ست
چشم انعام مدارید ز انعامے چند

دلا لے چل ہمیں سوئے محمدؐ
دکھا دے جنتِ کوئے محمدؐ

شب عاشق ہیں گیسوئے محمدؐ
خدا کا نور ہے روئے محمدؐ

چمن قرآن ہے ہر لفظ اسکا ہے گل
نہاں ہر گل میں ہے بوئے محمدؐ

مشام جان معطر ہو رہا ہے
رہے سودائے گیسوئے محمد
محمد پھول ہیں واعظ صبا ہیں
کہ پھیلاتے پھریں بوئے محمد
یہ مژدہ اہل عالم کو سنا دو
بھری رحمت سے ہے خوئے محمد
خدا کے گھر سے ہے الحاق اسکو
یہ دیکھو رفعت کوئے محمد
درود اس پر ملایک بھیجتے ہیں
تو جیسے حسن کی ہو سوئے محمد
ہوئی زائل جہاں سے ظلمت کفر
پڑا جب پر تو روئے محمد
ہوئے دلدوز تیر الفت حق
کھنچی جب قوس ابروئے محمد
منور نور وحدت سے ہوا دل
شرار پر تو روئے محمد

خدا کا پیار ہے اُس دل پہ اکبر
کشش جس دل کی ہے سوئے محمد

آتا ہے وجد مجھکو ہر دین کی ادا پر
اے برہمن کہوں گا ہر سحر کو میں مائی
پڑ جائے آتے جاتے شاید نگاہ سلطاں
مسجد میں ناچتا ہوں ناقوس کی صدا پر
موقوف کچھ نہیں ہے گنگا و فریدا پر
جو راہ سے الگ ہے افسوس اُس گدا پر

مجھے ہمنشیں ملا کیا انھیں حال دل سنا کر
وہ کہہ آئے ساری باتیں مرے دشمنوں سے مل کر
مری زندگی ہو کیونکر جو تو جیسے ہو مجھ سے
نہ ہو شوق اگر دعا کا تو میں خوش ہوں تو جفا کر
مرا یار مستحیں ہے جو تو ادا ہے نازنیں ہے
مگر اس کا غم یقیں ہے کہ جیوں گا اسکو پا کر
کرو شوق سے محبت مگر ایک بات سن لو
کسی اور کام کے پھر نہ رہو گے دل لگا کر
نکل آیا چاند چمکا تو چھپ گئے ستارے
شب ماہ بھی تھی کیسی جو تو نکلا جگمگا کر

موقوف کچھ نہیں ہے نقطے پرست پر
عزت ملی ہے شرکت کونسل کی شیخ کو
رندان پختہ کار کو موسم کی قید کیا
زاہد کو بھی ہے وجد تری چشم مست پر
تازہ ملا گیا ہے رخ فاقہ مست پر
موقوف میکشی نہیں ماہ الست پر

بلبل کی شاخِ گل کی نمو پر نگاہ ہو — میری نظر ہے تاک ہی کے دار و بست پر

پھیکا ہے رنگ مے ترے عارض کے سامنے — مستی ہے خود نثار ترے حسنِ مست پر

منظور مدحِ حسن ہے ہو یا نہ ہو کمر — موقوف شاعری نہیں اس نیست ہست پر

بند نقاب باندھتے ہیں مجھکو دیکھکر — اہلِ نظر کا صاد ہے اس بند و بست پر

چل پھرتے اُنکی آنکھوں کی مجھکو لبھا لیا — کیونکر نہ پیار آئے غزالوں کی جست پر

اُس باوفا کو حشر کا دن ہو گا روزِ وصل — قائم رہا جو دہر میں عہدِ الست پر

ہے نشۂ غرور میں زاہد خراب تر — پھر کیا میں اعتراض کروں مے پرست پر

اکثر مرے عزیز نئی روشنی میں ہیں — رحمت خدا کی چاہوں گا اب مے پرست پر

بجلی کو ہاتھ آگیا تیری ہنسی کا طرز — غنچوں کو رشک کیوں نہ ہو اس تیز دست پر

گو حافظے کو یاد نہ ہو قصۂ ازل — ہم تو جمے ہوئے ہیں قرارِ الست پر

کرسی نہیں ہے عرش تو پھر کیا یہ فخر و ناز — کیوں معترض ہو فرش زمیں کی نشست پر

نظر اُن کی رہی کالج میں بس علمی فوائد پر — گرا کیں چپکے چپکے بجلیاں دینی عقائد پر

بس اصلِ کارِ دیں تو صرف تسبیح و قناعت ہے — عوام الناس باہم جنگ کرتے ہیں زوائد پر

بہت ہی کم پلے اپنے عارف کلام باری نے ہم میں آکر — سرے سے بگڑا ہے سچ جو پوچھو عرب کا مذہب عجم میں آکر

اثر یہ تھا عیسوی نفس کا کہ زندہ ہوتا تھا جسم بیجاں — یہاں تو ہم مر رہے ہیں لیکن بتانِ ترسا کے دم میں آکر

جو صنعت پوشیدہ دین میں تھا عیاں ہوا وہ تیر عمل سے — زبانِ واعظ میں بھی جو طاقت چھپی وہ میرے قلم میں آکر

جو شوقِ مستی ہو دل کے اندر تو آپ سنئے کلام اکبر
اگر ہو ذوقِ شرابِ ساغر تو پیجئے بزمِ جم میں آکر

جس نے اُبھارا خلق کو طاعت کردگار پر — نقش اُسی کا رہ گیا صفحۂ روزگار پر

شاہ و وزیر کے تو نام دب گئے ہسٹری کے ساتھ — سکۂ نامِ انبیا - اب بھی ہے ہر دیار پر

مغوی تو ملینگے تمہیں شیطان سے بہتر — ہادی نہ ملے گا کوئی قرآن سے بہتر

وہی علم مصنف ہو ہے حامی ملت
انسان اگر معرفت حق سے ہو عامل
مخلوق الٰہی میں عمل پر جو نظر کر
ہر حال میں ہے دل کے لئے حافظ و ناصر
یہ سچ ہے کہ جھکتا ہے مخالف کی بھی گردن
سن لے جو توجہ سے بزرگوں کی نصیحت

ارماں نہیں کوئی اس ارماں سے بہتر
کیا شک کہ ہے نام ہی اس انساں سے بہتر
انسان سے برتر ہے نہ انسان سے بہتر
دولت کوئی ممکن نہیں ایمان سے بہتر
سن لو کہ کوئی شے نہیں احسان سے بہتر
پھر کان جواہر نہیں اس کان سے بہتر

خدا نے عقل کی نعمت عطا کی مہرباں ہوکر
کھلیں وہ شرگیں آنکھیں شب وصلت زباں ہوکر
کمال اس دام گیسو میں پھنسا کچھ نقص تھا دل میں
عطا کر قسمت تقسیب سعدی یا رب اس گل کو
ترا قد دیکھ کر اے گل میں تجھکو سرو سمجھا تھا
ہمیں سے سب یہ کہتے ہیں کہ نیچی رکھ نظر اپنی
جھکایا ہے جس کو آستان یار پر میں نے
کمال اپنی عنایت ہے نہایت مہربانی ہے

ادا سے شکر کر دیوانہ حسن بتاں ہوکر
محبت کی نظر سے دی اجازت مجھکو ہاں ہوکر
پھنسا آخر یہ کیونکر طائر عرش آشیاں ہوکر
چھلے پھولے زمانے میں گلستاں بوستاں ہوکر
مگر تو سرو سے بھی بڑھ گیا آخر رواں ہوکر
کوئی اٹھنے نہیں کہتا نہ ٹکڑیوں عیاں ہوکر
سعادت ہے اگر رہ جائے سنگ آستاں ہوکر
کہیں آئیں محلے میں اُنھیں جانا یہاں ہوکر

اگر اللہ دیتا قوت گفتار شمعوں کو
ہوا سے نفس سے ہوکر الگ لغت میں مر جاتا
مجال گفتگو کس کو ہے اُن کے حسن کے آگے
قریب ختم تھی مجلس کہ آ نکلے ادھر وہ بھی
یہ ارشاد آپ کا بالکل بجا ہے حضرت واعظ
نگاہیں مل گئیں تھیں پیری آنکھیں رات محفل میں
بہت مشکل ہوا ہے ختم کرنا مجھکو نامے کا

تو داد ہمت پروانہ دیتیں یک زباں ہوکر
وہ حالت ہے کہ رہ جاتی ہے زندہ داستاں ہوکر
زبانیں بند کر دیں ان بتوں نے بے زباں ہوکر
غرض واعظ کی محنت رہ گئی سب رایگاں ہوکر
مگر میں کیا کہوں کچھ بن نہیں پڑتی جواں ہوکر
یہ دنیا ہے بس اتنی بات پھیلی داستاں ہوکر
وفور شوق سے رکتا نہیں خامہ رواں ہوکر

پھری قسمت ہوا کی آپ کی زلفوں کے صدقے میں
پریشاں ہو کے اُٹھی تھی چلی عنبر فشاں ہو کر

بنو گے خسرو اقلیمِ دل شیریں زباں ہو کر
جہانگیری کرے گی یہ ادا نورِ جہاں ہو کر

دلوں کا قرب حاصل کیجیے راحت رساں ہو کر
نفس نے سینہ میں جا پائی ہے آرامِ جاں ہو کر

غریبوں سے لپٹ جاتی ہے دنیا فکرِ ناں ہو کر
امیروں کے مقابل ہوتی ہے حسنِ بتاں ہو کر

ہوئے ضبطِ محبت عقل مذہب میں ہوئی داخل
بنی وجہِ عناد آخر نصیبِ دشمناں ہو کر

مجالِ گفتگو کس کو فنا کا جب پیام آیا
ہوئی خاموش آخر شمع بھی آتش زباں ہو کر

کسی نے خوب فرمایا اک اسلامی کمیٹی میں
نمازی ہیں ندارد رہ گئی خالی اذاں ہو کر

کرم تھا دوستوں پر ظلم ایام گذشتہ میں
ستم ہے اس زمانے میں نصیبِ دشمناں ہو کر

جو دانشمند ہیں وہ یوں دعا دیتے ہیں لڑکوں کو
تم ہو مکار پیری میں نہ ہو عاشق جواں ہو کر

جوانی کی دعا لڑکوں کو ناحق لوگ دیتے ہیں
یہی لڑکے مٹاتے ہیں جوانی کو جواں ہو کر

پھنسایا جھوٹی باتوں سے مجھے دنیا نے غفلت میں
سُلایا مجھکو اس مکار نے افسانہ خواں ہو کر

تمھیں اوج و تعلّی کا مزا مجھکو تواضع کا
یہاں تو خاکساری ہے رہو تم آسماں ہو کر

بدی طینت کی چھپ سکتی نہیں شیریں زبانی سے
دل اچھا ہو تو بجھ جاتی ہے شاید بد زباں ہو کر

زمیں کی طرح جس نے عاجزی و خاکساری کی
خدا کی رحمتوں نے اسکو ڈھانکا آسماں ہو کر

ضعیفی زور پر آئی ہوسے بیدست و پا اکبر
کیا بچوں سے بد تر ہم کو پیری نے جواں ہو کر

روش ہو راست آزادانہ ساتھ اسکے تواضع بھی
چلو تم مثل تیر اکبر جھکو لیکن کماں ہو کر

خیالِ عزت مجنوں نہ چھوڑے اے اہلِ مجنوں
نہیں ہے ہوش اسکو تو تو اڑ جا دھجیاں ہو کر

نگینِ بے بہا تھا دل ضرورت تھی حفاظت کی
ترا نقشِ تصور اسمیں بیٹھا پاسباں ہو کر

مری زردیِ رُخ کا ذکر ہے لبہائے جاناں پر
مزا دیکھو کہ حلوے میں پڑا ہوں زعفراں ہو کر

بلندیِ مراتب سے تلوّن ہو گیا پیدا
بدلتے ہیں ہزاروں رنگ اب آسماں ہو کر

اسی سے آشکارا ہے بلندی تیرے ایواں کی
پڑا ہے آسماں بھی تیرے در پر آستاں ہو کر

میں چھپتا یا تلاش پیر کی دیکھ مصلاح اس کو
ہوے وہ اور بھی ظالم مرید آسماں ہو کر

بہار آئی کھلے گل ہے سو صحن بوستاں ہو کر
عنادل نے مچائی دھوم سرگرم فغاں ہو کر

بچھا فرش زمرد اہتمام سبزۂ تر میں
چلی مستانہ وش باد صبا عنبر فشاں ہو کر

عروج نشو و نما سے ڈالیاں جھومیں
ترانے گائے مرغان چمن نے شادماں ہو کر

ملائیں شاخ گل کی لیں نسیم صبح گاہی نے
ہوئیں کلیاں شگفتہ روئے رنگیں پتاں ہو کر

حوانا جس سے اپنا پیار آنکھ دکھلایا
کسی نے یاسمن ہو کر کسی نے ارغواں ہو کر

کیا پھولوں نے شبنم سے وضو صحن گلستاں میں
صدائے نغمۂ بلبل اٹھی ناقوس اذاں ہو کر

ہوئے شوق میں شاخیں جھکیں خالق کے سجدے کو
ہوئی تسبیح میں مصروف ہر پتی زباں ہو کر

زباں برگ گل نے کی دعا رنگیں عبارت میں
خدا سرسبز رکھے اس چمن کو مہرباں ہو کر

نگاہیں کاملوں پر پڑ ہی جاتی ہیں زمانہ کی
کہیں چھپتا ہے اکبر پھول پتوں میں نہاں ہو کر

بہار آئی ہے اک آئینۂ معنی نشاں ہو کر
چمن میں بوئے گل پھیلی ہے تیری داستاں ہو کر

خوشی میں ہم جمال شاہد معنی نظر آیا
عبث سمجھے ہیں لفظوں میں ہم محو بیاں ہو کر

قیامت کیا ہے خلقت کو تہ صبر آمادگی پر
یہ فطرت خود سے گی صور سرگرم فغاں ہو کر

جو راہ معرفت میں کارواں دل قدم رکھے
تو ساری کائنات اڑ جائے گرد کارواں ہو کر

کیا اچھوں نے دار بے مصور کو کھینچا
کہ جو دستور کو مشکل تھا بیمار زداں ہو کر

تری فرقت میں سارے عمر جو تکلیف اٹھاتے ہیں
اجل لے جاں انھیں کو آتی ہے آرام جاں ہو کر

اشارہ زاہداں خشک سے ہے دختر رز کا
ولی بننے مرید حضرت پیر مغاں ہو کر

عجب کیا ہے جو دونوں ہیں بیہوشی کے دنیا میں
چلے جب ہو کے رخصت آئے جس دن میہماں ہو کر

الگ رہتی ہے فطرت ہوش کو ایسے مواقع پر
کہ تا تماشہ کر دے راز ہستی رازداں ہو کر

نمایاں ہیں ترے دامن کی بلبلیں کہکشاں ہوکر
ہوا زرد الفتِ گلرو میں زار و ناتواں ہوکر
مری نسبت یہ فرماتے ہیں واعظ بدگماں ہوکر
بہارِ عمر جب آخر ہوئی واپس نہیں آتی
زبانیں دیکھتی ہیں آفتِ تقریر کو چپ ہیں
ابھارا اسقدر اس عہد میں روشن خیالوں نے
بنی آدم میں اتنے مہر طلعت ہو گئے پیدا
دکھا کر ابرو و مژگاں نظر اُن کی یہ کہتی ہے
ہتھیار رکھا ہے اُس نامہرباں نے تنتظر کرکے
لطافت الطبع تیز و تند و رنگیں و نشاط افسرا

اس اطلس کی زمیں سے ماہ چمکی آسماں ہوکر
مرے باغِ جوانی میں بہار آئی خزاں ہوکر
قیامت ڈھائیگا جنت میں یہ بوڑھا جواں ہوکر
درخت اچھے کہ پھلتے ہیں نئے سر سے جواں ہوکر
نگاہیں داستانیں کہہ رہی ہیں بے زباں ہوکر
کہ چل نکلی زمیں قائم مقامِ آسماں ہوکر
کہ چل نکلی زمیں قائم مقامِ آسماں ہوکر
کسی سے کیوں جھکیں ہم صاحبِ تیغ و سناں ہوکر
خدا سے ہے مجھے امید اُٹھا لے مہرباں ہوکر
تمھیں سی ہو گئی ہے دخترِ رز بھی جواں ہوکر

کیا افسردہ نافہموں نے مجھ کو ہمنشیں ہوکر
ہجومِ یاس نے مطلق جگہ باقی نہیں رکھی

طبیعت رک گئی افسوس معنی آفریں ہوکر
تمنا پھر گئی آخر درِ دل سے حزیں ہوکر

ہر لحظہ دیکھتا ہوں زمانے کی شان اور
دل اُس بتِ فرنگ سے ملنے کی شکل کیا
کیونکر زباں ملانے کی حسرت بیاں کروں

گویا زمیں اور ہے اور آسمان اور
میرا طریق اور ہے اُس کی ہے شان اور
اُس کی زبان اور ہے میری زبان اور

اب شغلِ زندگی کے ہیں قانون ہی کچھ اور
وہ جادوئے سخن ہے نہ وہ رنگِ انجمن

کیسی غزل یہاں تو ہے مضمون ہی کچھ اور
تہذیبِ مغربی کے ہیں افسون ہی کچھ اور

میلِ نظر ہے زلفِ مسِ کجکلاہ پر
اچھا ہوا مقابلۂ برقِ حسن و عشق

سونا چڑھا رہا ہوں میں تارِ نگاہ پر
اُن کو ہنسی جو آ گئی عاشق کی آہ پر

یا شہیدِ جلوۂ ساقی ہو یا میخانہ چھوڑ
دین نبھنے کا نہیں ان صورتوں کے سامنے

ہوش کی پروا نہ کر یا شیشہ و پیمانہ چھوڑ
یا پہن زنار اکبر یا درِ بتخانہ چھوڑ

جب مانتے ہو تم کہ خدا بھی ہے کوئی چیز
پھر کیوں نہیں کہتے کہ دعا بھی ہے کوئی چیز

واعظ نے کہا خوب جزا بھی ہے کوئی چیز
اس بت نے کہا میری ادا بھی ہے کوئی چیز

کہتا ہے معالج کہ دوا کا بس اثر دیکھ
فریادِ زباں ہے کہ قضا بھی ہے کوئی چیز

پنہاں ہیں خموشی و تصور میں کمالات
لیکن اثرِ لفظ و صدا بھی ہے کوئی چیز

کھلتے ہوئے عقدے نظر آتے ہیں ہزاروں
معلوم ہوا عقدہ کشا بھی ہے کوئی چیز

بے ساختہ آتی ہے مصیبت میں یہ لب پر
فطرت ہی کی جانب سے دعا بھی ہے کوئی چیز

معنی کو ضرورت نہیں الفاظ کو اکبر
سب جانتے ہیں حسنِ صدا بھی ہے کوئی چیز

کم سن ہو ابھی تجربہ دنیا کا نہیں ہے
تم خود ہی سمجھ لوگے خدا بھی ہے کوئی چیز

تدبیر سزاوار است جو آج نہیں اکبر
انسان کی طاقت کے سوا بھی ہے کوئی چیز

ہم مصلحتِ وقت کے منکر نہیں اکبر
لیکن یہ سمجھ لو کہ وفا بھی ہے کوئی چیز

ق

میں نے کہا کیوں لاش پہ آقا کی ہے مرتا
ہوٹل کی طرف جا کہ غذا بھی ہے کوئی چیز

کتے نے کہا ہو یہ حالت کہ تعصب
لیکن مرے نزدیک وفا بھی ہے کوئی چیز

طبع کرتی ہے ترے عشق کی تائید ہنوز
ان جفاؤں پہ بھی ٹوٹی نہیں امید ہنوز

قصۂ شوق کو چھیڑا ہے ازل سے دل نے
جا ستے پر مگر آئی نہیں تمہید ہنوز

یہ خوشی ہوتی ہے دل کو نہ طبیعت کو ابھار
پھر بھی سالانہ کئے جاتے ہیں ہم عید ہنوز

اور کچھ اس کے سوا کر نہیں سکتے ناصح
بس چلی جاتی ہے تقلیم کی تاکید ہنوز

کس قدر خار تھے سید کے وہ اجزائے ردم
عالم دے رہے ہیں قوم کی تردید ہنوز

دل تو مدت سے ہے غائب در دیر اسلم
ہاں زباں پر ہے مگر کعبہ کی تردید ہنوز

غمِ جاناں سے میں کرنے کا نہیں جان عزیز
ہے سوا جان سے بھی مجھکو یہ مہمان عزیز

نگاہ اُس بتِ بے دیں کی ہے شراب فروش
عجب نہیں مجھے مستی کرے شباب فروش

کہا جو اُس نے کہ اب میں پھروں گا بے پردہ
مُنہ اُسکا دیکھ کے بس رہ گئے نقاب فروش

اہلِ مذہب میں زیادہ تر ہے بس لفظی نزاع
ایک ہی مالک جہاں کا ہے تو پھر کیسی نزاع

ایک ہے پریوں کا قایل ایک کو انکار ہے
سب نزاعوں میں جو ہے تو بس یہی اچھی نزاع

علم اگر ہوتا زیادہ اور ہوتی حرص کم
علم رہتی بیشتر لوگوں میں کم ہوتی نزاع

شیخ مائل ہوئے ہیں ساغر و مینا کی طرف
برکتیں نشہ کی لائیں گی کیمیا کی طرف

میں پھنسانے لگا کیوں دامِ بلا میں دل کو
خود کھنچا جاتا ہے اُس زلفِ چلیپا کی طرف

دوستوں نے انھیں حضرت کو خضر سمجھا ہے
آنکی چالیں تو لئے جاتی ہیں اعدا کی طرف

جوشِ گریہ ہے یہ کیوں سوسیم پیری میں مجھے
لوگ جاڑوں میں تو کم جاتے ہیں دریا کی طرف

گنتی میں زیادہ نہیں ہے قول مرا ایک
بے خوف میں کہتا ہوں اُسے یعنی خدا ایک

تثلیث کے قائل نے بھی خالق کو کہا ایک
تھی تیں پہ سوئی مری ہیبت سے بجا ایک

کہتے ہو مسلماں ہیں اللہ کے طالب
دس پانچ نہیں مجھکو دکھا دو تو بھلا ایک

اللہ کی جانب متوجہ رہیں احباب
صف ہو گی شکستہ جو کہیں رخ نہ رہا ایک

یا رب رہے جمعیتِ مسلم یونہیں قائم
رُخ ایک رسول ایک کتاب ایک خدا ایک

پہونچی نگاہِ عقل رسا دور دور تک
لیکن نہ جا سکی کبھی اوجِ حضور تک

جامِ مئے الست سے ایسی تھی بے خودی
ہستی کا اپنے حس نہوا نفخِ صور تک

کھینچی ہے ہم پر اُس سفاک کی تیغِ ستم اب تک
یہ کیا سچ ہے کہ ان زخموں پہ بھی زندہ ہیں ہم اب تک

ملت کو جو دیکھو تو نہیں حامیِ دیں ایک
قوت کو جو پوچھو تو کہیں دو دل بھی نہیں ایک

دل تم نے لیا دین لیا مال نہ چھوڑا
باقی ہے مرے پاس فقط جانِ حزیں ایک

ہر ایک کو دو تم نے کیا تیغِ ستم سے
اب رہ گئے ہو عرصۂ ہستی میں تمہیں ایک

کیا جانئے سید تھے حق آگاہ کہاں تک
سمجھے نہ کہ سیدھی ہے مری راہ کہاں تک

مسلق بھی تو اک چیر ہے اسے قبلہ و کعبہ — دے سکتی ہے کام آپ کی واللہ کہاں تک
افلاک تو اس عہد میں ثابت ہوئے معدوم — اب کیا کہوں جاتی ہے مری آہ کہاں تک
کچھ صنعت و حرفت پہ بھی لازم ہے توجہ — آخر یہ گورمنٹ سے تنخواہ کہاں تک
مرنا بھی ضروری ہے مدامی ہے کوئی چیز — اسے حرص کے بندو ہوس جاہ کہاں تک

تضمیں کے لائق تھا ہر شعر ہے اکبر
احباب کریں بزم میں اس واہ کہاں تک

مل گیا شرع سے شراب کا رنگ — جوب بدلا عرض حباب کا رنگ
چلدیئے شیخ صبح سے پہلے — اڑ چلا تھا ذرا احباب کا رنگ
پائی ہے تم نے چاند سی صورت — آسمانی رہے نقاب کا رنگ
صبح کو آپ ہیں گلاب کا پھول — دوپہر کو ہے آفتاب کا رنگ
لاکھ جانیں نثار ہیں اس پر — دیدنی ہے ترے شباب کا رنگ
ٹکٹکی بندھ گئی ہے بوڑھوں کی — دیدنی ہے ترے شباب کا رنگ
ہوش آتا ہے ہوش جاتا ہے — دیدنی ہے ترے شباب کا رنگ

رند عالی مقام ہے اکبر
بو ہے تقوی کی اور شراب کا رنگ

عزیزان وطن سو میں سوال سروس سے کیا حاصل — یگانوں میں رہو بیگانہ ہو کر اس سے کیا حاصل
نہ سحر چشم جاناں ہے نہ لطف غمزہ ساقی — تو پھر صحن چمن میں دیدہ نرگس سے کیا حاصل

نہ ہو ادراک خالق کا ۔ ابھرے شوق طاعت کا
تو لیسے ذہن سے اکبر اور ایسے حس سے کیا حاصل

گو چکا چوند کا عالم ہے نئی روشنی میں — ہے مگر ہیئت تنظر عرش کا تارا اسلام
رحمت کرے اللہ بچائے سب کو — نور انگلش رہے ہر سینہ میں پیارا اسلام

اُنکی خواہش مری نسبت جو کچھ ہو وہ جانیں
میں تو کرتا ہوں دعا لائیں نصارا اسلام

اُن کے مضبوط جہازوں کی مددگار ہے آگ
میری ٹوٹی ہوئی کشتی کا سہارا اسلام

خوفِ حق الفتِ احمدؐ کو نہ چھوڑا اے اکبر
منحصر ہے انھیں دو لفظوں پہ سارا اسلام

قرار نہیں ذرا بھی مجھے یہ کیسی حیا کہو تو صنم
اُٹھو بھی بس اب کرو نہ غضب گذر گئی شب خدا کی قسم

فراق کی شب نہ ہوگی سحر اجل سے کہو آئے ادھر
عذاب میں ہوں نجات ملے کہاں تلک اب سہوں میں ستم

خوشی بھی ہوئی الم بھی ہوا مزے بھی ملے ستم بھی سہے
نکل چکی دل کی ساری ہوس نظر میں ہے اب سوادِ عدم

ہوئے ہیں مست مئے عاشقی کے جام سے ہم
خوشا نصیب پہ چھٹے عاقلی کے دام سے ہم

نہیں کوئی شب تار فراق میں دل سوز
خموش شمع ہے خود جل رہے ہیں شام سے ہم

زمانہ ہمکو مٹائے بھلائے خلق ہمیں
عجب ہے خوش ہوں جو ایسے نشان و نام سے ہم

خوشی بہت ہے جہاں میں ہمارے گھر نہ سہی
ملول کیوں رہیں دنیا کے انتظام سے ہم

خوشامدی کو مبارک ہو رات دن چکر
یہاں تو رکھتے ہیں بس کام اپنے کام سے ہم

اخیر عمر میں آیا ہمیں خیال مآل
بہت دنوں میں ہوئے واقف اپنے کام سے ہم

گناہ کیا جو کہیں ہم بھی السلام علیک
کہ لطف اُٹھاتے ہیں اس بت کی رام رام سے ہم

ہمیں ہے یاد وہ عہدِ الست اے غافل
بہل سکیں گے نہ دنیا کی دھوم دھام سے ہم

چلا ہے فلسفہ لیکر ہمیں سوئے ظلمات
بہت ہی تنگ ہیں اس اسپ بے لگام سے ہم

خیال یار میں اُلجھا ہوا ہے تارِ نفس
کبھی نہ ہونگے رہا عاشقی کے دام سے ہم

جبیں کے عشق سے آخر بچی نہ جان اپنی
تمام ہو گئے اس ماہِ نا تمام سے ہم

اگر وہ کہتے ہیں ابلی تو ہم کہیں گے یہی
ضرور کیا ہے کریں بحث جا کے آم سے ہم

ملا نہ امن شبستانِ دہر میں دم بھر
چراغ صبح رہے اس جہاں میں شام سے ہم

اب اور چاہیے نیٹو کے واسطے کیا بات
یہی بہت ہے مشرف ہوئے سلام سے ہم

نگاہِ پیرِ مغاں کہتی ہے مریدوں سے
رہِ سلوک میں واقف ہیں ہر مقام سے ہم

فلک کے دور میں ہارے ہیں بازیِ اقبال
اگرچہ شاہ تھے بدتر ہیں اس غلام سے ہم

ہماری کوہ نوردی نہیں ہے بے معنی
کناس رکھتے ہیں اک کبکِ خوش خرام سے ہم

ہمیں جواب کرے گا خیالِ ابروئے یار
مفر نہ پائیں گے اس تیغِ بے نیام سے ہم

ستائے خلقتِ بادہ کا ہو گیا فتوےٰ
خدا نے فضل کیا بچ گئے حرام سے ہم

لئے ہیں ہاتھ میں نامہ کھڑا ہے چپ قاصد
پتا ہے گھر کا نہ واقف ہیں اُنکے نام سے ہم

اشارہ کرتی ہے ساقی کی چشمِ مست اکبر
کہ دو جہاں کو بھلاتے ہیں ایک جام سے ہم

چھری اٹھائی خموشی سے جلد نے اکبر
سفر میں رکھتے ہیں کام نیم تام سے ہم

دل مایوس میں وہ شورشیں برپا نہیں ہوتیں
اُمیدیں اسقدر ٹوٹیں کہ اب پیدا نہیں ہوتیں

مری بیتابیاں بھی جزو ہیں اک میری ہستی کی
یہ ظاہر ہے کہ موجیں خارجِ دریا نہیں ہوتیں

وہی پریاں ہیں اب بھی راجا اندر کے اکھاڑے میں
مگر شہزادۂ گلفام پر شیدا نہیں ہوتیں

یہاں کی عورتوں کو علم کی پروا نہیں بیشک
مگر یہ شوہروں سے اپنے بے پروا نہیں ہوتیں

تعلق دل کا کیا باقی میں رکھوں بزمِ دنیا سے
وہ دلکش صورتیں اب انجمن آرا نہیں ہوتیں

ہوا ہوں اسقدر افسردہ رنگِ باغِ ہستی سے
ہوائیں فصلِ گل کی بھی نشاط افزا نہیں ہوتیں

قضا کے سامنے بیکار ہوتے ہیں حواس اکبر
کھلی ہوتی ہیں گو آنکھیں مگر بینا نہیں ہوتیں

سانس لیتے ہوئے بھی ڈرتا ہوں
یہ نہ سمجھیں کہ آہ کرتا ہوں

اُن کا گھر چھوڑ کر کہاں جاؤں
دل ہی کے ساتھ میں ٹھہرتا ہوں

ہوں اسیرِ طلسمِ سحرِ فنا
نقش برآب ہی میں بھرتا ہوں

بحرِ ہستی میں ہوں مثالِ حباب
مٹ ہی جاتا ہوں جب ابھرتا ہوں

اتنی آزادی بھی غنیمت ہے
سانس لیتا ہوں بات کرتا ہوں

شیخ صاحب خدا سے ڈرتے ہوں
میں تو انگریزوں ہی سے ڈرتا ہوں

لن ترانی نہیں ہے مانعِ عشق
میں ترے نام ہی پہ مرتا ہوں

آپ کیا پوچھتے ہیں میرا مزاج
شکر اللہ کا ہے مرتا ہوں

یہ بڑا عیب مجھ میں ہے اکبر
دل میں جو آئے کہہ گذرتا ہوں

فلسفی کو بحث کے اندر خدا ملتا نہیں
ڈور کو سلجھا رہا ہے اور سرا ملتا نہیں

معرفت خالق کی عالم میں بہت دشوار ہے
شہرِ تن میں جبکہ خود اپنا پتا ملتا نہیں

غافلوں کے لطف کو کافی ہے دنیاوی خوشی
عاقلوں کو بے غمِ عقبےٰ مزا ملتا نہیں

کشتیٔ دل کی الٰہی بحرِ ہستی میں ہو خیر
ناخدا ملتے ہیں لیکن باخدا ملتا نہیں

غافلوں کو کیا سناؤں داستانِ عشقِ یار
سونے والے ملتے ہیں درد آشنا ملتا نہیں

زندگانی کا مزا ملتا تھا جن کی بزم میں
اُن کی قبروں کا بھی اب مجھکو پتا ملتا نہیں

صرفِ ظاہر ہوگیا سرمایۂ زیب و صفا
کیا تعجب ہے جو باطن باصفا ملتا نہیں

پختہ طبعوں پر حوادث کا نہیں ہوتا اثر
کوہساروں میں نشانِ نقشِ پا ملتا نہیں

شیخ صاحب برہمن سے لاکھ برتیں دوستی
بے بھجن گائے تو مندر سے ٹکا ملتا نہیں

جس پہ دل آیا ہے وہ شیریں ادا ملتا نہیں
زندگی ہے تلخ جینے کا مزا ملتا نہیں

لوگ کہتے ہیں کہ بدنامی سے بچنا چاہیے
کہدو بے اس کے جوانی کا مزا ملتا نہیں

اہلِ ظاہر جسقدر چاہیں کریں بحث و جدال
میں یہ سمجھا ہوں خودی میں تو خدا ملتا نہیں

چل بسے وہ دن کہ یاروں سے بھری تھی انجمن
ہائے افسوس آج صورت آشنا ملتا نہیں

منزلِ عشق و توکل منزلِ اعزاز ہے
شاہ سب بستے ہیں یاں کوئی گدا ملتا نہیں

بارِ تکلیفوں کا مجھ پر بارِ احساں سے ہے سہل
شکر کی جا ہے اگر حاجت روا ملتا نہیں

چاندنی راتیں بہار اپنی دکھاتی ہیں تو کیا
بے ترے مجھکو تو لطف اے مہ لقا ملتا نہیں

سعی دل کا کرے اظہار اکبر کس طرح
لفظ موزوں بہر کشف مدعا ملتا نہیں

کسقدر بے مہر ان روزوں ہوائے دہر ہے
بوئے گل کو دامن باد صبا ملتا نہیں

عیش باطن سے مو دلے عشق کا ہو جا مرید
اہل ظاہر کے ملائے تو خدا ملتا نہیں

ڈھونڈتے ہیں لوگ اس دنیا میں اطمینان دل
کچھ بھی لیکن داغ حسرت کے سوا ملتا نہیں

حیلہ قسمت کے گم ہونے کا ہے اکبر کو غم
آتیشل عزت کا اُس کو کچھ مزا ملتا نہیں

دل کی ہمدردی سے ہے کچھ تسکیں ہوتی تھی مگر
اب تو اُس مظلوم کا بھی کچھ پتا ملتا نہیں

بیکسی میری دو پوچھے آئے جادۂ راہِ طلب
کارواں کیسا کہ کوئی نقش پا ملتا نہیں

اُسکو ارباب طریقت میں کروں میں کیا شمار
آپ کی زلفوں سے جسکا سلسلہ ملتا نہیں

جب کہا میں نے مرا دل مجھکو واپس کیجئے
یار و شوخی سے وہ بولے کھو گیا ملتا نہیں

جب کہیں ملتا ہے کرتا ہے نہ ملنے کا گلا
اور جو ملنے جاتا ہوں مرد خدا ملتا نہیں

یوں کہو دل آؤں اپنے لیکن اکبر سچ یہ ہے
دل نہیں ملتا تو ملنے کا مزا ملتا نہیں

پھر اور کون ہوگا جو آئے ہمارے کام
ہوگے نہ شریک حال ہمارے جب تمہیں

دنیا کے انتظام پہ اکبر نہ ہو ملول
انصاف یہ نہیں ہے کہ پا جاؤ سب تمہیں

یہ فقط نہیں ہے کافی کہ مرا مزاج پوچھیں
مرے دردِ دل کو سمجھیں مری احتیاج پوچھیں

تھا زمانہ کل موافق مجھے پوچھتا تھا ہر اک
میں تو انکو دوست سمجھوں کہ جو مجھکو آج پوچھیں

جنھیں تیری لو لگی ہے وہ جہاں سے بے خبر ہیں
نہ وہ مال و جاہ ڈھونڈیں نہ وہ تخت و تاج پوچھیں

جو مرض ہے مجھکو لاحق وہی شرط زندگی ہے
جو نہ جائیں اپنا جینا تو کوئی علاج پوچھیں

تو خود اُنکو لکھ عریضہ نہ کر انتظار اکبر
اُنھیں کیا غرض ہے ایسی کہ ترا مزاج پوچھیں

موسمِ گل میں صبا کو جو ہوئی ناچ کی دُھن
یہ کلاک اپنے سروں میں تو بجا کرتی ہے
نغمہ سنجی سے بھی آتی تھی خواتیں کو شرم

لحنِ بُلبل سے کبھی پیدا ہوئی کھماج کی دُھن
مفت پیدا ہوئی ہے آپکو کیوں واہ کی دُھن
سازِ مغرب سے مگر ہو گئی اب ناچ کی دُھن

کبھی دیکھی ترے رنگ کا رنگ یہ ہے کہ میں سارے جہان کو پیار کروں
مجھے پیاری اگرچہ ہے جانِ حزیں مگر اُسکے سوا یہ عزیز نہیں
کبھی غنچہ ہی یہ کبھی شعلہ ہے یہ کبھی آئینہ ہے کبھی قطرۂ خوں

کبھی طبع میں موج سمائی ہے یہ کہ خود اپنی خودی کی بھی پار کروں
وہ گھڑی بھی تو آئے کہ پاؤں اُنھیں اور اُنھیں پہ اسکو نثار کروں
یہ ہے صفحۂ دہر پہ دل کا جو رنگ اُسے کونسی مدّ میں شمار کروں

فتنہ نہیں فساد نہیں شور و شر نہیں
مانا کہ ہر طرح سے میں بے اختیار ہوں

یاں زن نہیں زمیں نہیں اور زر نہیں
پر یہ بتاؤ تم کو خدا کا بھی ڈر نہیں

دل زیست سے بیزار ہے معلوم نہیں کیوں
اقرار و فا یار نے ہر اک سے کیا ہے
ہنگامۂ محشر کا تو مقصود ہے معلوم
جس سے دلِ رنجور کو پہونچی ہے اذیت
اے گل ترا نظارہ دل آویز ہے لیکن
افلاس میں مستی تو مجھے خوش نہیں آتی
انداز تو عشاق کے پائے نہیں جاتے

سینے میں نفس بار ہے معلوم نہیں کیوں
مجھسے ہی بس انکار ہے معلوم نہیں کیوں
دہلی میں یہ دربار ہے معلوم نہیں کیوں
پھر اُسکا طلبگار ہے معلوم نہیں کیوں
پہلو میں ترے خار ہے معلوم نہیں کیوں
ساقی کو یہ اصرار ہے معلوم نہیں کیوں
اکبر جگر افگار ہے معلوم نہیں کیوں

جینے پہ تو جان اہلِ جہاں دیتے ہیں اکبر
پھر یہ تجھے دشوار ہے معلوم نہیں کیوں

بھولے پن سے یہ پوچھتے ہیں تیری خاطر کیا کریں
ہیں کلکٹر نزع میں عملے کھڑے ہیں دم بخود

اس محل پر رازِ دل ہم اُن پہ ظاہر کیا کریں
جب خدا ہی ہو گیا حاضر تو ناظر کیا کریں

آنکھوں کی خطا کیا تھی میں ہم الفت میں مست
آپ ہم ایمان جھوٹیں تو یہ کا فر کیا کریں

منتیں کیں ہاتھ جوڑے سر قدم پر رکھ دیا
پھر بھی ہے تیوری چڑھی پر اب آخر کیا کریں

کشتیں معمول تھیں یہ کھلا حال دیر میں
افسوس سر کٹ گئی نقطوں کے پھیر میں

ہے ملک ادھر تو قحط زدہ اُس طرف یہ وعظ
گستے وہ کھا کے بیٹ بھرے یان سیر میں

ہیں غش میں شیخ دیکھ کے حسن مس فرنگ
بچ بھی گئے تو ہوش انہیں آئے گا دیر میں

چھوٹا اگر میں گردش تسبیح سے تو کیا
اب پڑ گیا ہوں آپ کی باتوں کے پھیر میں

صبا لے دفتر گل کے سب ورق اُڑ لئے
مگر وہ بوسے معانی ہوئے یار کہاں

میں خاک میں بھی اگر مل گیا تو کیا امید
وہ آستانہ کہاں اور مرا غبار کہاں

خیال ایسا نہ فرمائیے مری نسبت
بھلا قصور کہاں اور یہ خاکسار کہاں

ہجر کی رات یوں ہوں میں حسرت قد یار میں
جیسے لحد میں ہو کوئی حشر کے انتظار میں

دل ہے ملول فرقت قامت دوست یار میں
بھاڑ میں جائیں سرو و گل آگ لگے بہار میں

سوز نہاں ہے فرقت شمع جمال یار میں
آگ سی ہے لگی ہوئی رشتۂ جان زار میں

کیا میں خوشی سے ہوں مبتلا کچھ لعل یار میں
کوئی بلا میں کیوں پھنسے دل ہو جو اختیار میں

ہونے دے انقلاب چرخ کوہ الم کو لے اٹھا
وزن مگر سبک نہ ہو دیدۂ اعتبار میں

بابا ہوا ہے دہر کو دشمن انبساط دل
کھلتے ہیں کب گل مراد گلشن روزگار میں

کر دیا ایسا زار و خشک منزل عشق نے مجھے
خار جیسے گا مجھ میں کیا میں ہی چھپا ہوں خار میں

آئی نسیم باغ میں میرے یہاں نہ آئے تم
لالہ و گل بہت کھلے دل نہ کھلا بہار میں

مستی عشق کا مزا عہد شباب ہی میں ہے
بادہ کشی کا لطف اگر ہے تو فقط بہار میں

مہر کرم سے آپ کے ذرہ نوازیاں یہ کیں
بات تو ورنہ کچھ نہ تھی بندۂ خاکسار میں

تم تو بھلا کے وعدے کو شام سے پڑ کے سو رہے
جاگا کیا میں صبح تک حسرت و انتظار میں

سینے سے تیرے متصل شاید اسے قرار ہو
گوندھ لے میرے دل کو بھی اپنے گلے کے ہار میں

رنگِ جہاں کے ساتھ کاش میری بھی ہو نبھی بسر
جیسے گل و نسیم کی نبھ گئی چاہ بہار میں

وسعتِ ریشِ شیخ کو دیکھ کے یہ ہوا یقیں
خرمنِ خس بھی شرط ہے گلشنِ اعتبار میں

کھلنے پہ آئی ہے کلی بلبلوں کو ہے بے کلی
حسن تو ہے ابھار پر عشق ہے اُتار میں

ذکر مرا ہے کو بکو پھیلی ہے بات چار سو
آئی ہے کچھ جنوں کی بو بیٹھا ہوں کوئے یار میں

سینے میں کیوں خلش ہے یہ جان میں کیوں طپش ہے یہ
عقل کی سرزنش ہے یہ دل کو رکھ اختیار میں

الفتِ زلف قہر ہے حق میں ہمارے زہر ہے
بسکہ بلا کی لہر ہے روح ہے انتشار میں

جھومتے ہیں مست جیسے گل تیرا یں ہیں دستۂ گل
سب کو ہے جستجوئے گل موسمِ خوشگوار میں

سنبلِ تر پہ عجیب ہے جلوۂ شبنم لطیف
زلف پری کے تار میں گوہرِ آبدار میں

دورِ شراب لالہ فام کیوں نہ ہو لالہ زار میں
کچھ تو مزا ہو زیست کا کچھ تو کھلیں بہار میں

بادِ صبا کا ناچ ہو نغمہ سرا ہوں بلبلیں
شاخوں کی گود میں ہوں گل وہ ہوں سرِ کنار میں

ہو اثرِ سرورِ مے کیف میں ہو ہر ایک شے
دل میں ہو زمزموں کی لے بول بجیں ستار میں

آنکھ کی ناتوانیاں حسن کی لن ترانیاں
پھر بھی ہیں جانفشانیاں کوچۂ انتظار میں

عشق میں نفع ہے ضرر اشک گریں تو ہے گہر
یاں تو ہیں پارۂ جگر لعل کے اعتبار میں

عشق ہو کسطرح نہاں لب پہ ہے غم کی داستاں
کہنے میں اب نہیں زباں دل نہیں اختیار میں

بے بہرہ ہیں نور سے وہ آنکھیں جو تیرے لئے غمناک نہیں
سرمہ وہ بصر افروز نہیں جسمیں ترے در کی خاک نہیں

بیگانہ سرور سے ہے وہ دل جو تیرے لئے غمناک نہیں
سرمہ وہ بصر افروز نہیں جسمیں ترے در کی خاک نہیں

اُس رُخ پہ نظر کا شوق جو ہو آنکھوں کو تو اپنی تاک سے دھو
ہے اسکے طہارت دل کی نہیں ہے اسکے نگاہیں پاک نہیں

رشتہ تو بتوں سے الفت کا قائم ہی ہے دل میں مدت سے
زنار پہننی باقی ہے اسمیں بھی مجھے کچھ باک نہیں

بے مستی عشق نصیب مجھے مشغول میں رہتا ہوں دل سے
حاجت نہیں مے کی میرے لئے انگور کی مجکو تاک نہیں

صورت کی ہیں بجرائیں جلوہ گری معنی سے ہے بالکل بے خبری
ہیں کام تو انکے صاف بہت نیت سے مگر یہ پاک نہیں

پوشیدہ نگاہیں لاکھ طرح خود اپنی مشاہد ہو نہ سکیں
کیا اصل و حقیقت ہے میری ادراک کو یہ ادراک نہیں

ان مدعیوں کا طرز عمل اکبر یہ شہادت دیتا ہے
پڑھنے کو کتابیں پڑھ لی ہیں سمجھے یہ مگر کچھ خاک نہیں

پیش کر دینا شکایت کا تو کچھ مشکل نہیں
لیکن ان کو رنج ہوگا مجھکو کچھ حاصل نہیں
عاشقوں کی زیست پر کیونکر نہ رشک آئے مجھے
زندگی کے بھی مزے پھر موت سے غافل نہیں
کیا طریق طالب دنیا کی جانب رخ کروں
دل کو یہ موجس میں سکوں ایسی کوئی منزل نہیں
قوم میں گو علم ہو سکے بھی ہوائے زندگی
جاں کیا پیدا ہو جب دو شخص بھی یک دل نہیں

مشرقی تو سر دشمن کو کچل دیتے ہیں
مغربی اس کی طبیعت کو بدل دیتے ہیں
ناز کیا اس پہ جو بدلا ہے زمانے نے تمہیں
مرد وہ ہیں جو زمانے کو بدل دیتے ہیں
حضرت ہوش ہیں گو دل کے وفادار رفیق
آپ کی یاد جو آتی ہے تو چل دیتے ہیں

قسمت کے قابض وہی قسیم انکے ہاتھ میں
ملک انکا رزق کی تقسیم ان کے ہاتھ میں
برق کی صورت پہونچا ہے طالع پر اثر
آ گیا تار امید و بیم ان کے ہاتھ میں
ہمکو سایہ پر جنوں وہ دھوپ میں مصروف کار
بس ہے اپنی تکرار اور سیم ان کے ہاتھ میں
مہربانی ہے یہ ہم میں باہمی اعزاز ہے
سب کی ہے تذلیل اور تعظیم ان کے ہاتھ میں
شیخ کی جانب کوئی جاتا نہیں کہتے ہیں سب
ہے فقط اب کوثر و تسنیم ان کے ہاتھ میں
مغربی رنگ و روش پر کیوں نہ آئیں اب قلوب
قوم ان کے ہاتھ میں تعلیم ان کے ہاتھ میں
جوش ترجیح ہیں انکے دل میں اخلاقی اصول
گو نہیں ہے دیں ابراہیم ان کے ہاتھ میں
ع سا کر اچھے اچھوں کا لبھا لیتے ہیں دل
ہیں نہایت خوشنما و جسیم ان کے ہاتھ میں
مغرب ایسا ہی رہا اور ہے اگر مشرق یہی
ایک دن دیکھو گے ہفت اقلیم ان کے ہاتھ میں

ولیکن فلسفہ کو نور باطن کر نہیں سکتیں
کواکب کی شعاعیں رات کو دن کر نہیں سکتیں
ضروری چیز ہے اک تجربہ بھی زندگانی میں
تجھے یہ ڈگریاں بوڑھوں کا ہمسن کر نہیں سکتیں
طلب کر دیں سے اپنے مجھ پہ جوش باطنی
صدائیں مرغ کی کار موذن کر نہیں سکتیں
جہاں کی رونقیں راحت رساں ہیں چشم غافل میں
مگر حق جو ہے مضطر دل کو ساکن کر نہیں سکتیں

کچھ نہ پوچھو اے ہمنشیں میرا نشیمن تھا کہاں
اب تو یہ کہنا بھی مشکل ہے وہ گلشن تھا کہاں

سامنے وہ تھے تو کہتا حالت دل کسطرح
ہوش میں اُسوقت میں اے مشفقِ من تھا کہاں

دل جوانی میں ہماری جان کا خواہاں ہوا
آج تک سینے میں پوشیدہ یہ دشمن تھا کہاں

کرلیا ہمنے ازل میں شوق سے عہدِ الست
پیشِ چشم اُسوقت یہ دیر برہمن تھا کہاں

دہر میں خارِ تعلق سے اُلجھتا کس طرح
کرچکا تھا میں جنوں کو نذر دامن تھا کہاں

سچ ہے کسی کی شان یہ اے نازنیں نہیں
تو ہر جگہ ہے جلوہ گر اور پھر کہیں نہیں

میں نے وفورِ شوق میں شاید سنا نہ ہو
یا شاید آپ ہی نے نہ کی ہو نہیں نہیں

ان تیوروں کا میں تو ہوں کشتہ شبِ وصال
دل میں ہزار شوق زباں پر نہیں نہیں

دستِ جنوں سے قطع ہوا پیرہن مرا
دامن نہیں ہے جیب نہیں آستیں نہیں

کیا زورِ طبع ہو کہ نہیں کوئی معترض
کیا نکتہ سنجیاں ہوں کوئی نکتہ چیں نہیں

میں تم سے کیا بتاؤں کہ اسوقت ہوں کہاں
جب تم ہو پیشِ چشم تو پھر میں کہیں نہیں

میری نگاہِ شوق کا اللہ رے اثر
معشوق بھول جاتے ہیں اپنی نہیں نہیں

جب سے گناہ چھوڑ دئے سب کھسک گئے
اب کوئی میرا دوست نہیں ہمنشیں نہیں

ہے جس کو شوق اپنی خودی کی نمود کا
سچ پوچھئے تو اُس کو خدا پر یقیں نہیں

طالب خدا کی راہ میں سر رکھے مثل ماہ
نورِ جبیں کہاں ہو جو داغِ جبیں نہیں

اکبر ہمارے عہد کا اللہ رے انقلاب
گویا وہ آسماں نہیں وہ زمیں نہیں

یہ تماشے ہیں یہیں زیرِ زمیں تو کچھ نہیں
زندگی جبتک ہے سب کچھ ہے نہیں تو کچھ نہیں

وہ یہ کہتے ہیں کہ دنیا ہی میں ہے سب کچھ حضور
میں یہ کہتا ہوں کہ اے حضرت یہیں تو کچھ نہیں

کار دنیا شوق سے کرتے رہو اے دوستو
لیکن اسکے ساتھ بگڑا کارِ دیں تو کچھ نہیں

اُن کا گھر اور اُن کی باتیں دیکھکر کہنا پڑا
قصر عالیشان ہے لیکن مکیں تو کچھ نہیں

ہوائے نفس کا طوفاں ہے بحرِ بدگمانی میں
خدا محفوظ رکھے کشتیٔ دل کو جوانی میں

نہیں جمتا کسی کا نقش اس دریائے فانی میں
حباب آسا مٹا ابھرا جو بحرِ زندگانی میں

حباب آسا یہی وقعت جو ابھرا زندگانی میں
محبت سے جو تنہائی کی ہوا اس بحر فانی میں

سکونِ قلب کی دولت کہاں دنیائے فانی میں
بس اک غفلت سی ہو جاتی ہے اور وہ بھی جوانی میں

تری پاکیزہ صورت کر رہی ہے حسنِ ظن پیدا
مگر آنکھوں کی مستی ڈالتی ہے بدگمانی میں

اجل کی یاد آجاتی ہے آخر سننے والے کو
قیامت کا اثر پاتا ہوں دنیا کی کہانی میں

نسیم صبحگاہی نکہتِ گل سے ہے بے پروا
مگر گیسو ترے مصروف ہیں عنبر فشانی میں

حباب اپنی خودی سے بس یہی کہتا ہوا گزرا
تماشا تھا ہوا نے اک گرہ دے دی تھی پانی میں

نہ پوچھ اے ہمنشیں وہ قصۂ عیش و طرب [illegible]
کسے اب یاد ہے اک خواب دیکھا تھا جوانی میں

کمر کا کیا ہوں عاشق کھل گئی زلف دراز ابھی
گرہ جو پڑ گئی ہے اک بلائے آسمانی میں

اسی صورت میں دلکش خوبیٔ الفاظ ہوتی ہے
کہ حسن یار کا پیدا کرے جلوہ معانی میں

ربابِ حال سے پروانۂ بسمل یہ کہتا ہے
حضوری ہو اگر حاصل مزا ہے بیحالی میں

فلک نے مضمحل کر کے ہمیں خس کر دیا آخر
بہے جاتے ہیں بے مقصود بحرِ زندگانی میں

ادائے شکر کرنے احتراز اولیٰ ہے اے اکبر
ہزاروں آفتیں شامل ہیں انکی مہربانی میں

پریشاں ہوش کم کرتے ہیں ٹکڑے دل کے کرتے ہیں
مگر عاقل بھی کچھ کہتے ہیں جو کچھ دل سے کرتے ہیں

حریفوں سے لگاوٹ کرتے ہیں آپس میں لڑتے ہیں
یونہیں بربادیاں آتی ہیں یونہیں گھر بگڑتے ہیں

خوشامد کرتے ہیں غیروں کی آپس میں جھگڑتے ہیں
یونہیں بربادیاں آتی ہیں یونہیں گھر بگڑتے ہیں

بزرگوں سے عداوت دوستی بادہ فروشوں سے
اور اسپر مدعی تہذیب کے بن کر اکڑتے ہیں

الٰہی تازہ لعنت مغرب میں دکھاتا ہے رہ دنیا
مگر دینی مقاصد میں ہزاروں پیچ پڑتے ہیں

تعجب سخت اہلِ زمیں پر مجھ کو آتا ہے
یہ اس پر کیوں اکڑتے ہیں کہ جس میں مر کے گڑتے ہیں

ہمارا جوش میں آنا دکھا ہی دیگا رنگ اپنا
ابھی اس میکدے میں ہم پڑے گوشے میں سڑتے ہیں

تحیر آپ کی غزلوں پر آتا ہے بہت مجھے اکبر
بتوں پر آپ مرتے ہیں کہ شیطانوں سے لڑتے ہیں

ضرورت جب نہیں پھر طبع کا کیوں رُخ بدلتے ہیں
چمن ہوتے ہوئے بیفائدہ کانٹوں میں چلتے ہیں
عوض قرآں کے اب ہے ڈارون کا ذکر یاروں میں
جہاں تھے حضرتِ آدم وہاں بندر اُچھلتے ہیں
ہمارا داغِ دل کرتا ہے روشن بزمِ معنی کو
تو کیا شکوہ اگر ہم مغربی غزلوں سے جلتے ہیں

واعظ ہمیں یہ وعظ کا دفتر سنائے کیوں
ہم پوچھتے ہیں عالمِ ہستی میں آئے کیوں
موسیقی و شراب و جوانی و حسن ناز
بچتا ہے کون اور خدا بھی بچائے کیوں

حاصل نہیں کیا ایک سے جو افسانۂ حسرت کہتے ہیں
عاقل تو وہی ہیں اکبر جو سنتے ہیں اور چپ رہتے ہیں
ہے شاق جدائی آپکی اب دن رات پریشاں رہتے ہیں
ہم آپ کو بیحد چاہتے ہیں حل سے ہیں فلک سچ کہتے ہیں
ہے پاسِ شریعت بھی ہمکو ہیں عشق کی لہریں بھی دل میں
پابند ہیں ساحلِ مذہب کے دریا کی طرح سے بہتے ہیں

اکبر کی برائی اچھائی کیا پوچھتے محلّے والوں سے
نظم انکی سُنی ہے البتہ ہاں شعر تو اچھے کہتے ہیں

وزن اب اُن کا معین نہیں ہو سکتا کچھ
برف کی طرح مسلمان گھلے جاتے ہیں
داغ اب انکی نظر میں ہیں شرافت کے نشاں
نئی تہذیب کی موجوں سے دھلے جاتے ہیں
علم نے رسم نے مذہب نے جو کی تھی بندش
ٹوٹی جاتی ہے وہ۔ سب بند کھلے جاتے ہیں
شیخ کو وجد میں لائی ہیں پیالوں کی گتیں
پیچ دستارِ فضیلت کے کھلے جاتے ہیں

تمہیں جو دیکھ لے پھر کیا وہ محوِ حورِ جنت ہو
قیامت گو کہ برحق ہے مگر تم بھی قیامت ہو

مئے گلگوں کی جانب دل بہت کھنچتا ہے اے اکبر
مگر مشکل یہی ہے شیخ جی سن لیں تو آفت ہو

جسکو سارا قصۂ عہدِ جوانی یاد ہو
کیا عجب ہے عہدِ پیری میں جو وہ ناشاد ہو

شوخ ایسا ہے کہ اُس بت کو اگر کافر کہو
جو کہو چھا جائے اُن آنکھوں پہ مستی کی طرح
قیمتِ دل سن کے کہتے ہو کہ سودا ہے تمھے

ہنس کے کہتا ہے کہ پایا لفظ ہے یہ پھر کہو
فتنۂ دوراں کہو ساقی کہو ساحر کہو
خیر سودا ہی سہی تم بھی تو کچھ آخر کہو

جو سند لی عشق میں دستور یہی ہے کہ نہ ہو
مرضِ عشق بھی کیا چیز ہے حس سے صحت

ہاں اور اُن کو بھی تو منظور یہی ہے کہ نہو
آرزوئے دلی رکھو یہی ہے کہ نہو

جلایا دل کو تڑپایا جگر کو
دلِ سوزاں کی گرمی پڑھتی ہے اور

خدا رکھے سلامت اُس نظر کو
خدا کے واسطے پہلو سے سر کو

جوانی مار ہی رکھتی ہے اکبر
سنبھالو دل کو یارو کو نظر کو

آبرو چاہو اگر انگریز سے ڈرتے رہو
ہو معیت تو نہیں کچھ خوف سیل اشک سے
دیدۂ نرگس سے چمن میں لطف اٹھاؤ بے خطر

ناک رکھتے ہو تو تیغِ تیز سے ڈرتے رہو
عیش ہو تو نفسِ طوفاں خیز سے ڈرتے رہو
لیکن اُس چشمِ جنوں انگیز سے ڈرتے رہو

تا بہ سینہ گردنیں جھکنے لگیں تسلیم کو
گردنِ محرابِ مسجد خم ہوئی تسلیم کو
طفلِ دل نے مکتبِ ادراک میں رکھا جو پاؤں

دردِ دل اٹھا حیالِ یار کی تعظیم کو
اٹھی آوازِ اذاں اسلام کی تعظیم کو
عشق پیدا کر دیا اللہ نے تعلیم کو

فہم و ادراک میں ہو عقل میں ہو جاں میں ہو
ہاتھ ہو کام میں اور دل ترے ارماں میں ہو
میں تو سو جان سے مرتا ہوں مری جان تم پر
چاند پیارا ہے تو کیا اُس سے سوا پیارا ہے
پیاری صورت پہ تو انسان کو آتا ہی ہے پیار
حسن جس چیز میں ہو دیکھ کے خوش کر دل کو

حق تو یہ ہے کہ تمھیں جلوہ گرِ انساں میں ہو
ہے یہی طرزِ عمل خوب جو امکان میں ہو
تم مری جان بچاؤ اگر امکان میں ہو
صحن میں بیٹھیوں میں کیوں یار جو دالاں میں ہو
دل کو روکیں کوئی صاحب اگر امکان میں ہو
بند کر لے مگر آنکھیں اگر انساں میں ہو

جھوٹ سے نفرت کلی ہو طمع سے پرہیز
ہو نہ کچھ اور پر اتنا تو مسلمان میں ہو

دل جہاں ہوگا وہاں عشق بھی ہوگا پیدا
خواہ افریقیہ میں ہو خواہ پرستان میں ہو

سب ہے غلامی ہی جو قسمت میں تو ہو لطف کے ساتھ
کمد و ہندی سے کہ آباد پرستان میں ہو

آپ کی آنکھ میں کس نے یہ بھرا ہے جادو
اسکا ایما ہے کہ لغزش مرے ایمان میں ہو

کاہلی اور توکل میں بڑا فرق ہے یار
اٹھو کوشش کرو بیٹھے ہوئے کس دھیان میں ہو

ٹھیک ہو دل کی جو نسبت تو اثر دیں نالے
سُر میں آواز ہو **اکبر** تو مزا تان میں ہو

ممکن نہیں کہ عشق ہو اور دل حسیں نہ ہو
میرا ہی حال دیکھ لے جس کو یقیں نہ ہو

گرم نظارہ ہر اک سمت سر راہ نہ ہو
رہزنِ عقل کوئی صورتِ دل خواہ نہ ہو

شارحِ معنی حسن بتِ دل خواہ نہ ہو
نہیں قاصر نہ ہوں خلقت کہیں گمراہ نہ ہو

یار کے دل میں اثر ہو یہ ہے مقصودِ کلام
اس کی پروا نہیں محفل میں اگر واہ نہ ہو

یہ چمک اک ہے لے جان تمہارے دم سے
تم جو پہلو میں نہ ہو لطفِ شبِ ماہ نہ ہو

قلقلِ شیشہ کو سنئے تو ذرا حضرتِ شیخ
دیکھئے تو کہیں اس قلقل میں ہو اللہ نہ ہو

جانتا ہوں میں شب وصل کی کوتاہی کو
یہ دعا ہے کہ مری عمر سے کوتاہ نہ ہو

یہ ادائیں یہ لگاوٹ یہ بلا کی چتون
میں تو کیا ضبط فرشتوں سے بھی واللہ نہ ہو

اک زمانہ ہے مرے قصۂ غم سے واقف
اسکا باعث جو ہے شاید وہی آگاہ نہ ہو

بے رخی اس بت کمسن کی نہیں باعث یاس
نظرِ شوق سے شاید ابھی آگاہ نہ ہو

کیوں گلابی کے عوض پہنا ہے جوڑا کاہی
طعنہ زن گل پہ مری جان کہیں کاہ نہ ہو

شیخ کہتا ہے برائی بتِ خوش رو کی کرو
دل دھڑکتا ہے کہ ناخوش کہیں اللہ نہ ہو

چشم کافر کا اشارہ ہے کہ ایمان کیسا
چہرہ ہنستا ہے کہ دیکھو کوئی گمراہ نہ ہو

اک ترحم کی نظر یار سے کی ہے آخر
دل سے نکلے تو کہاں تک اثر آہ نہ ہو

ق

اپنے ہاتھوں سے جو دو تحلیہ میں جام شراب
شیخ صاحب کو ذرا عذر بھی واللہ نہ ہو

اور سوا اسکے وہ اک شخص ہیں معقول پسند
غالباً جاڑوں میں یوں بھی انھیں اکراہ نہ ہو

جوشش گریۂ پیہم کا ہے باعث ہجر یار
جزر و مد ہو نہ سمندر میں اگر ماہ نہ ہو

ہو سواد اور حسینوں کی چلے جائیں جو آپ
رونق آجائے کواکب میں اگر ماہ نہ ہو

میں سمجھتا ہوں کہ حوریں جو نہ ہوں جنت میں
تو عزازیل پھر انسان کا بدخواہ نہ ہو

دوست کا دوست نہ ہو جو وہ مرا دشمن ہے
نہ ملے مجھسے وہ۔ اس کا جو بھی خواہ نہ ہو

سالک راہ محبت کو خرد سے کیا کام
وہ تو چاہے گا کہ خود ہوش بھی ہمراہ نہ ہو

خرچ کیسا ہیں فقط جمع کے شایق احباب
میں تو خوش ہوں اگر افزایش تنخواہ نہ ہو

گل پہ بلبل بھی خدا باد صبا بھی صدقے
صورت ایسی ہو تو پھر کیوں ہوا خواہ نہ ہو

نرگس مست تری قاتل عالم نکلی
کہیں صیاد اجل کی یہ کمیں گاہ نہ ہو

پھر جو آئی ہے شب ہجر تو آجائے اجل
ایسی تکلیف مجھے پھر مرے اللہ نہ ہو

ملتوں کی ادھر اسراط ادھر کھٹکوں کی
ڈھونڈھتا ہوں وہ شہر کہ جسمیں کوئی گمراہ نہ ہو

زلف اسجد کی کہیں یعنی نہ کر دے ہمدمی
لام کی جا کہیں لا اے مرے اللہ نہ ہو

مرد آزاد ہوں مجھ سے یہ تکلف کیسا
بس مرے ساتھ تو یہ واللہ و باللہ نہ ہو

دسترس صید پہ حاصل تجھے ہو خواہ نہ ہو
شیر ہی بن کے نکل صورت روباہ نہ ہو

ذوق آرام بجا شوق تعلق بے جا
طلب رزق ہو لیکن ہوس جاہ نہ ہو

دل کو ہے عشق حقیقی میں ہوئی حرکت
وہیں چلتی ہے یہ کشتی کہ جہاں تھاہ نہ ہو

خیرخواہ آج زمانے میں کہاں ملتے ہیں
یہ بھی لاکھ غنیمت کوئی بدخواہ نہ ہو

محو تمکیں رہے نفرت ہو سبک وصفی سے
صورت کوہ ہو انساں صفت کاہ نہ ہو

شرک ہے اپنی خودی کا اگر آتا ہے خیال
گھر ہے جان سے پیارا اگر اللہ نہ ہو

یا قدم منزل یوسف میں رکھ اے طالب
یاد کر شرط کہ واں گرگ نہ ہو چاہ نہ ہو

بند کر بیٹھا ہو آنکھیں جو تمہاری دُھن میں
کیا عجب شورِ قیامت سے بھی آگاہ نہ ہو

ہے اگر منزلِ راحت کی تلاش اے اکبر
وہ جگہ ڈھونڈھ تمنا کی جہاں راہ نہ ہو

تم اگر چاہو برائی نہ کسی کی اکبر
پھر تمہارا بھی جہاں میں کوئی بدخواہ نہ ہو

شکر ہے راہ ترقی میں اگر بڑھتے ہو
یہ تو بتلاؤ کہ قرآں بھی کبھی پڑھتے ہو

شیخ صاحب کا تقصد یہ ہے جو فرماتے ہیں
اونٹ موجود ہے پھر ریل پہ کیوں چڑھتے ہو

یہ سوال انکا ہے البتہ بہت با معنی
کہ سمجھ بوجھ کے قرآں بھی کبھی پڑھتے ہو

دین کو سیکھ کے دنیا کے کرشمے دیکھو
مذہبی درس الف بے ہو علیگڑھ تے ہو

بہت رہتی ہے حیراں دیکھکر گو تیری قدرت کو
ادا کرتی نہیں چشمِ تماشا حقِ حیرت کو

بہت خوش ہے کہ قد لعبتِ چیں کے مطابق ہے
ہمارے طفلِ دل نے کھیل سمجھا ہے قیامت کو

سب ہو چلے ہیں اُس بتِ کافر ادا کے ساتھ
رہ جائینگے رسول ہی بس اب خدا کے ساتھ

جادو کیا یہ کس بتِ کافر نگاہ نے
اسلام میں وفا نہ رہی اتقا کے ساتھ

خوابِ اجل ہی نیند کے بدلے اب آئے گا
دیوانہ کر دیا مجھے اک شب سُلا کے ساتھ

واعظ کے اعتراض سے تنگ آ گیا ہوں میں
اُسکو بھی دیکھ لو کبھی تم اک ادا کے ساتھ

اکبر دعا کا ذوق ہو کیونکر نصیبِ دل
اُٹھے نہ درد دل بھی جو دستِ دعا کے ساتھ

کرتے ہو تم خوشامدِ دنیا کے بڑھا کے ہاتھ
اللہ کی طرف نہیں اُٹھتے دعا کے ہاتھ

اچھی نہیں شے کوئی محبت سے زیادہ
وہ بھی ہے بری ہو جو ضرورت سے زیادہ

اے حسن کے مائل یہ نصیحت مری سُن لے
سیرت پہ نظر چاہئے صورت سے زیادہ

سیّد سے علیگڈھ میں یہ جا کر کوئی کہدے
ہے تجھکو طلب قوم کی قسمت سے زیادہ

مجھ رند سے اس درجہ نہ ہو محترز اے شیخ
تو پاک نہیں ہے مری نیت سے زیادہ

اک بوسہ پہ وہ ٹال گئے ہم بھی رہے چپ
سمجھے کہ کسے ملتا ہے قسمت سے زیادہ

عشقِ بتاں میں اکبر اوائل ہی یہ حالت توبہ توبہ
ایسے مسلم پھر حرم کی دیر میں ذلت توبہ توبہ

دیوانوں سے شعر یہ جیسے کسکا حلاصہ مجھسے سنئے
آپ کی صورت سبحان اللہ میری ہیئت توبہ توبہ

مذہب چھوڑ و ملت چھوڑ و صورت بدلو عمر گنواؤ
صرف کلرکی کی امید اور اتنی مشیت توبہ توبہ

سٹرکے کبھی ہم دستِ نجس سے لیتے ہو بھی آتی ہے اس سے
ایسی چیز سے کھائی صاحب آپکو رغبت توبہ توبہ

خرمن گل کو حراں یجائیگی اک بار باندھ
آشیانہ یاں نہ تو اے عندلیب زار باندھ

شعر میں اکبر یہی مضمون تو ہر بار باندھ
اے مسلماں سجدے اے برہمن زنار باندھ

سر میں سودا آخرت کا ہو یہی مقصود ہے
مغربی ٹوپی پہن یا مشرقی دستار باندھ

خلق تجھسے ہیچ ہے ڈرے جو خالق کو تو
تار سبحہ گر نہیں ہے آنسوؤں کا تار باندھ

بیکار شب کو یوں سرِ بستر پڑا نہ رہ
اکبر جو تجھکو نیند نہ آئے تو شعر کہہ

یکتا حصول گوئی سے ہے مقصدِ سکوت
معقول بات ذہن میں آئے تو چپ نہ رہ

نامِ خدا بڑھے ہیں کہیں آپ بدر سے
چودہ تمہیں وہاں ہیں تو یاں سال چاردہ

یہ عمر یہ جمال یہ جادو بھری نگہ
پھر اس پہ واعظوں کا یہ کہنا کہ باز رہ

ٹٹو پہ جس طرح سے ہو تاری کا ساز بوجھ
یوں بابوان ہند پہ ہے اب نماز بوجھ

کپتان اپنی سمت میں ہے ہم ہیں ڈوبتے
واللہ قوم پر ہے یہ قومی جہاز بوجھ

منصور سر کٹا کے سبکدوش ہو گیا
تھا سخت اسکے دل پہ نہانی کا راز بوجھ

اکبر کے واسطے بھی وہی شرط پاس کی
ہر ایک پر نہ لادئے بے امتیاز بوجھ

جو کردے حسن کو مشتاق و بیتاب
غضب ہے وہ ادائے عاشقانہ

شنا خونِ جگر کھاتا ہے اکبر
مبارک یہ غذائے عاشقانہ

آئینہ رکھ دے بہارِ غفلت افزا ہو چکی
دل سنوار اپنا جوانی خود آرا ہو چکی

خانۂ تن کی خرابی پر بھی لازم ہے نظر
زینت و آرائشِ قصرِ معلّیٰ ہو چکی

بیخودی کی دیکھ لذت کر کے ترکِ آرزو
ہو چکی حلّۂ ہوس مشقِ تمنا ہو چکی

حسنِ مطلق کے تصور سے بھی لے دو ایک جام
روئے زیبا ہو چکا زلفِ چلیپا ہو چکی

چل بسے یارانِ ہمدم اُٹھ گئے پیارے عزیز
آخرت کی اب کر **اکبر** فکر دنیا ہو چکی

نکہتِ گل سے شمیمِ زلف یاد آ ہی گئی
آج تو مجھکو نسیمِ صبح تڑپا ہی گئی

بادۂ عرفاں کی مستی روح کو بھا ہی گئی
عقل سر میں رہ گئی دل میں کچھ اور آ ہی گئی

اس جفا پر بھی طبیعت اُس پہ بس آ ہی گئی
اک ادا ظالم نے ایسی کی کہ وہ بھا ہی گئی

عاشقوں میں رسمِ عیشِ دنیوی رائج نہیں
قیس کب دولہا بنا لیلیٰ کہاں بیاہی گئی

اک لطافت قلب میں تھی عقل و حکمت کے سوا
رہ گئے سب وہ مگر پر تو ترا پا ہی گئی

مختلف شکلوں میں آ کر ہو گئی آخر ہوا
ابر کی پھبتی ہری امید پر چھا ہی گئی

عشوہ ہائے دشمنِ ایماں کا اک طوفاں تھا
دیکھکر بُت کو مگر یادِ خدا آ ہی گئی

خوش نصیبی زوالِ دنیا کی تعجب خیز ہے
چاہیے جانے کے نہ تھی لایق مگر جا ہی گئی

مستیِ مے سے نظر اُن کی تھی تیغِ بے نیام
لغزشِ عشق و جنوں سے پھر بھی شرما ہی گئی

سیکھ لو بدلی سے تم طرزِ عمل اے عاملو
جو سمندر سے لیا تھا ہم پہ برسا ہی گئی

اپنے تمکین و تحمل پر بہت نازاں تھا میں
اک بُتِ کافر کی چشمِ مست تڑپا ہی گئی

رقص کرتی ہے صبا نغمہ سرا ہے بلبل
شاہدِ گل کے لئے ناچ بھی ہے گانا بھی

ہر رُکاوٹ کی وہ دھج ہے کہ تڑپ جاتا ہے دل
کسی اُستاد سے تم سیکھے ہو شرمانا بھی

کچھ طرزِ ستم بھی ہے کچھ اندازِ وفا بھی
کھلتا نہیں حال اُنکی طبیعت کا ذرا بھی

عشوہ بھی ہے شوخی بھی تبسم بھی حیا بھی
ظالم میں اور اک بات ہے اِن سب کے سوا بھی

ایمان بھی تھا علم بھی تھا عقل رسا بھی
وہ لے گئے دل اور کوئی بولا نہ ذرا بھی

الفت بھی ہیں کرتے ہیں شکایت بھی گلا بھی
اب اسکو بھلا دو کچھ اگر میں نے کہا بھی

سچ بات کا انکار میں کیونکر کروں لے بت
بیشک مجھے آتی ہے کبھی یادِ خدا بھی

سالک کو دمِ تیغ ہے قطعِ رہِ توحید
دو ہو گیا اِک آن میں جو کا جو ذرا بھی

کچھ قدرت کی عہد جوانی کی صد افسوس
ہم رہ گئے غفلت میں یہ آیا بھی گیا بھی

تصدیق ہوئی دیکھ کے وہ قامت رعنا
سنتا تھا کہ فتنے ہیں قیامت کے سوا بھی

دیکھیں کسے حاصل ہو قدم بوسیٔ جاناں
پیسے کو ہے موجود مرا دل بھی حنا بھی

ڈاڑھی بھی ہے واعظ کے ہے تلووں پہ بھی انکے
چالاک مرے ہاتھوں کی صورت ہے حنا بھی

باقی سے رہا خون بھی اب میرے جگر میں
افسوس ہوا چاہتی ہے ترک غذا بھی

کیونکر کہوں رنگینیٔ باطن سے ہے عزت
پامال نظر آتی ہے مجکو تو حنا بھی

چپ رہتا ہوں تو کہتے ہیں الفت نہیں تجھکو
کرتا ہوں خوشامد تو یہ فرماتے ہیں جا بھی

سنتے ہیں کہ اکبر نے کیا عشقِ بتاں ترک؛
اس بات سے تو خوش نہ ہوا ہوگا خدا بھی

نظرِ لطف سے بس اک ہمیں محروم رہے
اور کیا عرض کریں آپ کو معلوم رہے

چمن کی یہ کیسی ہوا ہو گئی
کہ صر صر سے بدتر صبا ہو گئی

عیادت کو آئے شفا ہو گئی
علالت ہماری دوا ہو گئی

وہ اُٹھے لاکھوں ہی فتنے اُٹھے
سے چلے تو قیامت بپا ہو گئی

نہ تھی یاد رخ میں جو میں نے نماز
عجب حسن کے ساتھ ادا ہو گئی

تماشائے مقتل کو آئے جو وہ
تڑپنے کی لذت سوا ہو گئی

محبت کی گرمی بھی کیا چیز ہے
طبیعت مری کیا سے کیا ہو گئی

لگاوٹ بہت ہے تری آنکھ میں
اسی سے تو یہ فتنہ زا ہو گئی

میں ممنون ہوں وعدۂ یار کا
تسلّی تو خیر اک ذرا ہو گئی

بتوں نے بھلایا جو دل سے مجھے
مرے ساتھ یادِ خدا ہو گئی

انھیں نے عطا کی تھی جانِ حزیں
ہوا خوب انھیں پر فدا ہو گئی

مری روح تن سے جدا ہو گئی
کسی نے نہ جانا کہ کیا ہو گئی

بہت دخترِ رز تھی رنگیں مزاج
نظر ملتے ہی آشنا ہو گئی

مریضِ محبت ترا مر گیا
خدا کی طرف سے دوا ہو گئی

نہیں تھی تو نامِ کمر کیوں ہوا
جو پیدا ہوئی تھی تو کیا ہو گئی

نہ تھا منزلِ عافیت کا پتا
قناعت مری رہنما ہو گئی

ملا میں بھی اک رات دنیا سے خوب
مرے گھر بھی یہ بیسوا ہو گئی

ستایا بہت حاسدوں نے مجھے
تری مہربانی جفا ہو گئی

گھٹی گو کہ رندی سے وقعت مری
طبیعت مگر بے ریا ہو گئی

گوارا نہ تھا ذکرِ خونِ جگر
مگر اب تو میری غذا ہو گئی

بتوں کو محبت نہ ہوتی مری
خدا کا کرم ہو گیا ہو گئی

اشارہ کیا بیٹھنے کا مجھے
عنایت کی آج انتہا ہو گئی

رہِ معرفت میں جو رکھا قدم
خودی بھی بس اک نقشِ پا ہو گئی

کتابِ حقیقت کرے کون ختم
کہ ہر اک خبر مبتدا ہو گئی

وہ ساری امیدیں ملیں خاک میں
جو بدلی اٹھی تھی ہوا ہو گئی

فلک سے مٹا دل کا سارا ابھار
جو بدلی اٹھی تھی ہوا ہو گئی

یہ تھی قیمتِ رزق ٹوٹے جو دانت
غرض کوڑی کوڑی ادا ہو گئی

پھنسی جسمِ خاکی میں روحِ لطیف
اسیرِ کمندِ ہوا ہو گئی

دوا کیا کہ وقتِ دعا بھی نہیں
تری حالت اکبرؔ یہ کیا ہو گئی

ق

عاشق جو آستانۂ مشکل کشا کی ہے
تالیف مری حسیں پہ نورِ خدا کی ہے

حبِ علی سے ہو گی دلوں کو شگفتگی
کلیوں کو احتیاج نسیم و صبا کی ہے

رونہ مزاجیاں سنگِ دنیا کی دیکھ لیں
حسرت بس اب زیارتِ تیغِ خدا کی ہے

صورت شگفتہ ہر گلِ رنگیں قبا کی ہے
مستانہ چال باغ میں بادِ صبا کی ہے

آرا رہی یہیں ہے کہ پیدا ہوا اشک و آہ
دنیا میں دھوم خوبیِ آب و ہوا کی ہے

پھولوں سے لو لگائے ہے بادِ صبا کی لے
دمساز تان بلبلِ شیریں نوا کی ہے

سبزہ لہک رہا ہے نہ صدا انبساطِ طبع
سنبل میں تاب یار کی زلفِ دوتا کی ہے

مرغانِ باغ وجد میں ہیں فرطِ شوق سے
ڈوبی ہوئی مزے میں طبیعت ادا کی ہے

آراستہ ہے ایک طرف بزمِ مومنیں
کثرت لبوں پہ حمد و درود و دعا کی ہے

پوچھا جو اس سماں کا سبب بول اٹھے ملک
پیدائش آج حضرتِ مشکل کشا کی ہے

دل مرا اس پہ جو آیا تو قضا بھی آئی
درد کے ساتھ ہی ساتھ اس کی دوا بھی آئی

آئے کھولے ہوئے بالوں کو تو شوخی سے کہا
میں بھی آیا ترے گھر میری بلا بھی آئی

وائے قسمت کہ مرے گھر کی وقعت نہ ہوئی
بت کو دیکھا تو مجھے یاد خدا بھی آئی

ہو گئیں آغازِ جوانی میں نگاہیں نیچی
بستہ آنکھوں میں جو آیا تو حیا بھی آئی

ڈس لیا افعیِ شامِ شبِ فرقت نے مجھے
پھر نہ جاگوں گا اگر نیند ذرا بھی آئی

فارسی اٹھ گئی اردو کی وہ عزت نہ رہی
ہے زباں منہ میں مگر اس کی وہ قوت نہ رہی

بند کر اپنی زباں ترکِ سخن کر اکبر
اب تری بات کی دنیا کو ضرورت نہ رہی

روز افزوں ہو محبت وہ ملاقات اچھی
شوق ملنے کا بڑھاتی رہے وہ بات اچھی

وہ عمل کیا جو دلیری کو گھٹائے اے دوست
قوتِ دل کو بڑھاتی رہے وہ بات اچھی

موقعِ بحث نہیں صاحبِ اقبال ہیں آپ
میری ہر بات بری آپ کی ہر بات اچھی

شب برات اچھی ہے ایجان نہ اچھی شبِ قدر
آپ حلقے میں مرے آئیں وہی رات اچھی

ہم بغلِ شاہدِ دلجو ہو تو جاڑا اچھا
ہمنشین ساقی مہوش ہو تو برسات اچھی

مائلِ ضبط بھی ہوں۔ شائقِ فریاد بھی ہوں
جو پسند آپ کو آجائے وہی بات اچھی

فتنہ اُن آنکھوں سے اُٹھا تو مچی واہ کی دھوم
سچ یہ ہے صاحبِ اقبال کی ہر بات اچھی

ہو نمود اپنی تو اندھیر کی پروا کس کو
کوئی تاروں سے جو پوچھے تو کہیں رات اچھی

آپ کے جور و ستم بھی ہیں دل آویز مجھے
چشمِ عاشق میں ہے معشوق کی ہر بات اچھی

یارِ خاطر ہو تو واعظ کا بھی ارشاد بُرا
دل کو بھا جائے تو اکبر کی خرافات اچھی

آپ کا خیر طلب لائقِ عزت نہ سہی
رحم ہی کیجئے لِلّٰہ محبت نہ سہی

ہو رہو خاکِ درِ پیرِ مغاں اے اکبر
زندگی لطف سے کٹ جائیگی عزت نہ سہی

کر دیا کنجِ قناعت میں بسر اکبر نے
عزتِ دل تو سلامت رہی دولت نہ سہی

سکھ پائے طبیعت جس سے تری کر شغل اپنا دن رات وہی
جو دل میں سمائے من بھائے ہے تیرے لئے حق بات وہی

کیا روتا ہے اگلے وقتوں کو تہ کر دے تو اپنے نوحوں کو
بھٹکاتے ہیں جو ان سے ہو الگ پھر دن ہے وہی رات وہی

دھرتی نے جو بدلا رنگ تو کیا تو اپنی نظر اوپر کو اٹھا
داتا کے کرم میں کیا ہے کمی بدلی ہے وہی برسات وہی

مری ناکامیابی کی کوئی حد ہو نہیں سکتی
صداقت چل نہیں سکتی خوشامد ہو نہیں سکتی

مری ہستی ہے خود شاہد وجودِ ذاتِ باری کی
دلیل ایسی ہے یہ جو عمر بھر رد ہو نہیں سکتی

نہیں ہاتھ آتی دولت نام رٹنے سے بزرگوں کے
ہجا سے جد کے ترکیبِ زبرجد ہو نہیں سکتی

نہایت خوشنما پتھر پڑے ہیں عقل پر اُن کی
جنھیں تسکین بے لعل و زمرد ہو نہیں سکتی

ترنم سازِ ہستی کا تجھے کیا لطف دے غافل
تری روح آشنائے صوتِ سرمد ہو نہیں سکتی

بہار آئی ہے اے واعظ ابھی معذور رکھ مجھ کو
محلِ توبہ فصلِ گل کی آمد ہو نہیں سکتی

تری تعلیم سے پیدا ہوں گو رائیں غلط لیکن
طبیعت فطرتاً ہے نیک تو بد ہو نہیں سکتی

میں کو دیکھ کر اکبر میں جھکتا ہوں کسی در پر
نظر اپنی مرید طاق و گنبد ہو نہیں سکتی

مسلمانوں کو فیض اس حرم سے ممکن نہیں اکبر
کہ جس میں عزتِ نام محمد ہو نہیں سکتی

شکر ہے تم نے مرے درد کی کچھ داد تو دی
بہ ادا کی یہ سہی رخصتِ فریاد تو دی

کیا ہوا شمعِ حرم تو نے کھائی اے دوست
دیر کے شعلہ رخاروں نے تجھے داد تو دی

بہر رفتار میں جس کرتا ہوں تدبیر نئی
ڈال دیتا ہے فلک پاؤں میں زنجیر نئی

تو خوشامد کا ہے مواد میں قناعت کا مرید
میری اکسیر پرانی تری اکسیر نئی

پالسی تیرے لئے میرے لئے صبر و رضا
میری اکسیر پرانی تری اکسیر نئی

کھوئے دیتے ہو تم مدحتِ ملت آیار
کیا سمجھتے ہو کہ مل جائیگی تقدیر نئی

الفت سے تری قطع نظر ہو نہیں سکتی
یہ بات تو اچھی ہے مگر ہو نہیں سکتی

افسوس کہ دل شوقِ حضوری میں ہے بیتاب
دربان یہ کہتا ہے خبر ہو نہیں سکتی

احباب کی کی آمد و شد آپ سے جاری
راحت مجھے اب آپ کے گھر ہو نہیں سکتی

ختم کیا صبا نے رقص۔ گل پہ نثار ہو چکی
جوشِ نشاط ہو چکا۔ صوتِ ہزار ہو چکی

نیک دیدِ زمانہ کو دیکھ کے گل نے راہ لی
لطفِ نسیم ہو چکا۔ کاوشِ خار ہو چکی

رنگ شفق مٹ گیا۔ سنبل تر نہیں رہا
صحنِ چمن میں زینتِ نقش و نگار ہو چکی

مستیٔ لالہ اب کہاں۔ اسکا پیالہ اب کہاں
دورِ طرب گذر گیا۔ آمدِ یار ہو چکی

رت وہ جو تھی بدل گئی۔ آئی مس اور نکل گئی
تھی جو ہوا میں نکہتِ مشک تتار ہو چکی

اس تک اسی روش پہ ہے اکبر مست و بیخبر
کہدے کوئی عزیز مَن فصلِ بہار ہو چکی

بہت رہا ہے کبھی لطفِ یار ہم پر بھی
گذر چکی ہے یہ فصلِ بہار ہم پر بھی

عروسِ دہر کو آیا تھا پیار ہم پر بھی
یہ بیسوا تھی کسی شب نثار ہم پر بھی

بٹھا دیا ہے زمانہ نے ہمیں بھی مسند پہ
ہوا کئے ہیں جواہر نثار ہم پر بھی

عدو کو بھی جو بنایا ہے تم نے محرمِ راز
تو فخر کیا جو ہوا اعتبار ہم پر بھی

خطا کسی کی ہو لیکن کھلی جو اُن کی زباں
تو ہو ہی جاتے ہیں دو ایک وار ہم پر بھی

ہم ایسے رند مگر یہ زمانہ ہے وہ غضب
کہ ڈال ہی دیا دنیا کا بار ہم پر بھی

ہمیں بھی آتشِ الفت جلا چکی اکبر
حرام ہو گئی دوزخ کی نار ہم پر بھی

اُن کی نگاہ دشمنِ اسلام ہی رہی
شرم و حیا کے ساتھ بھی بدنام ہی رہی

یاروں نے سو طرح کے مشاغل کئے بہم
لیکن مجھے تو فکرِ مے و جام ہی رہی

تسکینِ دل اِس بزم میں واللہ نہ پائی
چاہا تھا نکل جائیں مگر راہ نہ پائی

معنی سے مقرّ نظر آیا مجھے ہر نقش
آنکھوں نے کوئی صورتِ دلخواہ نہ پائی

غوّاص رہی بحرِ حقیقت کی ہمیشہ
فکرِ حکما نے بھی مگر تھاہ نہ پائی

دیکھی نہ کوئی بات سوا نام کے ایں
کچھ لذتِ شان و حشم و جاہ نہ پائی

بارِ دلِ پُرغم میں کمی ہوتی کچھ اُس سے
فریاد کی طاقت بھی مگر آہ نہ پائی

ملّت کا ادب اٹھ گیا جس قوم کے دل سے
اقبال کے سمت اُسنے کبھی راہ نہ پائی

کفر کی رغبت بھی ہے دل میں بتوں کی چاہ بھی
کہتے جاتے ہیں مگر منھ سے معاذاللہ بھی

اب تو نقدی سے کوئی صاحب مرا دل خوش کریں
سن چکا ہوں مرحبا بھی آفریں بھی واہ بھی

واہ کیا جلوہ ہے پیشِ چشم ادراکِ بشر
شبہ بھی ہاں بھی نہیں بھی وہم بھی اللہ بھی

حالت تو یہ پہونچی ہے کہ دیکھی نہیں جاتی
اور دل سے محبت ہے کہ اب بھی نہیں جاتی

کیا کام چلے اُن کی توجہ نہیں اکبر
اب کہئے خوشامد کی تو وہ کی نہیں جاتی

نئی تہذیب سے ساقی نے ایسی گرمجوشی کی
کہ آخر مسلموں میں روح پھونکی بادہ نوشی کی

تمہاری پالیسی کا حال کچھ کھلتا نہیں صاحب
ہماری پالیسی تو صاف ہے ایماں فروشی کی

چھپانے کے عوض چھپوا رہے ہیں خود وہ عیب اپنے
نصیحت کیا کروں میں قوم کو اب عیب پوشی کی

پہننے کو تو کپڑے ہی نہ تھے کیا بزم میں جاتے
خوشی گھر بیٹھے کر لی ہم نے جشنِ تاجپوشی کی

شکستِ رنگِ مذہب کا اثر دیکھیں نہ مرتد
مسلمانوں میں کثرت ہو رہی ہے بادہ نوشی کی

رعایا کو مناسب ہے کہ باہم دوستی رکھیں
حماقت حاکموں سے ہے توقع گرمجوشی کی

ہمارے قافیے تو ہو گئے سب ختم اے اکبر
لقب اپنا خود دیدیں مہربانی ہے یہ خوشی کی

حسن ہے بیوفا بھی فانی بھی
کاش سمجھے اسے جوانی بھی

بڑھتا جاتا ہے حسنِ قوم۔ مگر
ساتھ ہی اس کے ناتوانی بھی

سب پہ حاوی ہیں لعبتانِ فرنگ
چپ ہیں بیگم بھی بت ہیں رانی بھی

دلِ مبتلائے غفلت تو ہے محوِ دہرِ فانی
جو خدا کی یاد آئے تو اسی کی مہربانی

جو گذر گیا خودی سے تو وہ مل گیا اسی سے
نہ ہوائے رب ارنی نہ صدائے لن ترانی

میں زباں پہ لاؤں کیونکر وہ حدیثِ حسنِ مطلق
کہ نہ بار لفظ اٹھائے گی نزاکتِ معانی

میں سمجھ گیا وہی ہے مرے پردۂ نفس میں
مجھے اب تو سانس لینا ہی ہے لطفِ زندگانی

شیخ کی بات بگڑنے سے بھی مطلق نہ بنی
بادہ خواری پہ بھی اس شیخ سے گاڑھی نہ چھنی

گم ہوئے ہوش خود دیکھا بتِ ترسا کا جمال
اسقدر کفر۔ یہ عشوے۔ یہ دھج۔ اللہ غنی

آپ کے ہو نہیں سکتے ہیں یہ عربی زیرے
دل نہ ٹھہرے تو نکل جائیے ہیرے کی کنی

پاؤں کا سپاہی بنکے خوف سے آنکھے در پر
چست پتلون پہنے پہ بھی پنڈلی نہ تنی

دل ہی دیتا تھا نہ۔ وہ دیں بھی کرتے تھے طلب
یہی باعث تھا کہ اکبر سے بتوں سے نہ بنی

آئی ہوگی کسی کو ہجر میں موت
مجھکو تو نیند بھی نہیں آتی

عاقبت میں بشر سے ہے یہ سوا
جانور کو ہنسی نہیں آتی

حال وہ پوچھتے ہیں میں ہوں خموش
کیا کہوں شاعری نہیں آتی

ہمنشیں بک کے اپنا سر نہ پھرا
رنج میں ہوں ہنسی نہیں آتی

عشق کو دل میں دے جگہ اکبر
علم سے شاعری نہیں آتی

ق

دشتِ غربت ہے علالت بھی ہے تنہائی بھی
اور ان سب پہ فزوں بادیہ پیمائی بھی

خوابِ راحت ہے کہاں نیند بھی آتی نہیں اب
بس اچٹ جانے کو آئی جو کبھی آئی بھی

یاد ہے مجھکو وہ بیفکری و آغازِ شباب
سخن آرائی بھی تھی انجمن آرائی بھی

صحنِ گلزار بھی تھا ساقیِ گلفام بھی تھا
مئے گلرنگ بھی تھی نئے بھی تھی اور نائی بھی

نگہِ شوق و تمنا کی وہ دلکش تھی کمند
جس سے ہو جاتے تھے رام آہوئے صحرائی بھی

ہم صنم خانہ جہاں کرتے تھے اپنا قائم
پھر کھڑے ہوتے تھے واں حور کے شیدائی بھی

اب نہ وہ عمر نہ وہ لوگ نہ وہ لیل و نہار
بجھ گئی طبع کبھی جوش پہ گر آئی بھی

اب تو شیشے بھی مجھے دیو نظر آتے ہیں
اس زمانے میں پری زاد تھی رسوائی بھی

میں تو آنکھوں میں جگہ دینے کو حاضر تھا اسے
نیند ظالم سے یہ پوچھو کہ کبھی آئی بھی

اب تلک گوشے سے امید رہائی نہیں کچھ
لیجئے ہو گئی ختم آج تو گویائی بھی

کام کی بات جو کہنی ہو وہ کہہ لو اکبر
دم میں چھن جائیگی یہ طاقتِ گویائی بھی

عشق و مذہب میں دو رنگی ہو گئی
دین و دل میں خانہ جنگی ہو گئی

سختیِ ایام کا دیکھو اثر
قلمدان کی جا پہ سنگی ہو گئی

دختِ رز شیشہ سے نکلی بے حجاب
سامنے رندوں کے ننگی ہو گئی

مصرع اول	مصرع ثانی
علم یورپ کا ہوا میداں وسیع	رزق میں مہدی کے تنگی ہوگئی
کردیا مرع نے واقف کہ یہ ہستی کیا تھی	ہوش آیا تو کھلا حال کہ مستی کیا تھی
رنگِ حافظ یہ بہک جاتے ہیں اربابِ مجاز	یہ سمجھتے نہیں وہ بادہ پرستی کیا تھی
فرقتِ یار میں بدلی کا مرا کیھہ نہ ملا	میری نظروں میں تو روتی تھی برستی کیا تھی
میں تو مٹ جانے میں گاہک نہ ہوا عزت کا	دیں کے بدلے میں ملتی تھی تو سستی کیا تھی
اولوالعزمی جسے سمجھے تھے ہم وہ خودکشی نکلی	گماں ہوشیاری جس پہ تھا وہ کم ہستی نکلی
خصب یہ ہے کہ دریاد و دھاں بھی کرنہیں سکتے	خود دیکھی فال تو بس اس میں بید جاستی نکلی
وقت پیری آگیا الکبر جوانی ہوچکی	سانس لیبا رہ گیا اب زندگانی ہوچکی
ہجر میں دل کی سزا اے میرے جانی ہوچکی	ملئے اب مہرِ جدا نامہربانی ہوچکی
ایڑیوں تک پہونچی زلف آنکی تو مجھکو کیا امید	راحتِ جاں یہ بلائے آسمانی ہوچکی
وقتِ لطف و مہر ہے ایجاں عتب ئے چھوڑئے	کیجئے دلداریاں - اب دلستانی ہوچکی
ضعف ایسا ہے تو قصدِ کوے جاناں کیا کروں	ہمتِ عالی تو مدرِ ناتوانی ہوچکی
رنگِ گلزارِ جہاں ہے ہائے کتنا بے ثبات	دو ہی دن میں لالہ و گل کی جوانی ہوچکی
ایک عالم منتظر ہے بس اٹھئے اب نقاب	کیجئے برپا قیامت لن ترانی ہوچکی
عاشقیِ شاہد کا لج ہے بربادیِ عمر	یاس تک پہونچے نہیں ہم اور جوانی ہوچکی
حسرتِ دل ہوگئے اس عہد میں حروِ شکم	کیجئے عرضی نویسی شعر خوانی ہوچکی
رفیقِ حرص و مکاری دلیری ہو نہیں سکتی	جو ہیں روباہ طینت اُن میں شیری ہو نہیں سکتی
کسیکے ساتھ دیا ہے دغا کی ہی نہیں اب تک	تو میں کیوں ہو رہوں اُسکا جو میری ہو نہیں سکتی
کہوں ھو مر کے ہوتے کیوں شتابا اُنکی رکھو نکو	جب اتنے چاند ہوں تو رات اندھیری ہو نہیں سکتی
جلا ہی جانے کتنے قالبوں میں مشترک ہوگی	یہ خاکِ جسم بھی دنیا میں تیری ہو نہیں سکتی
محبت اپنی ہی پریوں سے رکھیں حضرتِ اکبر	مسِ معرورِ لندن آن کی چیری ہو نہیں سکتی

فزوں ہے دلکشی مشرق کی مغرب کی لطافت سے
خدا کا ہے جو کچھ ہے آپ ہم دو دن کے مہماں ہیں

حریفِ بلبلِ گلشن کسی ہو نہیں سکتی
خرد مندوں میں باہم میری تیری ہو نہیں سکتی

غزل میں حالتِ دل نظم کر سکتا ہوں اے اکبر
مگر اُن سے کہوں۔ اتنی دلیری ہو نہیں سکتی

طلوعِ دل مجھے ہوتی ہے کہیں اس سے سوا
بیٹھے تو رہئے ابھی آپ نے دیکھا کیا ہے

پسند آئی ہے عزلت میں ہوا رہا ور گھر کا کونا ہے
طبیعت اوج پر ہے رزق ما یحتاج سے ملتا

خدا کی یاد منزل ہے قناعت اپنا توشہ ہے
ہمیں اک خوشۂ گندم یہاں پروین کا خوشہ ہے

طرح پیام یار

اپنا رنگ اُن سے ملانا چاہیئے
آج کل پینا پلانا چاہیئے

خوب وہ دکھلا رہے ہیں سبز باغ
ہم کو بھی کچھ گل کھلانا چاہیئے

چال میں تلوار ہے دل کی گھڑی
توپ سے اس کو ملانا چاہیئے

قولِ بابو ہے کہ جب بل پیش ہو
پیشِ حاکم بلبلانا چاہیئے

کچھ نہ ہاتھ آئے مگر عزت تو ہے
ہاتھ اُس مِس سے ملانا چاہیئے

دو عالم کی بنا کیا جانئے کیا ہے
نشانِ ماسوا کیا جانئے کیا ہے

مری نظروں میں ہے اللہ ہی اللہ
دلیلِ ماسوا کیا جانئے کیا ہے

حقیقت پوچھ گل کی بلبلوں سے
بھلا اسکو صبا کیا جانئے کیا ہے

ہوا ہوں اُنکا عاشق ہے یہ اک جرم
مگر اسکی سزا کیا جانئے کیا ہے

مرے مقصودِ دل تو بس تمہیں ہو
تمہارا مدعا کیا جانئے کیا ہے

نگاوٹ بھی ہے ساتھ اسکے جفا بھی
تمہارا مدعا کیا جانئے کیا ہے

نہ اکبر سا کوئی نادان نہ ذی ہوش
ہر اک شے کو کہا کیا جانئے کیا ہے

ہم اُنکی خوشی کے لئے کیا کچھ نہیں کرتے
لیکن وہ جفاؤں کے سوا کچھ نہیں کرتے

وہ کہتے ہیں یہ ٹھیک ہے ہم کہتے ہیں جی ہاں
بالفعل تو ہم اس کے سوا کچھ نہیں کرتے

بُت خانے سے کچھ فیض نہ ہوگا نہیں اکبر
تم یاں بھی بجز ذکرِ خدا کچھ نہیں کرتے

نہ بہتے اشک تو تاثیر میں سوا ہوتے
صدف میں رہتے یہ موتی تو بے بہا ہوتے

حزنِ عشق میں ہم کاش مبتلا ہوتے
خدا نے عقل جو دی تھی تو باخدا رہتے

لیا نہ تخلیہ میں اُن کا بوسہ چُوک ہوئی
بلا سے محو یہ وہ ہوتے اگر خفا ہوتے

ستم کا حس ہے کہ بے بس ہیں تیرے محوِ جمال
کبھی شتا نہیں میں سے ترا گلا ہوتے

نہ ہوتی گریہ حسیناں چھپا کی پابندی
تو اُن کی چال سے فتنے بہت بپا ہوتے

سمجھ گئے کہ یہ اپنے حواس ہی میں نہیں
ہماری بات پہ اب وہ نہیں خفا ہوتے

یہ خاکسار بھی کچھ عرضِ حال کر لیتا
حضور اگر متوجہ ادھر ذرا ہوتے

یہ جس سے آنکھ ہمیں دی ہے ہے وہ قابلِ دید
پھر اُس کو چھوڑ کے کیا محوِ ماسوا ہوتے

مجھ ایسے رند سے رکھتے ضرور ہی الفت
جناب شیخ اگر عاشقِ خدا ہوتے

دلوں کو الفتِ دُنیا نے سخت ہی رکھا
ہوائے حس میں غنچے شگفتہ کیا ہوتے

گنہگاروں نے دیکھا جمالِ رحمت کو
کہاں نصیب یہ ہوتا جو بے خطا ہوتے

ہے زاہدوں کو جو وحشت جمالِ انساں سے
تو کاش دخترِ رز ہی سے آشنا ہوتے

وہ ظلم تم میں ہے میرے سوا کوئی سدہ
تلاش سے بھی نہ پاتے جو تم خدا ہوتے

جناب حضرتِ ناصح کا واہ کیا کہنا
جو ایک بات نہ ہوتی تو اولیا ہوتے

مذاقِ عشق نہیں شیخ میں یہ ہے افسوس
یہ چاشنی بھی جو ہوتی تو کیا سے کیا ہوتے

یہ اُنکی بے خبری ظلم سے بھی ہے افزوں
اب آرزو ہے کہ وہ مائلِ جفا ہوتے

کبھی یہ میں نے نہ چاہا کہ ہوں وہ دوست مرے
امید کیا تھی کہ ہوتے تو بے ریا ہوتے

وضو سے ہو گئی جائز نماز یاروں کو
جوازِ عشق بھی ہوتا جو دل صفا ہوتے

تمہارے حسن کے بھی تذکرے ہیں شہروں میں
مرے سخن کے بھی چرچے ہیں جا بجا ہوتے

محلِ شکر ہیں اکبر یہ درفشاں نظمیں
ہر اک زبان کو یہ موتی نہیں عطا ہوتے

ضروری کام نیچر کا جو ہے کرنا ہی پڑتا ہے
نہیں جی چاہتا مطلق مگر مرنا ہی پڑتا ہے

خدا کو ماننا ہی پڑتا ہے دنیا کو جب برتو
خیالِ مرگ سے انسان کو ڈرنا ہی پڑتا ہے

آپ سے قصرِ دل آویز کا کہنا کیا ہے
مگر اکبر کو غرض کیا اسے رہنا کیا ہے

سانس لینے کو ذرا ٹھہرا ہوں میں دنیا میں
کیسا سامانِ اقامت مجھے رہنا کیا ہے

کہہ چکا اسقدر اور پھر وہی الجھن دل کی
کچھ سمجھ میں نہیں آتا مجھے کہنا کیا ہے

مسکرا کر وہ لگے کہنے کہ ذلت ذلت
جب یہ پوچھا کہ سوانح کے سہنا کیا ہے

امید و بیم کے جھگڑوں سے آگاہی نہیں رکھتے
سبب یہ ہے کہ ہم کوئی تمنا ہی نہیں رکھتے

تجھے اے چرخ کیا مشکل ہے ہمکو مطمئن رکھنا
فقیرِ بے نوا ہیں شوکتِ شاہی نہیں رکھتے

لب آشنا ہے دعا ہوں نہ ماسوا کے لئے
پکارئے جو خدا کو تو بس خدا کے لئے

مقامِ شوق میں اے دل وہ رنگ پیدا کر
نظر زبان ہے عرضِ مدعا کے لئے

سوائے مرگ نہیں کچھ علاجِ دردِ فراق
اجل کو ڈھونڈتے پھرتے ہیں ہم دوا کے لئے

جو ہو سکے تو انہیں لاؤ بس میں اچھا ہوں
یہ اہتمام عبث ہے مری دوا کے لئے

جو آرزو ہے اجل ہو تو دل کسی سے لگا
بہانہ چاہیے آخر کوئی قضا کے لئے

شبِ فراق میں آیا خیالِ زلفِ سیاہ
یہ اور طرّہ ہوا گیسوئے بلا کے لئے

حسین ہونا ہی کافی ہے ظلم کرنے کو
تلاشِ عذر یہ کیوں ہے تمہیں جفا کے لئے

بتوں کے واسطے جاتا ہوں میں تو جانبِ دیر
سدھاریں شیخ ہی جی کعبہ کو خدا کے لئے

جہاں جہاں صفت اس فخرِ انبیا کے لئے
کہ عالم اسکے لئے اور وہ خدا کے لئے

طریقِ عشق میں دل خسروں سے کب بچتا یا
سمجھ گیا کہ مصیبت ہے رہنما کے لئے
زبانِ دو چشمِ بتاں کا نہ پوچھئے عالم
وہ شوخیوں کے لئے ہے یہ بے حیا کے لئے
خراب دل کو جو اُس نے کیا تو خوب کیا
سامنے تھا یہ اُسی چشمِ فتنہ زا کے لئے

مذہب کبھی سائنس کو سجدہ نہ کرے گا
انسان اُڑیں بھی تو خدا ہو نہیں سکتے
اور راو تعلق کوئی جوڑا کرے رشتہ
انگریز تو میٹو کے چچا ہو نہیں سکتے
میٹو نہیں ہو سکتے جو گورے تو ہے کیا غم
گورے بھی تو بندے سے خدا ہو نہیں سکتے
ہم ہوں جو کلکٹر تو وہ ہو جائیں کمشنر
ہم اِن سے کبھی عہدہ برا ہو نہیں سکتے

دو ہی دن میں رخِ گل زرد ہوا جاتا ہے
چمن دہر سے دل سرد ہوا جاتا ہے
علم و تقویٰ پہ بڑا ناز تھا مجھکو لیکن
آپ کے سامنے سب گرد ہوا جاتا ہے
بے اثر ہی ہے مری فریاد کی اُلٹی تاثیر
وہ تو کچھ اور بھی بیدرد ہوا جاتا ہے

یہ مت سمجھو دکشش ہیں آج لٹتے یہ وجہ کل صاف ہونگے
نہیں سمجھتے جو حضرت اللہ آپ اکثر ان جراسہ ہونگے
ہمارے حالات کی حقیقت کسی پہ بھی منکشف ہوگی
جو کوئی سوچیگا وہم ہونگے جو کوئی دیکھیگا حال ہونگے
ڈنر کا مجھکو نہیں ہے چسکا وگرنہ ہے کارڈ میں تو لکھا
شراب ہوگی کباب ہونگے حضورِ عالی جناب ہونگے
مکان میں بھی ہے رہینگے جو سنت طرز پر ہیں قائم
جو سے اصولی کے ہیں معتقد وہ ہونگے اثر خراب ہونگے

خواہش نزد میں نئی تہذیب کے پیرو سے
وہ نہ ہاتھ آیا مگر کچھ معائب ہو گئے
نو سے ری تک ہم تو پہونچے تھے رہِ تہذیب میں
کھائی وہ ٹھوکر کہ اُس سے بھی تائب ہو گئے

ہاں ہاں عدو بھی آپ کا طالب ضرور ہے
لیکن حضور فرقِ مراتب ضرور ہے
بنتے ہو میری جان تو آ بیٹھو گود میں
تم جانتے ہو روح کو قالب ضرور ہے

دل کا ہے قصور آپ کا طالب تو یہی ہے
میری نہ ہو تقصیر مناسب یہی تو ہے

راتوں کو بتوں سے وہ لگاوٹ بھی چلی جائے
اور صبح کو وہ نعرۂ یارب بھی نہ چھوٹے
کرتا ہے حقارت کی نظر پیرِ مغاں بھی
افسوس اگر اُن سے خرابات بھی نہ چھوٹے

قلعی بھی ریاکار کی کھلتی رہے اکبر
طعنوں سے مگر طرزِ مہذب بھی نہ چھوٹے

معنی کو بھلا دیتی ہے صورت ہے تو یہ ہے
کمرے میں جو ہنستی ہوئی آئی مسِ رعنا
یہ بات تو اچھی ہے کہ الفت ہو مسوں سے
پیچیدہ مسائل کے لئے جاتے ہیں انگلینڈ
پبلک میں ذرا ہاتھ ملا لیجئے مجھ سے

ٹیچر بھی سبق سیکھ لے زینت ہے تو یہ ہے
ٹیچر نے کہا علم کی آفت ہے تو یہ ہے
حور اُن کو سمجھتے ہیں قیامت ہے تو یہ ہے
زلفوں میں اُلجھ آتے ہیں شامت ہے تو یہ ہے
صاحب مرے ایمان کی قیمت ہے تو یہ ہے

عبث ہر طاقت و دولت پہ تجھکو رشک و حسرت ہے
تعجب ہے مجھے ان شاعروں کے شور و غوغا پر
مجھے بے چین کرتا ہے نظارہ سنبل و گل کا
فنا کا دور جاری ہے مگر مرتے ہیں جینے پر

نہ ہر طاقت میں نیکی ہے نہ ہر دولت میں رحمت ہے
کوئی پوچھے کہ تم کو کیا جو کوئی خوبصورت ہے
ادھر ہے پیچ گیسو کا اُدھر عارض کی رنگت ہے
طلسمِ زندگانی بھی عجب اک رازِ فطرت ہے

کون ایسا ہے جو یوں مجھ پہ عنایت رکھے
سچ تو یہ ہے کہ سلیقہ بھی ہے ہر کام میں شرط
نہ شریعت نہ طریقت نہ محبت نہ حیا
آدمی کے لئے دنیا میں مصائب ہیں بہت

صد و سی سال خدا تم کو سلامت رکھے
بُت کو چاہیے تو برہمن کی طبیعت رکھے
جس پہ جو چاہے وہ اس عہد میں تہمت رکھے
خوش نصیبی ہے جو وہ صبر کی عادت رکھے

کیا بتاؤں تمہیں اچھائی کی پہچان اکبر
بس وہی خوب ہے جو تم سے محبت رکھے

میرے حواس عشق میں کیا کم ہیں منتشر
دل جسکے ہاتھ میں ہو نہ ہو اُس پہ دسترس
پروانہ رینگتا رہے اور شمع جل بجھے
مطلق نہیں محلِ عجب موت دھر میں

مجنوں کا نام ہو گیا قسمت کی بات ہے
بیشک یہ اہلِ دل پہ مصیبت کی بات ہے
اس سے زیادہ کونسی ذلت کی بات ہے
مجھکو تو یہ حیات ہی حیرت کی بات ہے

ترچھی نظر سے آپ مجھے دیکھتے ہیں کیوں
دل کو یہ چھیڑنا ہی شرارت کی بات ہے

راضی تو ہو گئے ہیں وہ تاثیرِ عشق سے
موقع نکالنا سو یہ حکمت کی بات ہے

تخلیہ بھی ہے ہوا سرد ہے اور رات بھی ہے
پھر بھی انکار۔ مری جان یہ کوئی بات بھی ہے

طلبِ ساقی ہو تو یہ وقت ہے مے نوشی کا
رحمتِ حق ہے گھٹا چھائی ہے برسات بھی ہے

وہ بے خبر ہے غلغلۂ کائنات سے
جس کی کہ لو لگی ہے فقط تیری ذات سے

سن چکے آپ کہ پیش آئے تھے حالات ایسے
یہی باعث تھا کہ چپ تھے ہم رات ایسے

میری غیبت کوئی کرتا تھا تو مجھ سے نہ کہو
تذکرے خوب نہیں وقتِ ملاقات ایسے

انکو واپس کیا یہ کہہ کے کہ تائب ہوئے وہ
بھیجتے جاتے ہیں ملازم مرے سوغات ایسے

دشمنِ دیں سے تمہیں ہو گی کچھ امیدِ صلاح
ہم تو سنتے نہیں اقوالِ خرافات ایسے

اے دل اس ابرو و مژگان و نظر سے دبئیے
صلح لازم ہے جو ہوں جنگ کے آلات ایسے

بحث سے پھیر کے حاجت پہ کریں دل کو رجوع
پیر وہ ہیں کہ جو ہوں اہلِ کرامات ایسے

واہ اکبر یہ نکالا ہے عجب طرزِ سخن
حسن مدِّش تو یہ اور اس پہ خیالات ایسے

کٹے ملت سے جو دیکھے کی ہے دنیا انکو عزت سے
گرے جاتے ہیں یہ بس منزلیں اپنی بلاوت سے

قیامت کر رہی ہیں لعبتانِ مغربی اکبر
ٹھکیلے کو ٹر لایا ہے انھیں حوروں نے جنت سے

مرا حسن پارسی لیڈی پہ دل آیا ہے اے اکبر
جو سچ پوچھو تو حسن معنی ہے اسکی صورت سے

نفع ہوتا ہے فقط خارجی اصلاح سے
واقف آپ ابھی نہیں عشق کے مزاج سے

دل ملیں تو کیا ملیں اہلِ قوم کے باہم
ایک آیا کعبے سے ایک آیا لالچ سے

اکبر کچھ آ رہے ہو نظر شد مد سے
آخر ضرر ہوا تمہیں ناصح کی پند سے

سرائے دہر تو ہے رہزنِ اجل کا مقام
یہاں بھی کیا کوئی دل آ لگ کر ٹھہرتا ہے

دل کو مرے تم ایک نظر دیکھ تو لیتے
ہوتے نہ خریدار اگر دیکھ تو لیتے

رہ گئے اہلِ خرد دہر کے چکر میں پھنسے
وہی اچھے جو تری زلفِ معنبر میں پھنسے

دل کو مرے فروغ تمہاری نظر سے ہے
بجلی بنا ہوا یہ اسی کے اثر سے ہے

ہر طرف بننے بگڑنے کا یہاں اک دور ہے
چشمِ عبرت کے لئے دُنیا محلِّ غور ہے

لالہ و گل اک طرف طاعون کا غل اک طرف
ہے جنوں یاروں کو لیکن رنگ ہی کچھ اور ہے

بستاں بجوز بنوشش بزن کارِ دھر ہے
دل اسمیں اہلِ دل جو لگائیں تو قہر ہے

بس ذکر ہی میں بادۂ گلگوں کے ہے مزا
چکھنا نہ ہمنشیں اسے واللہ زہر ہے

ملک میں مجھکو ذلیل و خوار رہنے دیجئے
آپ اپنی عزت و وقار رہنے دیجئے

دل ہی دل میں باہمی اقرار رہنے دیجئے
بس خدا ہی کو گواہ اے یار رہنے دیجئے

اتقا کا آج کل اظہار رہنے دیجئے
پیجئے قبلہ یہ استغفار رہنے دیجئے

خوب فرمایا کہ اپنا پیار رہنے دیجئے
آپ ہی یہ غمزہ و انکار رہنے دیجئے

دیکھئے گا لطف کیا کیا گل کھلیں گے شوق سے
مجھکو آپ اپنے گلے کا ہار رہنے دیجئے

چاندنی برسات کی نکھری ہے چلتی ہے نسیم
آج تو بلمد یہ انکار رہنے دیجئے

چشمِ بد دور آپ کی نظریں ہیں خُمِ موجِ شراب
بس مجھے بے مے پئے سرشار رہنے دیجئے

کیجئے اپنی نگاہِ فتنہ افزا کا علاج
نرگسِ بیمار کو بیمار رہنے دیجئے

کس بلاغت سے کہا اُسنے کہ رکھئے حد میں شوق
مدعا کو قابلِ اظہار رہنے دیجئے

لن ترانی خود شرابِ معرفت ہے اے کلیم
آرزوئے شربتِ دیدار رہنے دیجئے

چھوڑنے کا میں نہیں اب آپ کو اے جانِ جاں
ہے اگر مجھ پر خدا کی مار رہنے دیجئے

کیجئے ثابت خوش اخلاقی سے اپنی خوبیاں
یہ نمودِ جبہ و دستار رہنے دیجئے

ظالمانہ مشوروں میں میں نہیں ہوں گا شریک
غیر ہی کو محرمِ اسرار رہنے دیجئے

کھل گیا مجھ پر بہت ہیں آپ میرے خیر خواہ
خیر جیب دہ لیجئے طومار رہنے دیجئے

کیجئے رشوت ستانی سے دراہم میسر آپ
حیرت جو اس کا یہ سب اظہار رہے دیکھئے

ل کے باہم کیجئے اغیار سے بحث و جدال
سے نتیجہ باہمی تکرار رہے دیکھئے

ٹیمر میں ممکن نہیں نظارۂ مہِ قرات
ایسی خواہش کو سمندر یاد رہے دیکھئے

ہمکنار اُس بحرِ خوبی سے نہ ہو سکے اگر آپ
ایسے منصوبے سمندر پار رہے دیکھئے

سوزِ تنگ قصہ میں ہم اے جان در آئے
ہر رنگ میں ستم آفتِ ایماں نظر آئے

لے خضر مری راہ تو بس راہ جنوں ہے
سرل کو عرض ہو تو خود اس راہ پر آئے

دل جس طرف آیا ہے وہ معلوم ہے مجھکو
ناصح سے تو پوچھو کہ حسرت کدھر آئے

یہ حسن ستوں کا یہ جنوں نمیر نگاہیں
پتھر کا بھی دل ہو تو ادھر لوٹ کر آئے

بے رونقیِ الحسنِ عشق نہ چاہی
حالی جو ملی کوئی جگہ آہ بھر آئے

عکس آپ کا تھا طاؤس کو سر پٹے تڑپیں
پڑتے ہی مری آنکھ میں آنسو بھی بھر آئے

طلب ہے حق کی تو مل آ کے مست مستوں سے
نہیں ہے میکدہ خالی خدا پرستوں سے

خطا معاف مروں گا میں حور ہی کے لئے
رسیں بھی خوب ہیں لیکن حضور ہی کے لئے

کوئی گناہ ہو نہ منظر معاذ اللہ
شراب پیتا ہوں میں بس سرور ہی کے لئے

خلاف شرع کوئی قصد ہو معاذ اللہ
شراب پیتا ہوں میں بس سرور ہی کے لئے

باقی وہی ادا ابھی تیرچھی وہی نظر بھی ہے
جان پہ میرے بن گئی آپ کو کچھ خبر بھی ہے

ظلم کی اک ادا بھی ہے لطف کی اک نظر بھی ہے
عکس کا اقتضا بھی ہے عشق کا کچھ اثر بھی ہے

دل پہ مرے ہیں انکے دانت میں ہوں لب انکے چوستا
دولتِ وصل یار میں لعل بھی ہے گہر بھی ہے

تسرہ لگائی آپ نے میری امید کم ہوئی
وعدے پہ کیا خوشی کروں اس میں حساب کگر بھی ہے

دنیا میں سے ظفر ہے جو پروردگار سے
شاید ہے زندہ اب بھی وہ امتیاز سے

لے صانعِ ازل تری قدرت سکے میں شمار
کیا صورتیں بنائیں ہیں مشتِ غبار سے

تری باتوں سے گو دل میں ملال اے یار آتا ہے
مگر جب دیکھتا ہوں تیری صورت پیار آتا ہے

جو چلتا ہے دلِ سوزاں کا انجن راہِ الفت میں
خبر دینے کو فوراً آنسوؤں کا تار آتا ہے

جو راہِ عشق میں دل پر مصیبت کوئی پڑتی ہے
خبر دینے کو فوراً آنسوؤں کا تار آتا ہے

دل ہو خراب دین پہ جو کچھ اثر پڑے
اب کارِ عاشقی تو بہر کیف کر پڑے

عشقِ بتاں کا دین پہ جو کچھ اثر پڑے
اب تو نباہنا ہے جب اک کام کر پڑے

مذہب چھڑایا عشوۂ دنیا نے شیخ سے
دیکھی جو ریل اونٹ سے آخر اتر پڑے

بیتابیاں نصیب میں تھیں ورنہ کشمکش
یہ کیا ضرور تھا کہ انھیں پہ نظر پڑے

بہتر یہی ہے قصد ادھر کا کریں نہ وہ
ایسا نہ ہو کہ راہ میں دشمن کا گھر پڑے

ہم چاہتے ہیں میل وجود و عدم میں ہو
ممکن تو ہے جو بیچ میں اپنی کمر پڑے

دانا وہی ہے دل جو کرے آپکا خیال
بینا وہی نظر ہے کہ جو آپ پر پڑے

ہونی نہ چاہیے تھی محبت مگر ہوئی
پڑنا نہ چاہیے تھا غضب میں مگر پڑے

شیطاں کی نہ مان جو راحت نصیب ہو
اللہ کو پکار مصیبت اگر پڑے

اے شیخ ان بتوں کی یہ چالاکیاں تو دیکھ
نکلے اگر حرم سے تو اکبر کے گھر پڑے

ادھر ہماری تو یہ لگاوٹ حضور ایسے
اُدھر یہ فرما کے مسکرانا کہ ہونگے کم اہلِ نور ایسے

خدا کی ہستی میں شبہ کرنا اور اپنی ہستی کو مان لینا
پھر اُس پہ طرہ اس ادعا کا کہ ہم ہیں اہلِ شعور ایسے

ہمیں نے چاہا نہ قربِ اُنکا فریبِ دنیا نے دل میں آکر
وگرنہ ایمان کی جو پوچھو نہ تھے وہ کچھ ہم سے دور ایسے

ہمارے مصحفِ ایماں کا اول ہے نہ آخر ہے
خدا کی شان آیت ہے مذاقِ دل مفسر ہے

قرآن چھوڑ بھاگے شیطان کے مقابل
اس معرکے میں اکثر احباب ہیز نکلے

بوڑھے ہیں ہستی کو اپنی ثابت کریں تو کیونکر
جب دانت ہی نہیں ہے پھر کون چیز نکلے

مجنوں نے نام پایا اور کوہکن بھی اُبھرا
اس مدرسے کے لڑکے سب خوش تمیز نکلے

جو قانع ہے کسی میں اسکی قسمت لڑ ہی جاتی ہے
جو اہلِ حرص ہیں اُن پر مصیبت پڑ ہی جاتی ہے

حسینانِ جہاں سے آنکھ اپنی لڑ ہی جاتی ہے
دل آ ہی جاتا ہے آخر مصیبت پڑ ہی جاتی ہے

جوانی میں ہلاکت دل کی ہے اُس کا دبا رکھنا
کہ ایسی چیز دب کر گرمیوں میں سڑ ہی جاتی ہے

گلستاں میں گلِ رنگیں کو زینت کی ضرورت کیا
مگر اس لعل پر الماس شبنم جڑ ہی جاتی ہے

ہے قوم جسم سلطنت اُسمیں ہے مثلِ روح
جب یہ نہیں تو قوم ہیں ملکہ لاحق ہے

سعیِ خیال و فکر سے جنبش ہوئی اگر
باہم مجھے قوم میں جو اتفاق ہے

البتہ زندگانیِ شخصی کا ہے وجود
ناووں میں ہر اک کے لئے ردم باش ہے

پیمانہائے ساحتِ شاہِ وقت پر
محدود طالبیں کی فکرِ معاش ہے

بے علم مذہبی کے ہیں اخلاق نادرست
اُسکی خرابیوں سے تو دل پاش پاش ہے

کچھ خاک میں ملیں گے تو کچھ ہونگے جزوِ غیر
یہ مسئلہ صحیح ہے گو دلخراش ہے

اپنی یہ احتیاط کہ توسے پہ اکتفا
اُس پر بھی یہ عتاب کہ تو بد معاش ہے

اپنے برتاؤ سے گو وہ مجھے ناخوش رکھے
ہے دعا میری یہی اُسکو خدا خوش رکھے

منہ چھپا لیتے ہیں غنچوں سے کہ ہوں گو ناخوش
ہنس کے کہتے ہیں تجھے میری بلا خوش رکھے

واہ کس چال سے غنچوں کو ہنسایا تو نے
لطفِ باری تجھے اے بادِ صبا خوش رکھے

ان بتوں کو نہیں کچھ صدق و صفا سے مطلب
بس خوشامد سے کوئی انکو ذرا خوش رکھے

باغ و صحرا میں بھی بے لطف رہا کرتا ہوں
رنج دے چرخ تو کیا آب و ہوا خوش رکھے

اُس بتِ تند خو سے راحت نہ ملے گی مجھکو
عمر بھر خیر وہ اک بت تو بھلا خوش رکھے

آپ فرماتے ہیں اکبر سے مجھے خوش رکھو
خود جو مسموم ہو وہ اور کو کیا خوش رکھے

مثلِ بلبل زمزموں کا خود یہاں اک رنگ ہے
ارغنوں ہاے انجمن میں خارج از آہنگ ہے

ہر خیال اپنا ہے یہاں اک مطربِ شیریں نوا
ہر نفس سینے میں اک موجِ صدائے چنگ ہے

ہر تصور ہے مرا عکسِ جمالِ روئے دوست
میرا ہر مجموعۂ وہم اک گلِ خوش رنگ ہے

لوحِ دل ہر جنبشِ مژگاں سے ہے معنی پذیر
ہر رگِ اندیشہ نقشِ خامۂ ارژنگ ہے

ہر حبابِ بحرِ جوشِ طبع ہے اک آسماں
دشتِ دل کا ذرہ ذرہ کوہ کا ہمسنگ ہے

عکس تیرا پڑ کے اس میں ہو گیا پاکیزہ تر
اے بتِ کافر مری آنکھوں میں فیضِ گنگ ہے

نظمِ اکبر سے بلاغت سیکھ لیں اربابِ عشق
اصطلاحاتِ جنوں میں بے بہا فرہنگ ہے

داخل ہوئے حرم میں بتوں کو نکال کے
اسلام کو قبول کیا دیکھ بھال کے

اُلجھا نہ مرے آج کا دامن کبھی کل سے
مانگی نہ مرے دل نے مدد طولِ امل سے

اُن کی نگہِ مست ہے لبریز معانی
ملتی ہوئی تاثیر میں حافظ کی غزل سے

ادراک نے آنکھیں شبِ اوہام میں کھولیں
واقف نہ ہوا روشنیِ صبحِ ازل سے

قرآن ہے شاہد کہ خدا حسن سے خوش ہے
کس حسن سے یہ بھی تو سنو حسنِ عمل سے

حکم آیا خموشی کا تو بس حشر تلک چپ
عظمت ترے پیغام کی ظاہر ہے اجل سے

درجہ متحیر کا ہے بے خود سے فروتر
ہے روح کو امید ترقی کی اجل سے

بحثِ کہن و نو میں سمجھتا نہیں اکبر
جو ذرہ ہے موجود ہے وہ روزِ ازل سے

ہو دعویٔ توحید مبارک تمہیں اکبر
ثابت بھی کرو اسکو مگر طرزِ عمل سے

مذہب ہی سے حفاظتِ قومی ہے اے عزیز
نادان ہے تو الجھائے جو جہل سے

اتنا ہی آدمی میں سمجھئے کمالِ فہم
جتنا کہ احتراز کرے وہ فضول سے

جو کام آئے میرے کروں اس طرف کو رُخ
تخصیص ہر رو سے ہے مجھے وحشت ہول سے

ہرگز اس انجمن کو نہ سمجھو ممدِ قوم
خالی ملے جو ذکرِ خدا و رسول سے

نئی تہذیب میں بھی مذہبی تعلیم شامل ہے
مگر یونہیں کہ گویا آبِ زمزم مے میں داخل ہے

کہاں تک داد دوں تیری لطافت کی میں اے اکبر
یہ تیرا اک مطلع لاکھ مضمونوں کا حاصل ہے

دین و ملت کی ترقی کا خیال اچھا ہے
اصل مقصود ہو جس کی وہ مآل اچھا ہے
سنا ہمدرد کے پرزے بھی غضب ڈھاتے ہیں
یہ ملا ہے کہ ولایت ہی کا مال اچھا ہے
گھر کے حالات میں ہے کہ کل ہو گیا جہلم اسکا
بایں لکھتا ہے بیمار کا حال اچھا ہے

طائر رنگ چمن اڑنے کو پر کھولے ہے
آشیاں ایسے گلستاں میں نہ بلبل باندھے
ہو سکے مطلوب جسے زادِ رہِ منزلِ فقر
گرہِ صدق میں وہ نقدِ توکل باندھے
نظر آئے شب تاریک میں جگنو کی چمک
وہ جو تعویذ طلائی نہ کاکل باندھے

کبھی ہے صبح عید اسمیں کبھی شام محرم ہے
یہ عالم چشم بینا کے لئے عبرت کا عالم ہے
دولت ہے کالج اور کونسل سو اسکی ہے فراوانی
عدم ہے (راحت دل اور دولت) وہ بہت کم ہے

تمہاری کاوشوں سے بیشتر خدا کی ہستی میں کلام کرتے
مگر یہ بات آگئی سمجھ میں خطا ہوتا تو ہم نہ ہوتے
یہ حسن ہی سے ہے عشق پیدا یہ عشق ہی سے یہ ہستیاں ہیں
جو یہ نہ ہوتا تو دل نہ ہوتا جو دل نہ ہوتا تو غم نہ ہوتے
تمہارے عشرت تمہارے غمزے نگاہ و ساقی کے ہیں موید
وگرنہ تقوی کے ٹوٹ جانے کے اتنے سامان بہم نہ ہوتے
کہا سکندر نے بہ حسرت جب آگیا اسکا وقت رحلت
کہ سہل تر ہوتی نزع ہم پر جو محو جاہ و حشم نہ ہوتے
بلندیاں ہوتی ہیں مخالف طبیعتوں پر جو میل دل کا
زمیں کے رتبوں میں گر یہ پستے فلک کے جور و ستم نہ سہتے
مذاق فطرت میں بس نہ جاتے جو قامت و گیسوئے حسیناں
یہ راستی سرو میں نہ ہوتی یہ سنبلِ تہ میں خم نہ ہوتے
تری ترقی مرا تنزل تری حقائق مرا تخیل
فلک کی گردش کا علم کیا تھا جو تو نہ ہوتا جو ہم نہ ہوتے

یہ سو جو وہ طریقے راہیئے ملک عدم ہونگے
نئی تہذیب ہوگی اور نئے سامان بہم ہونگے
نئے عنوان سے زینت دکھائینگے حسیں اپنی
نہ ایسا پیچ زلفوں میں نہ گیسو میں یہ خم ہونگے
نہ خاتونوں میں رہجائیگی پردے کی یہ پابندی
نہ گھونگھٹ اسطرح سے حاجب روئے صنم ہونگے
بدل جائیگا انداز طبائع دور گردوں سے
نئی صورت کی خوشیاں اور نئے اسباب غم ہونگے

نہ پیدا ہوگی خطِ نسخ سے شانِ ادب آگیں
نہ نستعلیق حرف اس طور سے زیبِ رقم ہونگے

خبر دیتی ہے تحریکِ ہوا تبدیلِ موسم کی
کھلیں گے اور ہی گل زمزمے بلبل کے کم ہونگے

عقائد پر قیامت آئیگی ترمیمِ ملت سے
نیا کعبہ بنے گا مغربی پتلے صنم ہونگے

بہت ہونگے مغنی نغمۂ تقلیدِ یورپ کے
مگر بے جوڑ ہونگے اس لئے بے تال سم ہونگے

ہماری اصطلاحوں سے زباں نا آشنا ہوگی
لغاتِ مغربی بازار کی بھاکا سے ضم ہونگے

بدل جائیگا معیارِ شرافت چشمِ دنیا میں
زیادہ تھے جو اپنے زعم میں وہ سب سے کم ہونگے

گزشتہ عظمتوں کے تذکرے بھی رہ نہ جائینگے
کتابوں ہی میں دفن افسانۂ جاہ و حشم ہونگے

کسی کو اس تغیر کا نہ حس ہوگا نہ غم ہوگا
ہوئے جس ساز سے پیدا اسی کے زیر و بم ہونگے

تمہیں اس انقلابِ دہر کا کیا غم ہے اے **اکبر**
بہت نزدیک ہیں وہ دن کہ تم ہوگے نہ ہم ہونگے

موت سے وحشت بشر کا اک خیالِ خام ہے
اصلِ فطرت میں فقط آرام ہی آرام ہے

اس تجارت گاہِ دنیا کا کہوں کیا تم سے حال
کارخانے سب خدا کے ہیں ہمارا نام ہے

پیشِ نظر صنم ہے بس عاشقی کا غم ہے
دنیا کی فکر کم ہے اللہ کا کرم ہے

یہ گیسوئے معنبر یہ چشمِ سحر آگیں
کیا پوچھتے ہو صاحب اندھیر ہے ستم ہے

سید کی روشنی کو اللہ رکھے قائم
بتی بہت ہے موٹی روغن بہت ہی کم ہے

کیا خوب پڑھ رہے تھے مصرع مہنت صاحب
بھنڈار تو ہے خالی بھاری مگر بھرم ہے

یہی خوشیاں رنگینیِ دہر ہیں ایسے ہی غم ہونگے
مگر اک وقت آئیگا نہ تم ہوگے نہ ہم ہونگے

امیدیں ٹوٹتی ہیں تو بہت صدمہ پہونچتا ہے
جو امیدیں کریگا کم اُسے صدمے بھی کم ہونگے

اسبابِ انتشار و جنوں مجھ سے چھن گئے
مطلب یہ ہے کہ عشق و جوانی کے دن گئے

جانے کی اُس گلی میں قسم کھائی تھی مگر
مچلا یہ دل کہ بن نہ پڑی مجھ سے بن گئے

انداز قیامت کے ہیں اے جان تمہارے
سو دل ہوں تو سو دل سے ہوں قربان تمہارے

ایمان ہو یا کفر ہو سچ بات تو یہ ہے / اسلام تمہارا ہے مسلمان تمہارے

مصرع طرح پیام یار

اس میں عکس آپ کا اتاریں گے / دل کو اپنے یونہیں سنواریں گے

بحث میں سوسوی نہ ہاریں گے / جان ہاریں گے جی نہ ہاریں گے

آپ ناحق پہ اور ہم حق پر / آپ سے ہم کبھی نہ ہاریں گے

ہم سے کرتی ہے یہ بہت نخرے / ہم بھی دنیا پہ لات ماریں گے

رزق مقسوم ہی ملے گا اسے / کوئی دنیا میں دوڑے یا رینگے

عشق کہتا ہے لطف ہوں گے بڑے / ہجر کہتا ہے جان ماریں گے

لیجئے مان ہے یہی جو خوشی / کیجئے ظلم دم نہ ماریں گے

دل کی افسردگی نہ جائے گی / ہاں وہ جا بیٹھے تو ابھاریں گے

مبتلائے بلا تو ہوں غافل / یہ بھی اللہ کو پکاریں گے

لائے بھی تو خدا کہیں وہ گھڑی / کہتے ہیں تجھ کو خوب ماریں گے

دل نہ دوں گا میں آپ کو ہرگز / مفت میں آپ جان ماریں گے

مطلعِ قوم میں رہا کیا ہے / صرف شیشی ہی اس نکھاریں گے

پند اکبر کو دیں گے کیا ناصح / گل کو کیا باغباں سنواریں گے

ضد ہے انہیں پہ اصرار ماں نہ کریں گے / منہ سے جو نہیں نکلی ہے اب ہاں نہ کرینگے

کیوں زلف کا بوسہ مجھے لینے نہیں دیتے / کہتے ہیں کہ واللہ پریشاں نہ کرینگے

ہے ذہن میں اک بات تمہارے متعلق / خلوت میں جو پوچھو گے تو پنہاں نہ کرینگے

واعظ تو سناتے ہیں مسلماں کو کافر / افسوس یہ کافر کو مسلماں نہ کرینگے

کیوں شکر گزاری کا مجھے شوق ہے اتنا / سنتا ہوں وہ مجھ پہ کوئی احساں نہ کرینگے

دیوانہ نہ سمجھے ہیں وہ سمجھے شرابی
وہ جانتے ہیں غیر مرے گھر میں ہے مہماں ہُ

اب چاک کبھی جیب و گریباں نہ کرینگے
آئیں گے تو مجھ پر کوئی احساں نہ کرینگے

اہلِ غرور و حرص کو کیا علم سے شرف
اُٹھی نگاہ دیر میں لیکن جھکا نہ سر

تا چرخ بھی پہونچ کے وہ شیطان ہی رہے
پیشِ صنم بھی ہم تو مسلمان ہی رہے

بُتِ ستمگر کی کچھ نہ پوچھو حسین بھی ہے ذہین بھی ہے
اگرچہ مغرب سے سازِ دل ہے مرید آہنگ مشرقی ہوں
رعایتِ لعلِ لب سے میں نے کہا اُسے مالکِ بدخشاں
ہمارے جھگڑوں کی کچھ نہ پوچھو تمام دنیا ہے اور ہم ہیں
ہمارا خنجر بھی بدنما ہے اور اُنکی سوئی بھی جو وہ آفت
دعا کو بھی وہ کبھی ہے اُٹھاتا ہے زبانِ صرف حکم

نہیں ہے دل ہی پہ صرف آفت یہاں تو خطرے میں دین بھی ہے
اگر بیا تو ہے انجمن میں محلِ خلوت میں ہیں بھی ہے
تو بولا تیوری چڑھا کے دیکھو جبیں کے قبضہ میں چین بھی ہے
کہ جیب میں زر ہے گھر میں زن ہے خراج پر کچھ زمین بھی ہے
کہ صاف بھی ہے چمک بھی رکھتی ہے گول بھی ہے مہین بھی ہے
خدا کی قدرت کے کارخانے میں ہاتھ بھی ہے مشین بھی ہے

ہے وہم نقشِ ہستی ہر چند دل نشیں ہے
دیکھا نہیں کسی نے اُس یارِ نازنیں کو
رو جائیت کے بدلے آنکھوں میں خاک ہو اب
تصدیق سے قریں ہو کیونکر ترا تصوّر

دیکھو اسے تو سب کچھ سوچو تو کچھ نہیں ہے
لیکن سنا یہی ہے بے انتہا حسیں ہے
اُسمیں وہی تو ہی تھا اسمیں کہاں ہمیں ہے
اک لفظ بے صدا ہے اک نقش بے نگیں ہے

کھڑے ہیں یار ششدر حیرت و عبرت کا مضمون ہے

نہ جنگل ہے نہ فاقہ ہے نہ لیلا ہے نہ مجنوں ہے

وہ رنگِ بزمِ اکبر اب کہاں بہتر ہے اُٹھ جاؤ
یہی بس ایک تدبیرِ سکونِ جانِ محزوں ہے

فتنہ اُٹھے کوئی یا گھات میں دشمن بیٹھے
کیوں نہ اس سے مرا دل اے بتِ بدظن بیٹھے
بزم میں وہ جو دبا کر مرا دامن بیٹھے
شیخ کعبہ میں کلیسا میں برہمن بیٹھے

کارِ الفت پہ تو اب حضرتِ دل ٹھن بیٹھے
ہم کھڑے بھی نہ رہیں بزم میں دشمن بیٹھے
اُٹھ گئے رشک سے پھر پاس نہ دشمن بیٹھے
ہم تو کوچے میں ترے مار کے آسن بیٹھے

شوخیاں شوق سے کر مجھکو بھی لطف آتا ہے
سچ کہا تو نے کہ بیجا مرا دشمن بیٹھے

سوئے دولت نظر آئی یہ جو راہ اعزاز
مسند صبر و توکل ہی پہ ہم تن بیٹھے

نظر اُٹھی تو اُٹھائے گئے نظروں سے گرے
غلطی کی ترے پاس اے بت پرفن بیٹھے

ہوں میں وہ رند اگر حشر میں ملزم ٹھہروں
فیصلے کے لئے حوروں کا کمیشن بیٹھے

انقلاب روش چرخ کو دیکھ اے اکبر
کل جو تھے دوست مرے آج عدو بن بیٹھے

حسد سے آپ کو ہجرت ہو مبارک اکبر
ہم تو گنگا ہی پہ اس پار کے آسن بیٹھے

کیا ملا عرض آں و ایں کر کے
چلدیئے وہ چناں چنیں کر کے

فائدہ کیا کہ پھر کہوں اُن سے
کر چکے ہاں وہ اب نہیں کر کے

فتنے مسجد میں اُٹھتے ہیں اکبر
دیر میں بیٹھ ترک دیں کر کے

وہ ہوا نہ رہی وہ چمن نہ رہا وہ گلی نہ رہی وہ حسیں نہ رہے
وہ فلک نہ رہا وہ سماں نہ رہا وہ مکاں نہ رہے وہ مکیں نہ رہے

وہ گلوں میں گلوں کی سی بو نہ رہی وہ عزیزوں میں لطف کی خو نہ رہی
وہ حسینوں میں رنگ وفا نہ رہا کہیں اور کی کیا وہ ہمیں نہ رہے

نہ وہ آن رہی نہ امنگ رہی نہ وہ رندی و زہد کی جنگ رہی
سوئے قبلہ نگاہوں کے رخ نہ رہے اور در پہ نقش جبیں نہ رہے

نہ وہ جام رہے نہ وہ مست رہے نہ فدائی عہد الست رہے
وہ طریقۂ کار جہاں نہ رہا وہ مشاغل روح فزا نہ رہے

ہمیں لاکھ زمانہ لبھائے تو کیا نئے رنگ جو چرخ دکھائے تو کیا
یہ محال ہے اہل وفا کیلئے غم ملت و الفت دیں نہ رہے

تمہیں کچھ زلف میں دل ہے مرا لئے میں سمجھتا ہوں شام بلا
یہ عجیب ستم ہے عجیب جفا کہ یہاں نہ رہے تو کہیں نہ رہے

یہ تمہارے ہی دم سے ہے بزم طرب ابھی جاؤ نہ تم نہ کرو یہ غضب
کوئی بیٹھ کے لطف اُٹھائیگا کیا کہ جو رونق بزم تمہیں نہ رہے

جو تھیں چشم فلک کی بھی نور نظر وہی جن پہ نثار تھے شمس و قمر
سو اب ایسی مٹی ہیں وہ انجمنیں کہ نشان بھی انکے کہیں نہ رہے

وہی صورتیں رہ گئیں پیش نظر جو زمانہ کو پھیریں ادھر سے اُدھر
مگر ایسے جمال جہاں آرا جو تھے رونق روئے زمیں نہ رہے

غم و رنج میں اکبر اگر ہے گھرا تو سمجھ لے کہ رنج کو بھی ہے فنا
کسی شے کو نہیں ہے جہاں میں بقا وہ زیادہ ملول و حزیں نہ رہے

پراگندہ بہت ہے دل مرا دنیا کے دھندوں سے[1]
چھڑا دے مجھکو یارب نوکری کے سخت پھندوں سے

غلامانہ طریقوں پر مجھے مجبور کرتے ہیں
خدایا بے نیازی دے مجھے ان خود پسندوں سے

کباب آیا تو کیا جب دل ہوا جل کر کباب اپنا
مجھے نانِ جویں بہتر ہے بس ایسے پسندوں سے

یہ خواہش ہے کہ ذکرِ حق سے دل تازہ رہے ہر دم
خداوندا ملا دے مجھکو اپنے نیک بندوں سے

مسلمانوں کی خوشحالی کی بیشک دھن ہے سید کو
مگر یہ کام نکلیگا نہ لکچر سے نہ چندوں سے

درستی تختِ عزت کی کہاں کیل کانٹوں میں
توقع شہسواری کی نہ رکھو نعل بندوں سے

کجا وہ گیسوے مشکیں کجا یہ ڈھیلی اینچیں
دلِ وحشی **اکبر** پھنس چکا ایسی کمندوں سے

ترچھی نظر سے کیجیئے عشاق کا شکار
کیا احتیاج آپ کو تیر و کماں کی ہے

ڈپٹی فرزند نہ کہیئے جناب من تو ہے
حضور مجھ سے کوئی صورتِ سخن تو ہے

جو زر نہیں ہے نہ ہو دولتِ سخن تو ہے
نہیں جو بنگ تو کیا غم سے کہن تو ہے

رسائی اپنی ہے اُن تک نہیں ہے غیر کو دخل
پھر اپنا اپنا طریقہ تو ہے چلن تو ہے

سینے سے لگائیں تمہیں ارماں یہی ہے
جینے کا مزا ہے تو مری جان یہی ہے

صبر اسلئے اچھا ہے کہ آیندہ ہے امید
موت اسلئے بہتر ہے کہ آسان یہی ہے

تو دل میں تو آتا ہے سمجھ میں نہیں آتا
بس جان گیا میں تری پہچان یہی ہے

گیسو کے شریک اور بھی تھے قتل میں میرے
کیا وجہ ہے اس کی کہ پریشاں یہی ہے

دل تیری محبت میں دو عالم کو بھلا دے
مذہب ہے یہی اور مرا ایماں یہی ہے

اُس بُت نے کہا بوسہ بے اذن پہ ہنسکر
بس دیکھ لیا آپ کا ایمان یہی ہے

کرتے ہیں بتدریج وہ ظلموں میں اضافہ
مجھ پر اگر انکا ہے کچھ احسان یہی ہے

ہم فلسفہ کو کہتے ہیں گمراہی کا باعث
وہ پیٹ دکھاتے ہیں کہ شیطان یہی ہے

اکبر کو دعا دیتے ہیں احباب یہ کہکر
اب اپنی جماعت میں مسلمان یہی ہے

[1] یعنی دُنیا کے دھندے

سد ہارہیں شیخ کعبہ کو ہم گلستاں دیکھیں گے
وہ دیکھیں گھر خدا کا ہم خدا کی شان دیکھیں گے

حوالوں کو ادا ابرو تمہیں سے اعتدالی کی
بڑھاپے میں نتیجے اسکے یہ نادان دیکھیں گے

حسینانِ عدو سے اتفاقاً سامنا ہوگا
میں دیکھوں گا انھیں اور وہ مرا ایماں دیکھیں گے

تری دیوانگی پر رحم آتا ہے ہمیں اکبر
کوئی دن بھی وہ ہوگا ہم تجھے انساں دیکھیں گے

عقل بے لکان ہے دل بے جان ہے
لیجیے سب آپ پر قربان ہے

ہوئے مذہب دمِ آخر کھلی
شرع میں مونس فقط ایمان ہے

مل کے یاروں سے ہوا شوقِ گناہ
آدمی کا آدمی شیطان ہے

کیا مجھے گنتے ہو رندوں میں شمار
سانس لیتا ہوں یہ اتنی جان ہے

خود بنا ہے کیا وہ بت اتنا حسیں
لطفِ فطرت ہے خدا کی شان ہے

سعیِ بازو سے کرے جو کسبِ رزق
بس وہی اللہ کا مہمان ہے

لطفِ ساقی سے نہ چھلکے جامِ دل
ظرفِ عالی کی یہی پہچان ہے

دل جسے سمجھا ہے سامانِ وقار
غور سے دیکھو تو اک طوفان ہے

یہ تو فی ہے تعجب موت پر
عقل تو جیسی ہی پر حیران ہے

ق

عالمِ ہستی پہ حیرت ہے مجھے
کس لئے آخر یہ سب سامان ہے

یا معصیت امرِ معنی خیز ہے
یا یہ سب کچھ ہو بہت نادان ہے

اسکی نادانی ٹھہرائے گا کون
ذرہ ذرہ عاقلی کی جان ہے

پھر اٹھی ہے آپ کی تیغِ ستم
مجھ میں کیا باقی ابھی کچھ جان ہے

حکم خاموشی ہے اور میری زباں
آپ کی باتیں ہیں میرا کان ہے

لطف تھا جسے تمہارے کا میں وہ نہ رہے
جسسے رونق تھی مکانوں کی مکیں وہ نہ رہے

میں جو روتا ہوں کہ افسوس زمانہ بدلا
مجھ پہ ہنستا ہے زمانہ کہ تمہیں وہ نہ رہے

طلب ہو صبر کی اور دل میں آرزو آئے
غضب ہے دوست کی خواہش ہو اور عدو آئے

بہار میں بھی نہ راحت ملے جو فرقت ہو
صبا سے بھی گلِ داغِ جگر کی بو آئے

بتوں کے ظلم کو کردوں میں ہر طرح ثابت
مگر خدا نہ کرے ایسی گفتگو آئے

کیا ہے نشۂ الفت نے مائلِ گریہ
شراب پینے کو آخر کنارِ جو آئے

تم اپنا رنگ بدلتے رہو فلک کی طرح
کسی کی آنکھ میں اشک آئے یا لہو آئے

تری جدائی سے ہے روح پر طلسمِ حواس
میں اپنے آپ میں پھر کیوں رہوں جو تو آئے

ریا کا رنگ نہ ہو مستند ہیں وہ اعمال
کلام پختہ ہے جب دردِ دل کی بو آئے

لبوں کا بوسہ جسے مل گیا ہو وہ جانے
قدم تو اس بتِ بیدیں کے ہم بھی چھو آئے

کھلی جو آنکھ جوانی میں عشق آ پہونچا
جو گرمیوں میں کھلیں در تو کیوں نہ لو آئے

وہ مے نصیب کہاں ان ہوس پرستوں کو
کہ ہو قدم کو نہ لغزش نہ منہ سے بو آئے

بہت دن محتسب کے ہاتھ سے مے کے سبو ٹوٹے
شکایت کیا اگر دستِ سبو سے اب وضو ٹوٹے

کچھ ایسا بڑھ گیا ہے حسنِ لطفِ ساقیِ دوراں
ہزاروں شیشۂ تقویٰ پڑے ہیں چار سو ٹوٹے

شکستِ بیتِ طوفِ حرم تجھ سے ہوئی اے دل
سفر ہے اس بتِ ظالم کے ہاتھوں سے جو تو ٹوٹے

ہوتا ہے فتح یورپین نان پاؤ سے
میں خوش ہوں ایشیا کے خیالی پلاؤ سے

تنہا وہ رہ گئے تھے تو میں خود نہ بیٹھتا
ناحق ہے مجھے ذلیل کیا جاؤ جاؤ سے

ایمان بیچنے پہ ہیں اب سب تلے ہوئے
لیکن خرید ہو جو علی گڑھ کے بھاؤ سے

بے نالہ و فریاد و فغاں رہ نہیں سکتے
قہر اس پہ یہ ہے اسکا سبب کہہ نہیں سکتے

موجیں ہیں طبیعت میں مگر اٹھ نہیں سکتیں
دریا ہیں مرے دل میں مگر بہہ نہیں سکتے

پتوار شکستہ ہے نہیں طاقتِ ترمیم
ہے ناؤ میں سوراخ مگر گہ نہیں سکتے

کہدوگے کہ ہے تجربہ اس بات کے برعکس
کیونکر یہ کہیں ظلم و ستم سہ نہیں سکتے

عزت کبھی وہ تھی کہ بھلائے سے نہ بھولے
تحقیر اب ایسی ہے جسے سہ نہیں سکتے

ہم نے یہ نکتہ سنا اک مردِ حق آگاہ سے
پھر گیا اُس سے زمانہ جو پھرا اللہ سے

ضعفِ مذہب ہو گیا ہے باعثِ طولِ سخن
گفتگو عامی سے ہو یا بحث ہو ذیجاہ سے

ایک لکچر کی ضرورت ہوتی ہے ہر بات پر
کام مطلق اب نہیں چلتا معاذ اللہ سے

آپ فرماتے ہیں تجھ سے مجھکو الفت ہے بہت
اور ثابت کرتے ہیں اسکو تاللہ واللہ سے

ان بتانِ بیوفا کے حسن کا دلدادہ ہے
فکر ہے اکبر کی رنگیں دل نہایت سادہ ہے

رقص پروانے کا گردِ شمع دیکھیں اہلِ ذوق
کس خوشی سے جاں دینے کے لئے آمادہ ہے

مائلِ خالق مجھے کرتی ہے یاں رفتارِ خلق
چشمِ بینا کے لئے ہر نقشِ پا سجادہ ہے

کہاں تسکینِ خاطر نالۂ جانکاہ کرنے سے
بھڑکتی آتشِ دل اور بھی ہے آہ کرنے سے

یہ دورِ آسماں حصرِ طبیعت ہو نہیں سکتا
خدارا اے خرد باز آ مجھے گمراہ کرنے سے

وہ کون ایسی نظر ہے جو نہ ہو محو ایسی صورت پر
وہ کون ایسی زباں ہے رک سکے جو واہ کرنے سے

مصیبت سخت تھی لیکن زمانہ دیکھکر دل نے
کہا کیا فائدہ احباب کو آگاہ کرنے سے

بتوں کے سامنے کیا مذہبی بہانہ چلے
چلیں گے ہم بھی اُسی طرح جو زمانہ چلے

میں جانتا ہوں نہ چھوڑینگے آپ چال اپنی
کسی کا کام چلے اے حضور یا نہ چلے

خدا کے واسطے ساقی یہی نگاہِ کرم
چلا ہے دور تو پھر کیوں رکے چلا نہ چلے

کھلا ہے باغِ قناعت میں غنچۂ خاطر
خدا بچائے کہیں حرص کی ہوا نہ چلے

نصیب ہو نہ سکی دولتِ قدمبوسی
ادب سے تھام کے حضرت کا آستانہ چلے

فروغِ عشق کا بے آہ کے نہیں ممکن
نہ پھیلے بوئے گلستاں اگر ہوا نہ چلے

کھلے کواڑ جو کمرے کے پھر کسیکو کیا
یہ حکم بھی تو ہوا ہے کہ راستہ نہ چلے

امیدِ حور میں مسلم تو ہو گیا ہوں مگر
خدا ہی ہے کہ جو مجھ سے یہ بچکانہ چلے

خودی کی حس سے بھی ہوتا ہے انتشار اکبر
کہاں رہوں کہ مجھے بھی مرا پتا نہ چلے

حضور اوروں کے خوش کرنے کی فکر البتہ فرمائیں
خوشی سے ماسوا پر آپ قبضہ کیجئے اپنا

ہماری کیا ہے شاعر کے لئے اک واہ کافی ہے
مری تسکینِ دل کیواسطے اللہ کافی ہے

نہایت ناپسند انکو ہے یادِ مرگ اے اکبر
مگر اُسکے بھلا دینے کو حبِ جاہ کافی ہے

وصفِ قدِ یار میں مصروف میرا خامہ ہے
میری جو تحریر ہے وہ اک قیامت نامہ ہے

میرے دل کو وہ بتِ دلخواہ جو چاہے کرے
اب تو دے ڈالا اُسے اللہ جو چاہے کرے

حضرتِ اکبر سا ضابط اور یہ بیتابیاں
آپ کی ترچھی نظر واللہ جو چاہے کرے

منزلِ صدق و صفا ہے ہر طرح خطروں سے پاک
نیکبختوں میں سے طے یہ راہ جو چاہے کرے

قاضی و مفتی ہیں غرقِ بادۂ مستی و کبر
قوم کا ضعف اور حبِ جاہ جو چاہے کرے

شیخ کی منطق ہو یا چشمِ فسوں سازِ بتاں
سیدھا سادا ہوں مجھے گمراہ جو چاہے کرے

دیکھ کر پوچھی برہمن کہتے ہیں اس عہد میں
شادی تو آسان نہیں ہاں بیاہ جو چاہے کرے

خرچ کی تفصیل پوچھوں گا نہ مانگوں گا حساب
لیلے وہ بتِ کُل مری تنخواہ جو چاہے کرے

اچھے اچھے پھنس گئے ہیں نوکری کے جال میں
سچ یہ ہے افزونیٔ تنخواہ جو چاہے کرے

با اثر ہونا تو ہے موقوف دل کے رنگ پر
جو قفس میں یوں آکے اکبر آہ جو چاہے کرے

جھکتا نہیں بندہ کسی بدخواہ کے آگے
منطق بھی ہے قانونِ شہادت بھی خرد بھی

کیا غم ہے توکلت علی اللہ کے آگے
سب ہیچ مگر آپ کے واللہ کے آگے

آئی نظر کا آخر کیا کر لیا کسی نے
بس رہ گئے یہ کہکر مارا ہمیں اسی نے

چمکے ہیں بزمِ جم میں اب گیسوے طلائی
سکہ نیا بٹھایا گردوں کی پالسی نے

کیا حالِ دل سنائیں کیا سر قدم پہ رکھیں
مایوس کر دیا ہے اُس بت کی بےحسی نے

جلوہ ہے آسماں پر ابر و شفق کا گویا
اچھا سماں دکھایا لب پر تری مسی نے

وہ جو سب سمجھتے ہیں یہ کیوں مجھکو حبشی ہے
یہ بھی اک ادا ہے جو یہ بیگانہ وحشی سے ہے

انکارِ دوا سالم سے کیا ہے سبب مجھے بیمار
سنتا ہوں علاج اسکا فقط بادہ کشی ہے

معشوقہ بھی رخصت ہوئی ساقی بھی سدھارا
دولت سبھی پاس تو اب ہی[۱] ہے یہ شئی[۲] ہے

میں کونسا منہ لے کے انھیں شکل دکھاؤں
گورے کو کہا جب یہ کہ گورا حبشی ہے

ادھر ہے جادۂ مضموں ادھر حسنِ قوافی ہے
یہی اک شغل میرے دل کے بہلانیکو کافی ہے

جناب شیخ ہی کو فکرِ استادِ معانی ہے
ہماری طبع کو موزوں کو زمیں شعر کافی ہے

تیری زلفوں میں کافری ہے
تیری آنکھوں میں ساحری ہے

اللہ رے مصائب شب ہجر
گویا ہر سانس آخری[۳] ہے

کیسے لگے اُن کے نظم میری
دقیانوسی یہ شاعری ہے

اٹھ گیا دنیا سے دل عزلت گزینی کے لئے
یاد تیری مل گئی ہے ہمنشینی کے لئے

مطیع و تابعِ فرماں کو عذر ہی کیا ہے
کھلے تو حال کہ مرضی حضور کی کیا ہے

جنابِ شیخ کو ہے میرے حال پر افسوس
کہو کہ اس سے بھی ہوگا سوا ابھی کیا ہے

صدائے صور کی ہے ابتدا زمانے میں
بڑھے گی اسکی بتدریج لے ابھی کیا ہے

وہ عشق کیا جو نہ ہو ہادیٔ طریقِ کمال
جو عقل کو نہ بڑھائے وہ شاعری کیا ہے

ہر ایک کو ہے زمانے میں زندگی مقصود
کسے خبر ہے کہ مقصودِ زندگی کیا ہے

بتوں کو دیتے ہیں ہم جان دل لگی کے لئے
مگر یہ جان گنواتا ہے دل لگی کیا ہے

مرید لوگ بھی اب اعتنا نہیں کرتے
جو دیکھتے ہیں تو کہتے ہیں شیخ جی کیا ہے

جو تیرے محو ہیں انکو بتوں سے کیا مطلب
وہ حور کی نہیں سنتے تو پھر پری کیا ہے

اس انقلاب کو حیرت سے دیکھتا ہوں میں
زمانہ کہتا ہے دیکھا کرو ابھی کیا ہے

گلِ تر کو بھلا اس عارضِ رنگیں سے کیا نسبت
کہ اسپر اوس پڑتی ہے یہاں عرقی جھلکتی ہے

تمہارے کان کی بجلی جھلک سے قرصِ عارض میں
یہی وہ برق ہے سورج کے پہلو میں چمکتی ہے

۱؎ ضمیر مذکر غائب ۲؎ ضمیر مونث غائب ۳؎ یہ لفظ آخر میں بے ضرورت قافیہ کے لئے ذون کر لیا گیا ہے جیسے زمیں سے زمی

اپنے پہلو سے وہ غیروں کو اُٹھا ہی نہ سکے
اُن کو ہم قصۂ غم اپنا سنا ہی نہ سکے

ذہن میرا وہ قیامت کہ دو عالم پہ محیط
آپ ایسے کہ مرے ذہن میں آ ہی نہ سکے

دیکھ لیتے جو اُنھیں تو مجھے رکھتے معذور
شیخ صاحب مگر اُس بزم میں جا ہی نہ سکے

عقل مہنگی ہے بہت عشق خلافِ تہذیب
دل کو اس عہد میں ہم کام میں لا ہی نہ سکے

ہم تو خود چاہتے تھے چین سے بیٹھیں کوئی دم
آپ کی یاد مگر دل سے بھلا ہی نہ سکے

عشقِ کامل ہے اُسی کا کہ پتنگوں کی طرح
تابِ نظارۂ معشوق کی لا ہی نہ سکے

دامِ ہستی کی بھی ترکیب عجب رکھی ہے
جو پھنسے اسمیں وہ پھر جان بچا ہی نہ سکے

مظہرِ جلوۂ جاناں ہے ہر اک شے اکبر
بے ادب آنکھ کسی سمت اُٹھا ہی نہ سکے

ایسی منطق سے تو دیوانگی بہتر اکبر
کہ جو خالق کی طرف دل کو جھکا ہی نہ سکے

جو زاہدوں کی طرف سے تیری نگاہِ قتال پھری نہیں ہے
تو کیا سبب ہے ہنوز انکی بنائے تقویٰ گری نہیں ہے

اگرچہ عاشق بتوں کا ہوں میں نظر خدا سے پھری نہیں ہے
جو آنکھ رکھتے ہیں جانتے ہیں کہ عاشقی کافری نہیں ہے

جمالِ دلکش کا محو ہونا نہیں ہے ہرگز خلاف طاعت
خدا کی قدرت کی قدر کرنا ثواب ہے کافری نہیں ہے

بس اک اشارے میں لے گئی تو دلوں سے ایمان و صبر و تقویٰ
بتا تو اے چشمِ مست کافر یہ کیا ہے گر ساحری نہیں ہے

ہماری دولتِ ایماں بتِ کافر نے لوٹی ہے
اُمید عیش پر خوش تھے مگر اب وہ بھی لوٹی ہے

مری تقریر طبعِ یار کو بے چین کرتی ہے
سبب کیا ہے وہی کہتا ہوں جو دل پر گذرتی ہے

ٹھہرتا ہی نہ ہو جو دل وہ ہے انمول دُنیا میں
یہ کیا پوچھا کہ تیرے دل کی کیا قیمت ٹھہرتی ہے

سلیقہ عاشقی کا دل میں پیدا کرتی ہے فطرت
خدا جانے عنایت کرتی ہے یا ظلم کرتی ہے

یقیں میں قوتِ تدبیرِ بُت پرستی ہے
غرورِ رفعتِ دُنیا نظر کی پستی ہے

حدیثِ زلف و کمر معرفت کی غزلوں میں
خدا کے عشق میں بھی لطفِ بُت پرستی ہے

مسلمانوں کو لطف و عیش سے جینے نہیں دیتے
خدا دیتا ہے کھانا شیخ جی پینے نہیں دیتے

شیخ جی اپنی سی بکتے ہی رہے
وہ تھیئٹر میں تھرکتے ہی رہے

دف بجایا ہی کئے مضموں نگار
وہ کمیٹی میں تھرکتے ہی رہے

سرکشوں نے طاعت حق چھوڑ دی
اہل سجدہ سر پٹکتے ہی رہے

گائیں سبزہ پا گئیں کر کے کلیل
اونٹ کانٹوں پر لٹکتے ہی رہے

جو غبارے تھے وہ آخر گر گئے
جو ستارے تھے چمکتے ہی رہے

مرے اجداد بھی ڈرتے تھے اکبر میں بھی ڈرتا ہوں
مگر انکو گناہوں سے تھا ڈر اور مجھکو مرنے سے

مثال اللہ کا اس راہ میں دیتا نہیں واعظ
بجا ہے بہت مسلم جو رکتی ہے ابھرنے سے

سعادت کا جو طالب ہے کھلا رکھ چشم عبرت کو
اثر دکھلائیگا یہ نقش ہستی آہ بھرنے سے

سرائے دہر کو جس نے محل خوف سمجھا ہے
اسے کیا لطف آئیگا یہاں دل کے ٹھہرنے سے

خدا کے نام میں لذت نہ پائی اہل غفلت نے
تعجب اسمیں کیا دل مر گیا دنیا پہ مرنے سے

خدا کے خوف کو کچھ تو جگہ دے دل میں اے اکبر
بتوں کی کافری بڑھتی ہے تیری واہ کرنے سے

اگر ملنا نہیں منظور آنکھیں کیوں ملاتے ہو
یہ تڑپانے سے حاصل فائدہ بیچین کرنے سے

نہ رہنے دیگا مجھکو جوش دل اب دسترس ہر گز
قیامت ہو گیا ہے آپکا سینہ ابھرنے سے

حیا کی چھپ آمد شرم سے جھک سکتی ہیں آنکھیں
مگر سینے کا فتنہ رک نہیں سکتا ابھرنے سے

اور بھی دور فلک ہیں ابھی آنے والے
ناز اتنا نہ کریں ہم کو مٹانے والے

سیکڑوں دور جنوں ہیں ابھی آنے والے
مطمئن کیا ہیں مجھے ہوش میں لانے والے

اٹھتے جاتے ہیں اب اس بزم سے ارباب تفکر
گھٹتے جاتے ہیں مرے دل کے بڑھانے والے

خاتمہ عیش کا حسرت ہی پہ ہوتے دیکھا
رو ہی کے اٹھے ہیں اس بزم سے گانے والے

حد ادراک میں داخل نہ ہوا اسرار ازل
کچھ سمجھ ہی نہ سکے ہوش میں آنے والے

سوق معنی میں گم ہو گئے الفاظ کے بل
کچھ خبر ہے تجھے اے بات بنانے والے

آپ اندھیرے میں ہیں بجلی سے مدد لیتے ہیں
چاند سورج ہیں ہمیں راہ دکھانے والے

بارِ احساں جسے کہتے ہیں وہ ہے کوہِ جفا
کاش نادم ہوں یہ احسان جتانے والے

آپ منکر ہیں غلامی بھی نہیں ملتی ہے
سلطنت کر گئے عقبیٰ سے ڈرانے والے

قدمِ شوق بڑھے اسکی طرف کیا اکبر
دل سے ملتے نہیں یہ ہاتھ ملانے والے

رہ گئے ہم ہاتھ ہی ملتے ہوئے
دل ہمارا لے کے وہ چلتے ہوئے

کیوں نہ ہوتا دیپ کالج بے ثمر
کس نے دیکھا بید کو پھلتے ہوئے

سب میں وحشت ہے زمانے کے بدل جانے سے
دل اب اپنے سے نہ ملتا ہے نہ بیگانے سے

رحم کر قوم کی حالت پہ تو اے ذکرِ خدا
بے ادب ہو گئی مجلس ترے اٹھ جانے سے

جب ہمیں وہ نہ رہے پھر یہ بدلنا کیسا
یہ کہو مٹ گئے دنیا کے بدل جانے سے

نقصِ تعلیم سے اب اسکی سمجھ ہی نہ رہی
دل تو بڑھ جاتا تھا اجداد کے افسانے سے

شیخ مرحوم کا قول اب مجھے یاد آتا ہے
دل بدل جائینگے تعلیم بدل جانے سے

حکم اکبر کو ہوا ہے کہ کرو ترکِ سخن
خواجہ حافظ بھی نکالے گئے میخانے سے

دم لبوں پر تھا دلِ زار کے گھبرانے سے
آ گئی جان میں جان آپ کے آ جانے سے

تیرا کوچہ نہ چھٹے گا ترے دیوانے سے
اسکو کعبے سے نہ مطلب ہے نہ بتخانے سے

بچ گیا ہوں کوے حسیناں کی ہوا کھانے سے
فائدہ کیا ہے دبی آگ کے بھڑکانے سے

رقص کرتی ہے صبا گرم نوا ہے بلبل
کشتہ اس ناچ کا ہوں مست ہوں اس گانے سے

جو کہا میں نے کرو کچھ مرے رونے کا خیال
ہنس کے بولے مجھے فرصت ہی نہیں گانے سے

جان بلب دیکھ کے سینے سے لگایا اُس نے
گھٹ گئی شرم مرے شوق کے بڑھ جانے سے

خیر چپ رہئے مزا ہی نہ ملا بوسے کا
میں بھی بے لطف ہوا آپ کے جھنجھلانے سے

خوش کرے کیا مجھے غنچوں کا شگفتہ ہونا
رنج ہوتا ہے بہت پھولوں کے کھلانے سے

اپنے دل ہی کی رفاقت میں بسر کی میں نے
شکر اللہ کا ہے بچ گئی دیوانے سے

شیخ نافہم ہیں کرتے جو نہیں قدر اس کی
دل فرشتوں کے ملے ہیں ترے دیوانے سے

مضطرب عشقِ بتاں میں ہوں عبث میں اتنا
رام ہو جائینگے کیا وہ مرے گھبرانے سے

میہماں چرخِ ستمگر کا کیا قسمت نے
کوئی چارہ نہیں اب سوائے جگر کھانے سے

خوانِ الوانِ جہاں پر یہ ہوا ہم کو یقیں
حفظِ ایماں ہے فقط خونِ جگر کھانے سے

میں جو کہتا ہوں کہ مرتا ہوں تو فرماتے ہیں
کارِ دنیا نہ رکے گا ترے مر جانے سے

رونقِ عشق بڑھا دیتی ہے میتا بہر دل
حسن کی شان فزوں ہوتی ہے شرمانے سے

دلِ صد چاک سے کھل جائینگے ہستی کے یہ پیچ
بل نکل جائینگے اس زلف کے اس شانے سے

کون ہمدرد کسی کا ہے جہاں میں اکبر
ایک ابھرتا ہے یہاں ایک کے مٹ جانے سے

صفحۂ دہر پہ ہیں نقشِ مخالف اکبر
ایک ابھرتا ہے یہاں ایک کے مٹ جانے سے

کل تک محبتوں کے چمن سے تھے کھلے ہوئے
دو دل بھی آج مل نہیں سکتے ملے ہوئے

اچھے وہی ہیں آج جو سوتے ہیں زیرِ گل
افسوس ہے کہ آتیں کے ہزاروں گلے ہوئے

آنکھیں دکھا رہی ہیں کہ ہے دل میں برہمی[1]
عارض اگرچہ گل کی طرح ہیں کھلے ہوئے

آنکھیں مجھے تلووں سے وہ ملنے نہیں دیتے
ارمان مرے دل کا نکلنے نہیں دیتے

خاطر سے تری یاد کو ٹلنے نہیں دیتے
سچ ہے کہ ہمیں دل کو سنبھلنے نہیں دیتے

کس ناز سے کہتے ہیں وہ جھنجھلا کے شبِ وصل
تم تو ہمیں کروٹ بھی بدلنے نہیں دیتے

پروانوں نے فانوس کو دیکھا تو یہ بولے
کیوں ہم کو جلاتے ہو کہ جلنے نہیں دیتے

حیراں ہوں کس طرح کروں عرضِ تمنا
دشمن کو تو پہلے سے وہ ٹلنے نہیں دیتے

دل وہ ہے کہ فریاد سے لبریز ہے ہر وقت
ہم وہ ہیں کہ کچھ منہ سے نکلنے نہیں دیتے

گرمیٔ محبت میں وہ ہیں آہ کے مانع
پنکھا نفسِ سرد کا جھلنے نہیں دیتے

---

[1] [illegible]

دورِ دوم

غمزہ نہیں ہوتا کہ اشارا نہیں ہوتا
آنکھ ان سے جو ملتی ہے تو کیا کیا نہیں ہوتا

جلوہ نہ ہو معنی کا تو صورت کا اثر کیا
بلبل گلِ تصویر کا شیدا نہیں ہوتا

اللہ بچائے مرضِ عشق سے دل کو
سنتے ہیں کہ یہ عارضہ اچھا نہیں ہوتا

تشبیہ ترے چہرے کو کیا دوں گلِ تر سے
ہوتا ہے شگفتہ مگر اتنا نہیں ہوتا

میں نزع میں ہوں آئیں تو احسان ہے ان کا
لیکن یہ سمجھ لیں کہ تماشا نہیں ہوتا

ہم آہ بھی کرتے ہیں تو ہو جاتے ہیں بدنام
وہ قتل بھی کرتے ہیں تو چرچا نہیں ہوتا

نہاں ہے مثلِ بوئے گل جو رنگ اُس روئے زیبا کا
مری یہ چشمِ تماشا چشمہ ہے خونِ تمنا کا

سیہ بختی کے پڑتے ہیں جو ہم پر پیچ غربت میں
تو یاد آتا ہے بل کھانا کسی زلفِ چلیپا کا

ہلا ہے امتحانِ ضبط پر مائل بتِ کافر
خدا حافظ دلِ بے صبر و جانِ ناشکیبا کا

بڑھا کر آرزو اتنا گھٹایا عشق نے مجھ کو
کہ کانٹا رہ گیا ہیں اپنے گلزارِ تمنا کا

نہ ہو چشمِ تمنا کس طرح محوِ رخِ روشن
رخِ روشن تمہارا نور ہے چشمِ تمنا کا

مری آنکھوں سے ہے کیفیتِ مستی دل پیدا
لبِ ساغر سے افشا ہو رہا ہے رازِ مینا کا

کمالِ یاس حاصل ہو گیا آخر مجھے اکبر
بہت روزوں سے دل کو شغل تھا مشقِ تمنا کا

غمِ فراق کا صدمہ اٹھا نہیں سکتا
اب اپنی جان میں اے جاں بچا نہیں سکتا

کسی کو رنگِ محبت دکھا نہیں سکتا
جو دل میں ہے وہ زباں پر میں لا نہیں سکتا

حیائے حسن انھیں ہے حجابِ عشق مجھے
غرض وہ آ نہیں سکتے میں جا نہیں سکتا

یہ کیسے اٹھ گئے ہنگامہ مرے مجھ سے رفیق — یہ راہ وہ ہے کوئی ساتھ جا نہیں سکتا
لگا لے سینے سے یا قتل کر مجھے ظالم — ترے قدم سے میں اب سر اٹھا نہیں سکتا
تمہیں ملو تو ملو ورنہ اور سے کیا کام — میں اپنے دل کو کہیں اب لگا نہیں سکتا
مگر لگائے ہیں دل پر ہر اک طرف سے حسین — کسی طرح سے میں پہلو بچا نہیں سکتا

گذر چکا ہے مرا کام صبط سے اکبر
میں راز عشق اب اپنا چھپا نہیں سکتا

تم نے بیمار محبت کو ابھی کیا دیکھا — جو یہ کہتے ہوئے جاتے ہو کہ دیکھا دیکھا
طفل دل کو مرے کیا جانے لگی کس کی نظر — میں نے کمبخت کو دو دن بھی نہ اچھا دیکھا
لے گیا تھا طرف گور غریباں دل زار — کیا کہیں تم سے جو کچھ واں کا تماشا دیکھا
وہ جو تھے رونق آبادی گلزار جہاں — سر سے پا تک انہیں خاک رہ صحرا دیکھا
کل تلک محفل عشرت میں جو تھے صدر نشیں — قبر میں آج انہیں بیکس و تنہا دیکھا
بسکہ نیرنگی عالم پہ اسے حیرت تھی — آئینہ خاک سکندر کو سراپا دیکھا
سر جمشید کے کاسے میں بھری تھی حسرت — یاس کو معتکف تربت دارا دیکھا

وصل جاناں کی دل زار کو حسرت ہی رہی — پر میسر نہ ہوا
عمر بھر جان پہ فرقت کی مصیبت ہی رہی — تھا یہ قسمت کا لکھا
تم نے جو بات کہی میں نے دل و جان سے وہ کی — نہ کیا عذر کبھی
تم کو اس پر بھی مگر مجھ سے شکایت ہی رہی — پھل یہ خدمت کا ملا
چشمہ چشم سے آنسوں کی بھی سو جیں نکلیں — ٹھنڈی سانسیں بھی بھریں
آتش غم کی مگر دل میں حرارت ہی رہی — نہ ہوا فرق ذرا
کھائیں سو مرتبہ قسمیں کہ ہوں عاشق تجھ پر — نہیں اوروں پہ نظر
بدگمانی مگر اس شوخ کی عادت ہی رہی — صاف مجھ سے نہ ہوا

ایک تم ہو کہ ہزاروں ہی کئے مجھ پہ ستم — دل کے غیروں سے بہم
ایک میں ہوں کہ مجھے تم سے محبت ہی رہی — کبھی شکوہ نہ کیا

دشمنوں نے تو بہت بات بنائی جا کر — کہ وہ بگڑیں مجھ پر
حال پر میرے مگر انکی عنایت ہی رہی — کچھ کسی سے نہ ہوا

ہے تمہاری بھی عجب سخت طبیعت بخدا — رحم دل میں نہ ذرا
منتیں کرتے رہے ہم تمہیں وحشت ہی رہی — پاس بیٹھے نہ ذرا

منزلِ گور میں تنہا مجھے سب چھوڑ چلے — اپنے بیگانے جو تھے
ساتھ دینے کو فقط اُسکی عنایت ہی رہی — اور کوئی نہ رہا

ہمنشیں اُٹھ گئے اس بزم سے اپنے اکبر — تم بھی بس باندھو کمر
نہ وہ جلسے ہی رہے اب نہ وہ صحبت ہی رہی — کیا ہے جینے کا مزا

مائلِ دلِ وحشی ہے کسی زلفِ دوتا کا — سودا مرے دیوانے کو ہے دامِ بلا کا
انکارِ وصال اُنکے لبوں پر یہ نہیں ہے — پیغام میں سنتا ہوں مسیحا سے قضا کا

یار نے کچھ خبر نہ لی دل نے جگر نے کیا کیا — نالۂ شب سے کیا ہوا آہِ سحر نے کیا کیا
دونوں کو پا کے بے خبر کر گئے کام حسن و عشق — دل نے ہمارے کیا کیا اُنکی نظر نے کیا کیا
صاحبِ تاج و تخت بھی موت سے یاں نہ بچ سکے — جاہ و حشم سے کیا ہوا کثرتِ زر نے کیا کیا
کھل گیا سب پہ حالِ دل ہنستے ہیں دوست برملا — ضبط کیا نہ رازِ عشق دیدۂ تر نے کیا کیا

اکبرِ خستہ دل کا حال قابلِ رحم ہو گیا
اس سے سلوک کیا کہوں تیری نظر نے کیا کیا

ہجومِ غم سے ان روزوں ہے دل زیر و زبر اپنا — بحقِ احمدِ مرسل الٰہی فضل کر اپنا
نصیحت واعظوں کی اب کریگی کیا اثر اپنا — زمانہ ہو چکا ہے پوتھیں رندی میں بسر اپنا
نہ روؤں کس طرح غربت میں میں دل کھو کر اپنا — حجاب اپنے ہی سے یہاں کسکا نہ شہر اپنا نہ گھر اپنا

رہ و رسمِ محبت ان حسینوں سے میں کیا رکھوں
جہاں تک دیکھتا ہوں نفع انکا ہے ضرر اپنا

رہے آوارہ یوں اک عمر دنیا میں تو کیا حاصل
قرار اب تھا بنا لیتے کسی کے دل میں گھر اپنا

محلِ غیرت کا ہے چہرے پہ تو انکا وارِ قاتل کے
مجھے اس معرکہ میں [illegible] دکھلائے سپر اپنا

محبت کھل گئی اپنی پرائے طعنے دیتے ہیں
عجب عالم ہے غیرت سے اُدھر انکا اِدھر اپنا

محبت میں یہ ناصح اور بھی اک [illegible] جاتے ہیں
کہیں کیا ناک میں دم ہے اُدھر انکا اِدھر اپنا

گلستانِ مضامیں بسکہ ہے مدِّ نظر اپنا
گلِ تر سے لطافت میں فزوں ہے شعرِ تر اپنا

ہوا ہے بیخودی کے کوچہ میں جب سے گذر اپنا
نگاہِ شوق سے ہیں [illegible] منظورِ نظر اپنا

اُٹھاتا تھا ہزاروں سختیاں دل میں اسے رکھ کر
مرے سنگِ لحد پر آرزو پیٹے گی سر اپنا

عروجِ ہستیٔ فانی پہ کیا سرگرمِ عشرت ہوں
عروج چند ساعت ہے یہاں مثلِ شرر اپنا

مجھے دے آ و آمد ہے نویدِ وصلِ جاناں کی
اُٹھا لے سینہ سے بستر تو لے دردِ جگر اپنا

نہیں کچھ آج ہی سے میری قسمت میں پریشانی
ازل سے حصۂ سودائے گیسو میں ہے سر اپنا

لحد کی فکر بھی لازم ہے منعم قصرِ عالی میں
مآلِ کار بھی کچھ سوچ لے اے بے خبر اپنا

امانت عشق کی سب لیتے کیا جانے ملے کس کو
نہیں معلوم جائے کس کے سر پہ دردِ سر اپنا

غرض کیا انکو سے پاپوش انکی پاؤں دھو [illegible]
لئے پھرتا ہے کیوں مہرِ فلک طشتِ زر اپنا

نگاہِ شوق پردستِ ہوس کو کیوں نہ رشک آئے
کہ یہ مجبور ہیں وہ کام کرتی ہے اُدھر اپنا

کہیں دیکھا نہ ہستی و عدم کا اشتراک ایسا
جہاں میں مثل رکھتی ہی نہیں ان کی کمر اپنا

نہایت جلد آکر باعثِ تسکینِ خاطر ہو
سراپا منتظر سمجھے مجھے اُن کی [illegible] اپنا

نہیں باقی نہیں باتی رسائی گوشِ جاناں تک
بدلتی ہے طریقہ سو طرح میری خبر اپنا

غزل ایسی پڑھو مملو جو ہو عالی مضامیں سے
کرو اب دوسرے کوچے میں اے اکبر گذر اپنا

حباب آسا اٹھایا بحرِ ہستی میں جو سر اپنا
بنایا بس وہیں موجِ فنا نے ہمسفر اپنا

بسر تیرہ دُرونوں میں ہو کیونکر اہلِ بینش کی
اندھیرے میں نہیں کچھ کام کر سکتی نظر اپنا

پہونچ جاؤنگا سجدوں سے مقامِ قربِ باری میں
قدم کے بدلے میں اس راہ میں رکھونگا سر اپنا

خطِ موہوم کو ہے نقطۂ فرضی سے اک نسبت
تمہیں اپنے دہن سے کچھ کرو وصفِ کمر اپنا

تصور بھی کبھی مرقد کا آتا تھا نہ دنیا میں
یہ غفلت تھی کہ ہم بھولے ہوئے بیٹھے تھے گھر اپنا

رہِ توحید میں کھٹکا نہیں ہے غیر کا مجھکو
خودی کا خوف ہے لیکن رہا کرتا ہے ڈر اپنا

نزاکت کے اثر سے شعر میں بھی بند نہیں سکتا
بچا جاتا ہے پہلو مجھ سے مضمونِ کمر اپنا

ہماری سُرخیِ داغِ جگر سے زرد رو ہونگے
جمائینگے وہاں کیا رنگ لعلِ اہلِ زر اپنا

تردد کچھ نہیں ایذا دہندوں کو رسائی میں
تمنا بے تکلف دل میں کر لیتی ہے گھر اپنا

نسیمِ عیش ہو یا صرصرِ غم ہم نہیں ہٹتے
جما ہے پائے استقلال یہاں مثلِ شجر اپنا

جو پیشِ چشمِ معنی جلوۂ حسنِ بشر آیا
تماشا پرتوِ انوارِ خالق کا نظر آیا

رہا دم بھر فروغ اُسکو کبھی جو اوج پر آیا
مرے حصے میں شاید اخترِ بختِ شرر آیا

تصورِ جلوۂ توحید کا ہے مثلِ آئینہ
کیا شوقِ تماشا جب کبھی میں خود نظر آیا

تصور اُنکے عارض کا زبس رنگین و نازک تھا
پری بنکر ہمارے شیشۂ دل میں اُتر آیا

ملا ہے ہمکو یہ مضمونِ روشن چشمِ بینا سے
کہ چھوڑی جس نے خود بینی اُسے سب کچھ نظر آیا

گیا تھا ہو کے رخصت صورتِ تسکین دل مجھسے
برنگِ ہوش واں سے پھر کے اپنا نامہ بر آیا

حسینوں کو ترے ہوتے ہوئے اے بت نہیں کیا دیکھوں
مجھے تو حسن تیرا خود تماشائی نظر آیا

ہوا ہے باعثِ ایجادِ عالم حسن یہ کسکا
یہ کس کے دیکھنے کو مجمعِ اہلِ نظر آیا

جگہ بھی بیٹھنے کی اب مجھے ملتی نہیں صاحب
وہی اچھا رہا اس بزم میں جو پیشتر آیا

سوا افسانۂ دل کے کہا بھی کچھ نہیں میں نے
یہ غصہ آپ کو فرمائیے کس بات پر آیا

ہوئے سرسبز لاکھوں نخل اس گلزارِ ہستی میں
نہ لیکن رنگ پر اپنی تمنا کا شجر آیا

نہ حاصل ہوا صبر و آرام دل کا
نہ نکلا کبھی تم سے کچھ کام دل کا

محبت کا لستر ہے کیوں نہ ہر دم
بھرا ہے مے عشق سے جام دل کا

پھنسایا تو آنکھوں نے دام بلا میں
مگر عشق میں ہو گیا نام دل کا

ہوا خوب رسوا یہ عشق بتاں میں
خدا ہی سبب ہے میرے بدنام دل کا

یہ بانکی ادائیں یہ ترچھی نگاہیں
یہی لے گئیں صبر و آرام دل کا

دھواں پہلے اٹھتا تھا آغاز تھا وہ
ہوا خاک اب یہ ہے انجام دل کا

جب آغاز الفت ہی میں جل رہا ہے
تو کیا خاک بتلاؤں انجام دل کا

خدا کے لئے پھیر دو مجھکو صاحب
جو سرکار میں کچھ نہ ہو کام دل کا

پس مرگ ان پر کھلا حال الفت
گئی لے کے روح اپنی پیغام دل کا

تڑپتا ہوا یونہیں پایا ہمیشہ
کہوں کیا میں آغاز و انجام دل کا

دل اس بے وفا کو جو دیتے ہو اب
تو کچھ سوچ لو پہلے انجام دل کا

فروغ کم بضاعت دولت عالم نہیں ہوتا
سیہ تودہ ہو کر نیر اعظم نہیں ہوتا

بتوں کے قول سے شاداں دل پر غم نہیں ہوتا
دل انکا سنگ ہے پر عہد مستحکم نہیں ہوتا

خدا محفوظ رکھے الفت مژگان خوباں سے
یہ ذوق نشتر دل مرتے مرتے کم نہیں ہوتا

مقام بیخودی میں آرزو کیا عرض مطلب کیا
وہاں یہ دل نہیں ہوتا ہے یہ عالم نہیں ہوتا

صفائے سینہ تک دست تصور کس طرح پہونچے
وہ سینہ آشنائے دست نامحرم نہیں ہوتا

تمہارے وعظ میں تاثیر تو ہے حضرت واعظ
اثر لیکن نگاہ ناز کا بھی کم نہیں ہوتا

تمنائے وصال یار میں ہر وقت روتا ہوں
فراق آستین و دیدۂ پرنم نہیں ہوتا

شکستہ سوختہ مجروح اسیر تمنا ہیں
دل عاشق سا دنیا میں کوئی بے غم نہیں ہوتا

اگر دل واقف نیرنگی طبع صنم ہوتا
زمانہ کی دورنگی کا اسے ہرگز نہ غم ہوتا

یہ پابند مصیبت دل کے ہاتھوں ہم تو بیٹھے ہیں
نہیں تو چین سے کٹتی نہ دل ہوتا نہ غم ہوتا

انھیں کی بیوفائی کا یہ ہے آٹھوں پہر صدمہ
وہی ہوتے جو قابو میں تو پھر کاہیکو غم ہوتا

لب و چشمِ صنم گر دیکھنے پاتے کہیں شاعر
کوئی شیریں سخن ہوتا کوئی جادو رقم ہوتا

بہت اچھا ہوا آئے نہ وہ میری عیادت کو
جو وہ آتے تو غیر آتے جو غیر آتے تو غم ہوتا

اگر قبریں نظر آتیں نہ دارا و سکندر کی
مجھے بھی اشتیاقِ دولت و جاہ و حشم ہوتا

لئے جاتا ہے جوشِ شوق ہمکو راہِ الفت میں
نہیں تو ضعف سے دشوار چلنا دو قدم ہوتا

نہ رہنے پائے دیواروں میں روزن شکر ہے ورنہ
تمہیں تو دل لگی ہوتی غریبوں پر ستم ہوتا

نہ پروانے سے محفل اور نہ بلبل سے چمن چھوٹا
مجھی سے جلسۂ رنگین یارانِ وطن چھوٹا

وہ ترچھی نظروں سے دیکھا کئے اور میں رہا بسمل
نہ بیتابی گئی میری نہ انکا بانکپن چھوٹا

روشن دلِ عارف سے فزوں ہے بدن انکا
رنگیں ہے طبیعت کی طرح پیرہن انکا

محروم ہی رہ جاتی ہے آغوشِ تمنا
شرم آکے چرا لیتی ہے سارا بدن انکا

جن لوگوں نے دل میں ترے گھر اپنا کیا ہے
باہر ہے دو عالم سے مری جاں وطن انکا

ہر بات میں وہ چال کیا کرتے ہیں مجھ سے
الفت نہ نبھے گی جو یہی ہے چلن انکا

عارض سے غرض ہمکو عنادل کو ہے گل سے
ہے کوچۂ معشوق ہمارا چمن انکا

ہے صاف نگاہوں سے عیاں جوشِ جوانی
آنکھوں سے سنبھلتا نہیں مستانہ پن انکا

یہ شرم کے معنی ہیں حیا کہتے ہیں اس کو
آغوشِ تصور میں نہ آیا بدن انکا

غیروں ہی پہ چلتا ہے جواب ناز کا خنجر
کیوں پیچ میں لایا تھا مجھے بانکپن انکا

غیروں نے کبھی پاک نظر سے نہیں دیکھا
وہ اسکو نہ سمجھیں تو یہ ہے حسنِ ظن انکا

اس زلف و رخ و لب پہ انھیں کیوں نہو نخوت
تاتار ہے انکا حلب ان کا یمن انکا

اللہ رے فریبِ نظرِ چشمِ فسوں ساز
بندہ ہے ہر اک شیخ ہر اک برہمن انکا

آیا جو نظر حسنِ خداداد کا جلوہ
بت بن گیا منہ دیکھ کے ہر برہمن انکا

مرقد میں اتارا ہمیں تیوری کو چڑھا کر
ہم مر بھی گئے پر نہ چھٹا بانکپن انکا

گزری ہوئی باتیں نہ مجھے یاد دلاؤ
اب ذکر ہی جانے دو بس اے جانِ من اُنکا

دلچسپ ہے آفت ہے قیامت ہے غضب ہے
بات اُن کی ادا اُن کی قد اُن کا چلن اُنکا

پوشیدہ آنکھوں میں کبھی دل میں نہاں رہا
برسوں خیالِ یار مرا میہماں رہا

فریاد کسکی تھی پسِ دیوار رات بھر
کیا مجھ سے پوچھتے ہو تو کل شب کہاں رہا

پیغامبر سے صرف یہ ہیں یہ بدگمانیاں
پیشِ نظر تمہیں تو ہے میں جہاں رہا

مصحفِ رخسارِ یوسف میں ہو جب تفسیرِ خواب
کیا زلیخا کو عزیزِ مصر دے تعبیرِ خواب

اگلی باتیں سن کے عبرت کے عوض غفلت مگر
غافلوں کے واسطے افسانہ ہے تدبیرِ خواب

کوچۂ جاناں سے اُٹھتا ہوں تو سمجھاتے ہیں پاؤں
ہے طلسمِ تازہ بیڑی کے عوض زنجیرِ خواب

خواب تھیں بیداریاں اس ہستیِ موہوم کی
گور میں خوابِ فنا سے مل گئی تعبیرِ خواب

برق کا جلوہ نظر آیا ہے مجھکو خواب میں
قرب اُن سے ہوگا الٰہی ہے اگر تعبیرِ خواب

وصل میں شوقِ تماشا ہجر میں اشکوں کا جوش
عاشقی میں بالغرض ممکن نہیں تدبیرِ خواب

قتل کرتا ہے ترا بیساختہ سونا مجھے
اس ادائے خواب کو کہتا ہوں میں شمشیرِ خواب

اس زمیں میں اور بھی پڑھئے غزل اکبر کوئی
پڑ گئی ہو گر نہ پائے فکر میں زنجیرِ خواب

ہم جو سمجھے تھے نہ وہ حاصل ہوئی تعبیرِ خواب
خواب میں بھی پھر نظر آئی۔ وہ تصویرِ خواب

عالمِ ایجاد بھی اک عالمِ موہوم ہے
جتنی تعمیریں یہاں کی ہیں یہ سب تعمیرِ خواب

خواب میں دیکھا کہ وہ دامن چھڑا کر چل دئے
حشر کے دن ہونگے یارب ہم گریباں گیرِ خواب

کون ایسا ہے جو ہر شب چین سے سوتا نہیں
اک ہمیں محروم ہیں اے عیشِ عالمگیرِ خواب

حضرتِ یوسف کو لپٹا کر زلیخا نے کہا
آپ کے ملنے سے مجھکو مل گئی تعبیرِ خواب

خواب میں شاید کہی ہے تم نے اکبر یہ غزل
سارے مضموں ہیں خیالی ہے یہ سب تقریرِ خواب

نظر آتی نہیں جب آہیں اثر کی صورت | فائدہ کیا جو ہوئے تنگ گھر کی صورت
خانۂ دل کو کیا عشق بتاں نے برباد | کیا سے کیا ہو گئی اللہ کے گھر کی صورت
حسن کے واسطے لازم ہے تلوّن شاید | دیکھئے روز بدلتی ہے قمر کی صورت
ہمنے مخلوق میں خالق کی تجلّی پائی | دیکھ لی آئینہ میں آئینہ گر کی صورت

دلِ رنگیں بھی عجب دل ہے مگر قہر ہے یہ | خون ہو جاتا ہے مصروفِ تمنا ہو کر
مرضِ عشق سے صحت نہیں ہوتی تو نہو | کام ہی کیا ہے کروں گا جسے اچھا ہو کر
عالم اُسکے رخِ زیبا کا بیاں ہو کس سے | حُسن حیرت میں ہے خود محوِ تماشا ہو کر

بتوں کی مجھکو یہ ترچھی نظر نہیں منظور | خرابیِ دل و جان و جگر نہیں منظور
وہ ٹالتے ہیں عبث آجکل پہ وعدۂ وصل | جوابِ صاف نہ دیدیں اگر نہیں منظور
یہاں کے آنے میں تکلیف ہوگی انکو کمال | اسی سے جذبۂ دل کا اثر نہیں منظور
وہ خود رقیبوں سے ملنا جو ترک کرتے ہیں | تو خیر مجھکو بھی اب اُنکے شر نہیں منظور
مرض ہزار بلا خیز ہو پسند ہے وہ | دوا میں لاکھ شفا ہو مگر نہیں منظور
ہزار بے اثری ہو رہیگا ضبط مجھے | فغاں میں لاکھ اثر ہو مگر نہیں منظور
نہ ہو عروج نہ ہو بے فروغ ہوں تو ہیں | یہ سرکشی تو بسانِ شرر نہیں منظور
قبول سایۂ دیوارِ یار میں رہنا | ہما کا سایہ مگر فرق پر نہیں منظور
ہزار نوکِ سناں سینہ پر گوارا ہے | مگر یہ کاوشِ تیرِ نظر نہیں منظور
اُداس ہوتے ہو کیوں بیٹھو پھر چلے جانا | تمہارا روکنا کچھ رات بھر نہیں منظور
جو گھر سے نکلا تو ظالم مرے دکھانے کو | اُدھر چلا ہے کہ جانا جدھر نہیں منظور
عدم کو جاتا ہوں احباب دیکھ لیں آکر | وہیں رہونگا اب آنا ادھر نہیں منظور
ازل میں خالقِ برحق سے روح کا تھا یہ قول | بغیر عشق لباسِ بشر نہیں منظور
وہ دل پسند نہیں جسمیں جائے درد نہو | ہوائے غم نہو جسمیں وہ سر نہیں منظور

محلِ اس یہی ہے کہ سب کھلائے ہیں ‏— کسی کے دل میں مجھے اپنا گھر نہیں منظور

خیالِ وصلِ بُتاں چھوڑ دو بس اے اکبر
تڑپنا روح کا آٹھوں پہر نہیں منظور

سنہ ۱۸۸ء

آگیا وقتِ اجل لے شوقِ دنیا الوداع — الوداع اے حسرتِ دل اے تمنا الوداع
الوداع اے ساقیِ پیمانۂ طولِ امل — اے سرورِ بادۂ امیدِ فردا الوداع
اے خمِ محرابِ ایوانِ خوش آئینِ اسلام — اے شکوہِ رفعتِ قصرِ معلّیٰ الوداع
الوداع اے مسند و فرش و قبائے پرنیاں — اے حریر و اطلس و کمخواب و دیبا الوداع
الوداع اے رنگِ وحشت الوداع اے فرطِ شوق — رخصت اے جوشِ جنوں اے سیرِ صحرا الوداع
الوداع اے جلوۂ نیرنگیِ حسنِ بتاں — اے خیالِ عارض و زلفِ چلیپا الوداع
الوداع اے عالمِ نیرنگیِ باغِ جہاں — اے نگاہِ دیدۂ محوِ تماشا الوداع

عازمِ ملکِ عدم ہے اکبرِ خونیں جگر
الوداع اے ہمرہانِ بزمِ احبا الوداع

ہوا پھر قیدیِ زلفِ دوتا دل — بلا میں ہو گیا پھر مبتلا دل
نگاہیں چتونیں عشوے کرشمے — اُدھر اتنے اِدھر تنہا مرا دل
نہ چھوڑا آتشِ الفت نے پیچھا — مگر جلنے لگا جب جل چکا دل
لگاوٹ غیر سے ہم سے رکھائی — انہیں باتوں سے تجھ سے پھر گیا دل
یہ وقتِ نزع ہے دم بھر تو ٹھہرو — نہ توڑو عاشقِ رنجور کا دل

بڑے صدمے اٹھائے تم نے اکبر
بتوں کو اب نہ دو بہرِ خدا دل

عہدِ طفلی سے ہے مذہب میں گرفتاریِ دل — ساتھ ساتھ اپنے بڑھا کی ہے یہ بیماریِ دل

سنیے انجام مبارک رہیں نوخیزوں کو
میں ہوں اور آرزوئے مرگ وفاداریِ دل

زلفِ اسلام میں اُلجھے ہوئے مدت گذری
اب کہاں چھوڑتی ہے مجھکو وفاداریِ دل

ہیں تو شیدائے رسولِ عربی ہوں اکبر
بخدا ہے بس اُنھیں کے لئے سرداریِ دل

حاصلِ عمر سوا موت کے جب کچھ بھی نہیں
چار دن کے لئے یہ عیش و طرب کچھ بھی نہیں

وجہ کیا تم سے کہوں اسکی طبیعت ہی تو ہے
دل کو اک جوش ہے روتا ہوں سبب کچھ بھی نہیں

زندگی میں تو رہا کرتے تھے کیا کیا سامان
قبر میں بعد قضا آئے تو اب کچھ بھی نہیں

نہ تو خلوت ہی میسر ہے نہ کچھ لطف کی بات
کیوں بلایا ہے مجھے آپ نے جب کچھ بھی نہیں

نہ وہ احباب نہ وہ لوگ نہ وہ شمع نہ بزم
صبحدم وہ اثرِ جلسۂ شب کچھ بھی نہیں

کوئی اکبر سا بھی دیوانہ نظر آیا ہے کم
پھروں روتا ہے جو پوچھو تو سبب کچھ بھی نہیں

سنبھالیں دل کو کہ ہم حالتِ جگر دیکھیں
تمام آگ لگی ہے کدھر کدھر دیکھیں

کریں نہ لطف و کرم وہ تو کیا وفا نہ کروں
یہی سمجھ ہے تو اچھا ستم بھی کر دیکھیں

یہ کہہ کے روح نے دل کو کیا سپرد اُنکے
کہ ہم تو جاتے ہیں اب آپ اپنا گھر دیکھیں

تڑپ کے جان ابھی دوں کہ ہوں خجل اغیار
خدا کرے کہ مجھے بھی وہ اک نظر دیکھیں

کبھی تو بوسۂ سیبِ ذقن عنایت ہو
نہالِ عیش کو اک دن تو بار ور دیکھیں

زہادِ خشک حسنِ بتاں سے ہیں بے نصیب
آنکھیں خدا نے دی ہیں مگر دیکھتے نہیں

ہیں جن کے دیکھنے کو سمجھتا ہوں زندگی
اُن کا یہ حال ہے کہ اِدھر دیکھتے نہیں

تاثیرِ انتظار نے یہ حال کر دیا
آنکھیں کھلی ہوئی ہیں مگر دیکھتے نہیں

بیخوف دل کو کرتے ہو پامال اے بتو
یہ شوخیاں خدا کا بھی گھر دیکھتے نہیں

ڈورے تو ڈالنے دو ذرا چشمِ شوق کو
دیکھیں گے کس طرح وہ ادھر دیکھتے نہیں

زخمی تری نظر سے بھی ہو منظور بھی کرے
تا ہم اپنے دل کا جگر دیکھتے نہیں

پیری جو پوچھتے ہیں تو دیتا ہوں آئینہ جواں
انکا یہ حال ہے کہ ادھر دیکھتے نہیں

ہے انقلاب حسن کے عالم میں کسقدر
دو دن بھی ایک شکل قمر دیکھتے نہیں

اکبر نہ سینک شعلۂ حسنِ بتاں پہ آنکھ
عاقل جو لوگ ہیں وہ ادھر دیکھتے ہیں

رقیبِ تیرہ باطن کو جگہ دے رکھی ہے دل میں
نہیں کچھ اور عیب اسکے سوا اس ماہ کامل میں

نہ پوچھو وسعتِ اندیشۂ عشاق قامت کو
یہ وہ ہیں سو قیامت گم ہے انکے گوشۂ دل میں

بہت عاشق مگر صورت سے معنی بھی تو پیدا ہوں
بہت مجنوں مگر جلوہ تو ہو لیلی کا محمل میں

زبانوں کو نہیں کھلنے کی طاقت بزم میں تیری
نگاہوں کو نہیں یارا کہ اٹھیں تیری محفل میں

بہت آسان ہے تشریح منطق کے نتیجوں کی
بہت مشکل ہے لیکن فرق کرنا حق و باطل میں

سو جان سے محوِ رخِ جاناں ہیں تو ہم ہیں
اس آئینہ خانہ میں جو حیراں ہیں تو ہم ہیں

گلگشت کریں پھول چنیں انکو ہے کیا غم
آوارۂ صحرائے مغیلاں ہیں تو ہم ہیں

بھڑکی ہوئی ہے آتشِ گل اپنے ہی دم سے
سوزِ جگرِ بلبل نالاں ہیں تو ہم ہیں

شور اپنے ہی جلوے کا ہے یہ دیر و حرم میں
مقصودِ دلِ گبر و مسلماں ہیں تو ہم ہیں

اے برق تڑپنے میں نہیں ہم ترے ساتھی
اے ابر ترے ساتھ جو گریاں ہیں تو ہم ہیں

دن رات رقیبوں پہ ہے صاحب کی عنایت
بس ایک غمِ ہجر میں نالاں ہیں تو ہم ہیں

آ چکی بس مرے حصہ میں شبِ وصل اے دل
گردشِ چرخ میں ایسے مرے مقسوم نہیں

عدم دہن کے جو تقریر یہی کی تم نے تو وہ
حسن کے مطلب نہیں معنی ہیں مفہوم نہیں

کمرِ یار ہے باریکی سے غائب ہر چند
مگر اتنا تو کہوں گا کہ وہ معدوم نہیں

ترے جیتے ہی جہاں سے چلا جانے وہ دیکھیں مجھے کب
موت کا وقت کسی شخص کو معلوم نہیں

میرا احوال جو یاروں نے کہا کچھ اسنے
سن کے فرمایا کہ ہوگا مجھے معلوم نہیں

وہ نکلتا ہے ہمارا ٹھیرا اُن کو نہیں کیو
جانِ جاناں ہے ہماری انھیں معلوم نہیں

جب کہا میں نے مرے گھر میں آؤ گے کبھی
ہنس کے فرمایا کہ ایسے ترے مقسوم نہیں

خوب کرتا ہوں رقیبوں کی برائی اُن سے
مذہب عشق میں غیبت کہیں مذموم نہیں

حرم کیا دیر کیا دونوں یہ ویراں ہوتے جاتے ہیں
تمہارے معتقد گبر و مسلماں ہوتے جاتے ہیں

الگ سب سے نظر نیچی خرام آہستہ آہستہ
وہ مجھکو دفن کر کے اب پشیماں ہوتے جاتے ہیں

سوا اغلاق سے کہنا میں بھولی باتیں اب جو لاتی ہیں
قیامت ہے کہ دن پر دن وہ ناداں ہوتے جاتے ہیں

کہاں سے لاؤں انکا خونِ جگر انکے کھلانے کو
ہزاروں طرح کے غم لکے مہماں ہوتے جاتے ہیں

خرابی خانمانِ عیش کی دورِ گردوں میں
جو باقی رہ گئے ہیں وہ بھی ویراں ہوتے جاتے ہیں

بیاں میں کیا کروں دل کھولکر شوقِ شہادت کو
ابھی سے آپ تو شمشیر عریاں ہوتے جاتے ہیں

غضب کی یاد ہیں عیاریاں واللہ تم کو بھی
غرض قائل تمہارے ہم تو اے جاں ہوتے جاتے ہیں

ادھر مجھسے بھی باتیں آپ کرتے ہیں لگاوٹ کی
ادھر غیروں سے بھی کچھ عہد و پیماں ہوتے جاتے ہیں

غم ہے اتنا کہ دلِ زار پہ قابو بھی نہیں
ضبط یہ ہے کہ کہیں آنکھ میں آنسو بھی نہیں

کیا مرے عہد میں بدلی ہے گلستاں کی ہوا
رنگ کیسا کہ کسی پھول میں خوشبو بھی نہیں

جفائیں جھیل کر تاثیرِ الفت کی دکھاتے ہیں
حنا کی طرح پس لیتے ہیں تب ہم رنگ لاتے ہیں

فدا سو جان سے ہوتا ہوں پروانوں کی ہمت پر
جلے جاتے ہیں لیکن شمع سے لپٹے ہی جاتے ہیں

کھلایا غم پلایا خون دل مہماں نوازی کی
ترے احسان مند اے چرخ ہم دنیا سے جاتے ہیں

خودی و بیخودی دونوں ہیں عکس صورتِ جاناں
اُسی کو جلوہ گر پاتے ہیں جس عالم میں جاتے ہیں

سحر کو در پہ جاتا ہوں تو فرماتے ہیں اندر سے
ابھی سو کر اُٹھے ہیں ہاتھ منہ دھوتے ہیں آتے ہیں

یہ چرخ نے برہم کیا جس کو وہ صحبت خوب تھی
مٹ گئی جو قسمتِ بد سے وہ رنگت خوب تھی

صحبت باہم میں تو اب روز رہتا ہے فساد
ہمسے اُلٹے دور کی صاحب سلامت خوب تھی

مار ڈالا رنج تنہائی نے غربت میں ہمیں
اب خیال آیا کہ یاروں ہی کی صحبت خوب تھی

جان دی شیریں نے اُسپر اسپہ لیلیٰ مر گئی — عشق میں فرہاد و مجنوں کی بھی قسمت خوب تھی

غم نہیں اسکا جو شہرت ہو گئی — ہو گئی اب تو محبت ہو گئی
اب کہاں اگلے سے وہ راز و نیاز — مل گئے صاحب سلامت ہو گئی
ہائے کیا دلکش ہے اُسکی چشم مست — آنکھ ملتے ہی محبت ہو گئی
چودھواں سال لکھو ہے نامِ خدا — عمر آفت تھی قیامت ہو گئی
ناز سے اُسنے جو دیکھا شیخ کو — اُنکی دینداری بھی رخصت ہو گئی

خدا کا گھر بنانا ہے تو نقشہ لے کسی دل کا — یہ دیواروں کی کیا تعمیر ہے زاہد یہ چھت کیسی

یہ کارِ عاشقی ہے دل جدھر لیجائے جا اکبر
یہ بحثیں اسمیں کیا ہیں مشورہ کیا مصلحت کیسی

تمہیں سے ہوئی مجھکو الفت کچھ ایسی — یہ تھی ورنہ میری طبیعت کچھ ایسی
جہاں دل دکھا بس نکل آئے آنسو — بگاڑی محبت نے عادت کچھ ایسی
حیا کی نگاہوں سے مارا ہے مجھکو — نہیں چتونوں کی شرارت کچھ ایسی
گرے میرے نظروں سے خوبانِ عالم — پسند آ گئی تیری صورت کچھ ایسی
میں رونے لگا حال دل کہتے کہتے — یکایک بھر آئی طبیعت کچھ ایسی
یہ غیروں نے اب مجھکو برہم کیا ہے — یہ تھی ورنہ بحث کی صورت کچھ ایسی

بسر کیوں نہ ہو عشق خوباں میں اکبر
خدا ہی نے دی ہے طبیعت کچھ ایسی

سنہ ۱۸۷ء

حسینوں کے گلے سے لگتی ہے زنجیر سونے کی — نظر آتی ہے کیا ہلکی ہوئی تقدیر سونے کی
نہ دل آتا ہے قابو میں نہ نیند آتی ہے آنکھوں میں — شبِ فرقت میں کیونکر بن پڑے تدبیر سونے کی
یہاں بیداریوں سے جواں دل آنکھوں میں آتا ہے — گلابی کرتی ہے آنکھوں کو واں تاثیر سونے کی

بہت بے چین ہوں نیند آ رہی ہے رات جاتی ہے
خدا کے واسطے جلد اب کرو تدبیر سونے کی

یہ زر وہ چیز ہے جو ہر جگہ ہے باعثِ شوکت
سُنی ہے عالمِ بالا میں بھی تعمیر سونے کی

ضرورت کیا ہے رُکنے کی مرے دل سے نکلتا رہ
ہوس مجھکو نہیں اے نالۂ شبگیر سونے کی

چھپر کھٹ یاں جو سونے کی بنائی اس سے کیا حاصل
کرو اے غافلو کچھ قبر میں تدبیر سونے کی

نظرِ لطف و کرم یار کی اب وہ نہ رہی
پہلے اک بات جو تھی پیار کی اب وہ نہ رہی

ناامیدی سی ہوئی دیکھ کے غیروں کا ہجوم
آرزو تیرے طلبگار کی اب وہ نہ رہی

وہ لگاوٹ تھی فقط دل کے لبھانے کے لئے
مہربانی بُتِ عیار کی اب وہ نہ رہی

یہ دردِ دل بھی نہ تھا سوزشِ جگر بھی نہ تھی
ان آفتوں کی تو الفت میں کچھ خبر بھی نہ تھی

زمانہ سازی ہے اب یہ کہ منتظر تھا میں
ہمارے آنے کی تم کو تو کچھ خبر بھی نہ تھی

فلک نے کیوں شبِ فرقت مجھے ہلاک کیا
جمالِ یار نہیں تھا تو کیا سحر بھی نہ تھی

تمہارے دل کی نزاکت پہ اسکو رحم آیا
نہیں تو آہ مری ایسی بے اثر بھی نہ تھی

سمجھ میں کچھ نہیں آتا طلسمِ حُسنِ بُتاں
دہن کو سمجھے تھے معدوم واں کمر بھی نہ تھی

جو آپ ہوتے ہیں سُنکر تو خیر ہیں جھوٹا
مرا جگر بھی نہ تھا آپ کی نظر بھی نہ تھی

گزر یہ ہو گیا کیونکر دلِ پریشاں کا
جگہ تو کوچۂ گیسو میں بال بھر بھی نہ تھی

لپٹ گئے وہ گلے سے مرے تو حیرت کیا
وہ سنگدل بھی نہ تھے آہ بے اثر بھی نہ تھی

نگاہِ قہر سے دیکھا یہی غنیمت ہے
مجھے تو آپ سے امید اسقدر بھی نہ تھی

شہیدِ جلوۂ مستانہ ہو گیا شبِ وصل
خوشی نصیب میں عاشق کے رات بھر بھی نہ تھی

تیری نظروں سے ہماری جب نظر ملتی نہ تھی
ہمکو ایسی لذتِ دردِ جگر ملتی نہ تھی

ہر گلی کوچہ میں چرچا میری بیماری کا تھا
کیا کسی سے آپ کو میری خبر ملتی نہ تھی

وہ بھی کیا دن تھے تری شرم و حیا کے اے پری
آئینہ میں چشم جوہر سے نظر ملتی نہ تھی

میں اپنے آہ کئے جاؤں واں اثر نہ سہی
مجھے تو بیخبری ہے انھیں خبر نہ سہی

یہ بے حجاب سرِ شام بام پر آنا
حیا بھی تو کوئی شے ہے کسی کا ڈر نہ سہی

اثر وہی ہے محبت کا گو ہے ضبط مجھے
جگر میں درد تو رہتا ہے چشم تر نہ سہی

نکال لینے دے اے چرخ حوصلے دل کے
شباب تک تو رہے عیش عمر بھر نہ سہی

خدا کے واسطے تشریف لائیں آج ضرور
رہیں وہ دو ہی گھڑی پاس رات بھر نہ سہی

حسین جتنے ہیں خواہاں ہیں سب ترے لئے دل
بس ایک آپ ہی توجہ نہیں اگر نہ سہی

یہ سوچ کیا ہے تجھے رنج کا ہے کون محل
تمام شہر پڑا ہے اک ان کا گھر نہ سہی

سنہ ۱۸۷۱ء

نہ وہ رہے نہ حکومت رہی سلیماں کی
کہانی ہو گئی وہ سلطنت پرستاں کی

اسی کے سایہ میں ہوتی ہے میرے دل کی بسر
خدا دراز کرے عمر زلفِ پیچاں کی

خزاں میں بلبل و گل کا نشان تک نہ رہا
ہوا بدل گئی دو روز میں گلستاں کی

جمائی ہے لبِ نازک پہ ان کے رنگ اپنا
یہ شوخیاں تو ذرا دیکھو سرخی پاں کی

نگاہِ ناز بتاں سے خدا بچائے رہے
یہ وہ نظر ہے کہ رہزن ہے دین و ایماں کی

میں ایسی راست روی کو کبھی نہ چھوڑوں گا
حنفی و شیخ کو سیدھی بتائیں یا بانکی

طریق عشق میں ہے بیخودی کو مصب ٹھہر
کہ بیتابی یہ کرتی ہے کوچے جاناں کی

فریب میں بت کافر کے آ گیا ہوں میں
فکر نہیں ہے خرابی پہ دین و ایماں کی

عجب ہے مجھکو وہ کیوں شرم سے نہیں جھکتیں
جو گردنیں متحمل ہیں بارِ احساں کی

خدا رکھے جگر عاشقوں کو کافی ہے
ہوس نہیں مجھے اے چرخ خوانِ الواں کی

ہمیں ہمیں ہیں ہوا خواہ اس چمن میں ترے
صبا بھی اک متوسل ہے تیرے داماں کی

سبھی ہے سیب کی خواہش پئے علاج دماغ
یہ آرزو ہے کہ بو سونگھئے زنخداں کی

عجیب رنگ نظر آیا کوئے قاتل میں	ق
کسی کو دل کی ہے پروا نہ فکر ہے جاں کی

کوئی ہے سینہ سپر تیغِ ناز کے آگے
کسی کی روح نشانہ ہے تیر مژگاں کی

نہیں ہے ظلمت اعمال کا کچھ اندیشہ
کہ روشنی ہے مرے دل میں نورایماں کی

وہ پونچھیں آنسو مرے آکے اپنے دامن سے
ہے قسمت ایسی کہاں میری چشم گریاں کی

وہ چشم ہوں کہ جو ہے محو جلوۂ توحید
وہ دل ہوں جسمیں تجلی ہے نورِ عرفاں کی

وہ حال ہوں کہ بیاں جسکا دل ئی کھاتا ہے
وہ مشکل ہوں کہ نشانی ہے دردِ پنہاں کی

وہ ذرہ ہوں کہ بیاباں ہے گرد جسکے حضور
وہ قطرہ ہوں کہ حقیقت نہ سمجھے طوفاں کی

وہ درد ہوں جو پیامِ اجل ہے دل کے لئے
طپش وہ ہوں کہ جو بجلی ہے خرمنِ جاں کی

سکوت کیوں نہ ہو مہرِ لبِ سخن آسیر
زمانہ میں نہ رہی قدر اب سخنداں کی

ہو گیا بدر ہلال اس کا سبب روشن ہے
روز گھستا تھا ترے در پہ جبیں تھوڑی سی

منزلِ گور میں کیا خاک ملے گا آرام
خوتڑپنے کی وہی اور زمیں تھوڑی سی

آپ کو غیر کی راحت کا مبارک ہو خیال
خیر تکلیف اٹھالیں گے ہمیں تھوڑی سی

طلسم کالبد میں ہے مقید روح انساں کی
نہیں اربع عناصر چاردیواری ہے زنداں کی

اسے سودا ہے گیسو ہو گیا جسنے مجھے دیکھا
پریشانی مری تصویر ہے زلفِ پریشاں کی

نہیں کچھ رنج اس ظلمت کدے میں بے فروغی کا
تجلی پیشِ چشم اپنے ہے شمعِ نورِ ایماں کی

صبا سے کیوں نہ رو رو کر کہوں میں حال دل اپنا
یہی قاصد ہوا کرتی ہے اکثر کوئے جاناں کی

وہ تھا اک وقت جب سیرِ چمن میں پھول چنتے تھے
زمانہ ایک یہ ہے خاک اڑاتے ہیں بیاباں کی

پھر آئی فصل گل پھر جوشِ سودا ہو گیا مجھکو
اڑائیں دھجیاں دستِ جنوں نے پھر گریباں کی

وہی میں ہوں کہ غیروں کو وہاں آنے نہ دیتا تھا
وہی میں ہوں کہ پہروں منتیں کرتا ہوں درباں کی

تمام حسرتیں پیری میں ہو گئیں رخصت
بس ایک رہ گئی مرنے کی آرزو باقی

جو ذبح کرتا ہے پر کھولدے مرے صیاد
کہ رہ نہ جائے تڑپنے کی آرزو باقی

ہمارے شہر پہ یارب یہ کیا پڑی آفت
نہ خوبرو رہے باقی نہ خوش گلو باقی

پروانہ جل کے خاک ہوا شمع رو چکی
تاثیرِ حسن و عشق جو ہونی تھی ہو چکی

دنیا میں کون خانۂ دل کی کرے گا قدر
آبادی اسکی ایسے خرابے میں ہو چکی

بیگانہ وار رہتی ہے اب کیوں نگاہِ یار
دونوں جہاں سے بھی تو یہ مجھکو کھو چکی

اب جانِ ناتواں بھی طبیعت کی نذر ہے
ایماں و دل تو پہلے ہی الفت میں کھو چکی

تھک تھک گئی زباں دمِ شرحِ دردِ دل
یہ داستاں مگر نہ کبھی دوستو چکی

اکبر عروسِ دہر سے چشمِ وفا نہ رکھ
دامادِ جم کی جب نہ ہوئی تیری ہو چکی

خفا ہو بے سبب مجھ سے کہو میری خطا کیا ہے
چھپا بھی زلفِ مشکیں کو تو آفت کیا بلا کیا ہے

قیامت ہے طبیعت آ گئی اس آفتِ جاں پر
جسے اتنا نہیں معلوم الفت کیا وفا کیا ہے

انہیں بھی جوشِ الفت ہو تو لطف آئے محبت کا
ہمیں دن رات اگر تڑپے تو پھر اس میں مزا کیا ہے

مصیبت عین لذت ہے اگر ہو عاشقِ صادق
کوئی پروانے سے پوچھے کہ جلنے میں مزا کیا ہے

کوئی دن کا ہوں مہماں آ چکی ہے جان ہونٹوں پر
وہی خود دیکھ لیں آ کر اب اس مجھ میں رہا کیا ہے

طبیبوں سے میں کیا پوچھوں علاجِ دردِ دل اپنا
مرض جب زندگی ہو تو پھر اسکی دوا کیا ہے

سنبھالو دل کو اکبر ہجر میں روکو طبیعت کو
یہ رونا پیٹنا کیسا ہے تم کو ہوا کیا ہے

آج آرائشِ گیسوئے دوتا ہوتی ہے
پھر مری جان گرفتارِ بلا ہوتی ہے

شوقِ پابوسیِ جاناں مجھے باقی ہے ہنوز
گھاس جو اُگتی ہے تربت پہ حنا ہوتی ہے

پھر کسی کام کا باقی نہیں رہتا انساں
سچ تو یہ ہے کہ محبت بھی بلا ہوتی ہے

جو زمیں کوچۂ قاتل میں نکلتی ہے نئی
وقف وہ بہرِ مزارِ شہدا ہوتی ہے

جس سے دیکھی ہو وہ چتون کوئی اس سے پوچھے
جان کیونکر ہدفِ تیرِ قضا ہوتی ہے

ق

صبح کا وقت بڑا وقت ہے خالق کی پناہ
ہے وہ ساعت کہ قیامت سے سوا ہوتی ہے

روح تو اک طرف ہوتی ہے رخصت تن سے
آرزو ایک طرف دل سے جدا ہوتی ہے

خوب سمجھا ہوں کہ رُٹنے سے بھلا کیا حاصل
پر کروں کیا یونہیں تسکین ذرا ہوتی ہے

روندتے پھرتے ہیں وہ مجمعِ اغیار کے ساتھ
خوب توقیر مزارِ شہدا ہوتی ہے

مرغِ بسمل کی طرح لوٹ گیا دل میرا
نگہِ ناز کی تاثیر بھی کیا ہوتی ہے

نالہ کر لینے دیں لِلّٰہ نہ چھیڑیں احباب
ضبط کرتا ہوں تو تکلیف سوا ہوتی ہے

جسم تو خاک میں ملجاتے ہوئے دیکھتے ہیں
روح کیا جانئے کدھر جاتی ہے کیا ہوتی ہے

ہوں فریبِ ستمِ یار کا قائل اکبر
مرتے مرتے نہ کھلا یہ کہ جفا ہوتی ہے

اثر دکھانے پہ یہ جذبِ دل جو آتا ہے
کنوئیں سے حضرتِ یوسف کو کھینچ لاتا ہے

فلک جو روز نیا داغ اک دکھاتا ہے
ہمارے حوصلۂ دل کو آزماتا ہے

کبھی جو دعوے منصور میں شک آتا ہے
خیالِ یار مجھے آئینہ دکھاتا ہے

وہ بات ہوں کہ جلاتی ہے جوش میں دل کو
وہ حال ہوں کہ جسے سن کے وجد آتا ہے

جب بیخودی میں مجھے چھوڑ کر وہ جاتے ہیں
تو میرے حال پہ [illegible] کو ہوش آتا ہے

الٰہی خیر ہو اس بت کے نازِ بیجا کی
دلِ غریب کو میرے بہت ستاتا ہے

زیادہ جان سے کیونکر نہ رکھوں دل کو عزیز
یہ آئینہ تری صورت مجھے دکھاتا ہے

وہ دو ہی ہاتھ میں سمجھے کہ آرزو نکلی
دہانِ زخم اسی پر تو مسکراتا ہے

ہمیں تو آٹھ پہر رہتی ہے تمہاری یاد
کبھی تمہیں بھی ہمارا خیال آتا ہے

نہ جانے کا تو نہیں جانتے بہانہ کچھ
ہزار حیلہ نہ آنے کا تم کو آتا ہے

وہ میکدہ ہے ہمارا کہ جس میں مستوں سے
ہزار ساغرِ جم روز ٹوٹ جاتا ہے

خدا پناہ میں رکھے کشاکشِ غم سے
اسی سے تارِ نفس جلد ٹوٹ جاتا ہے

مصائبِ شبِ فرقت اٹھا چکا ہوں میں
عذابِ گور سے واعظ کسے ڈراتا ہے

نہ پوچھئے ستمِ جوشِ حسرتِ دیدار
یہ جان زار کو آنکھوں میں کھینچ لاتا ہے

وہی کا دخل نہیں بزمِ وصل میں منظور
وگرنہ آپ میں آنا تو مجھ کو آتا ہے

فنا کا خوف کچھ اہلِ حیات ہی کو نہیں
ہوا سے شمع کا شعلہ بھی کانپ جاتا ہے

مقامِ شکر ہے غافل مصیبتِ دنیا
اسی بہانے سے اللہ یاد آتا ہے

خدا کے واسطے یادِ خدا کر اے اکبر
بتوں کے عشق میں جاں اپنی کیوں گنواتا ہے

کیا پوچھتے ہو مجھ سے پہلو میں تیرے کیا ہے
اب تو نہیں ہے کچھ بھی دل تھا سو کھو گیا ہے

پایا عجیب عالم قاتل تری گلی میں
ہر زخم یاں ہے مرہم ہر درد یاں دوا ہے

مجھ زار و ناتواں کا رہتا ہے میل خاطر
سختیٔ دل تمہاری ہمسنگ کہربا ہے

ہر سو کلی چھوڑتی ہے دم بھر میں ساتھ ظالم
کہتے ہیں عمر جس کو معشوق بے وفا ہے

گنجینۂ محبت وحشت میں کیا ہو خالی
داغِ جنوں کا سکہ سرمایۂ وفا ہے

صرصر نے لاکھ چاہا اٹھا نہ اس گلی سے
اب تک غبار اپنا خاکِ رہِ وفا ہے

رنگیں تری ادا نے دل جوں کیا ہمیں کا
جو گل ہے داغِ دل ہے جو برگ ہے حنا ہے

ہو جس طرف طبیعت لازم ہے شوقِ کامل
ہر بات میں اثر ہے ہر رنگ میں مزا ہے

ایسا مٹا دیا ہے الفت میں دل کو میں نے
رنگِ رخِ تمنا گردِ رہِ وفا ہے

کل کی تھی بیخودی میں دم بھر کو سیر دل کی
کس لطف کی ہوا ہے کیا باغ خوش فضا ہے

کیا شرحِ آرزو ہیں وا ہو زباں اپنی
افسانۂ دو عالم آغازِ مدعا ہے

اظہارِ شوق میں ہے رسوائیٔ محبت
ہے حرف آبرو پر جو حرفِ مدعا ہے

اہلِ عدم نہ پوچھو کچھ ہم سے حالِ دنیا
رہ آئے ہم بھی دو دن اک میہماں سرا ہے

کیونکر نہ شعر اکبر آئے پسند سب کو
یہ رنگ ہی نیا ہے کوچہ ہی دوسرا ہے

بس گئی ہے دل میں وہ زلف دوتا کیا کیجئے
جان آفت میں ہوئی ہے مبتلا کیا کیجئے

نزع میں پوچھا جو اکبر سے کہ کیوں تیاہی جاں
آہ سرد اک بھر کے وہ کہنے لگا کیا کیجئے

اضافۂ حال

دم لبوں پر آگیا ہے اب دوا کا ذکر کیا
اک بت کافر کی الفت ہے دعا کیا کیجئے
جسکے صدمے سے بمشکل نکل بچی تھی میری جاں
پھر وہی درد آج سینے میں اٹھا کیا کیجئے

وہ نسیم مراد چلے بھی تو کیا کہ جو غنچۂ دل کو کھلا نہ سکے
وہ اٹھے تو بہت کھر سے اپنے میرے گھر میں مگر کبھی آنہ سکے
جو نصیب میں لکھی ہوئی تھی قضا کسی طور سے جان بچا نہ سکے
تجھے عشق سے باز بھی آ نہ سکے ترے ظلم و ستم بھی اٹھا نہ سکے
یہ خبر نہیں چلے رہے وہ کدھر کہ ہم انکا نشان بھی پا نہ سکے
شب و روز جو رہتے تھے پیش نظر بڑے لطف سے ہوتی تھی جنکی بسر
وہ جو روئے بھی انکے مزار پر اب مجھے خواب لحد سے جگا نہ سکے
کبھی جنکے خیال میں ہجر کی شب مجھے نیند نہ آتی تھی ہائے غضب
مرے حال پہ چشم کرم جو رہے کوئی آپ سے آنکھ ملا نہ سکے
یہ مجھے ہی نہ آنے کا سبب ہے اثر کہ رقیبوں سے دبتے ہو آٹھ پہر
پس پردہ صدا تو سنائی مجھے مگر اپنا جمال دکھا نہ سکے
کیا جذبۂ عشق نے میرے اثر رہی غیرت حسن پہ انکی نظر
رہیں دل ہی میں حسرتیں دونوں طرف جو میں جا نہ سکا تو وہ آ نہ سکے
رہا شہرۂ عشق کا یاں مجھے ڈر انہیں اپنے پرائے کا خوف و خطر
تری شکل جو آنکھوں میں پھرتی رہی تری یاد بھی دل کو بھلا نہ سکے
وہی دل کی تڑپ ہی درد جگر ہوا تو یہ عشق کا کچھ نہ اثر
وہ فریب بھرا ہے نظر میں تری کہ فرشتہ بھی دل کو بچا نہ سکے
تری بانکی ادا ہے وہ ہوش ربا کہ ہوں خضر و مسیح بھی جسپہ فدا

ہے خدا کی جناب میں صبح و مسا یہی اکبر خستہ جگر کی دعا
کہ ہمارے سوا بت ہوش ربا کوئی سینے سے تجھکو لگا نہ سکے

تری زلفوں میں دل الجھا ہوا ہے
بلا کے پیچ میں آیا ہوا ہے
نہ کیونکر بوئے خوں نامے سے آئے
اسی جلاد کا لکھا ہوا ہے
چلے دنیا سے جس کی یاد میں ہم
غضب ہے وہ ہمیں بھولا ہوا ہے
کہوں کیا حال اگلی عشرتوں کا
وہ تھا اک خواب جو بھولا ہوا ہے

جفا ہو یا وفا ہم سب میں خوش ہیں
کریں کیا اب تو دل اٹکا ہوا ہے

ہوئی ہے عشق ہی سے حسن کی قدر
ہمیں سے آپ کا شہرا ہوا ہے

بتوں پر رہتی ہے مائل ہمیشہ
طبیعت کو خدایا کیا ہوا ہے

پریشاں رہتے ہو دن رات اکبر
یہ کس کی زلف کا سودا ہوا ہے

دل کو غفلت نے کدورت میں چھپا رکھا ہے
بخل نے زر کو تہِ خاک دبا رکھا ہے

شور کیوں گبر و مسلماں نے مچا رکھا ہے
دیر میں کچھ بھی نہیں کعبہ میں کیا رکھا ہے

بے زری میں کوئی معشوق تو پہلو میں کہاں
داغِ افلاس کو سینہ سے لگا رکھا ہے

آپ کو پردہ نشینی ہی جو آئی ہے پسند
مجھکو کیوں عشق میں دیوانہ بنا رکھا ہے

جوشِ تمکینِ فصلِ بہاری ہے کہ ہنگامہ حشر
بلبلوں نے تو غضب شور مچا رکھا ہے

دیکھئے صبح تلک بدلے وہ کیا کیا پہلو
فتنوں سے اسے یاں آج سنوار رکھا ہے

آپ کے شہرۂ رحمت نے تو ڈھایا ہے غضب
ایک عالم کو گنہگار بنا رکھا ہے

آرزو مرگ کی اکبر یہ کہ اللہ سے ڈر
تجھ سے عاصی کے لئے قبر میں کیا رکھا ہے

کسیکی قسمت میں زہر غم ہے کسیکو حاصل مئے طرب ہے
وہی بگاڑے وہی بنائے اسکی قدرت کا کھیل سب ہے

نظر جو آئے وہ آفتِ جاں تو دل کو کیونکر بچائے انساں
ادا ہے بانکی نگاہ ترچھی ستم ہے شوخی حیا غضب ہے

جلا چکی آتشِ محبت تمام میرے دل و جگر کو
تمہیں نہیں ہے یقین اب تک یہی تو اے میری جاں عجب ہے

گزر گیا ہے جو دورِ عشرت نہ رکھ تو ناداں پھر اسکی حسرت
قیام اسکا سمجھ غنیمت جو وقت پیشِ نگاہ اب ہے

یہ انکی مستی نگاہ ڈھیں ہیں ظاہری سب بناوٹیں ہیں
یہ جی سمجھا نہیں کہ دلبر یہ دل کے لینے کا ایک ڈھب ہے

دوا تھے جتنے ترنج میں جو نسیم صبا کی یاد کے یار ہمدم
بھلا میں ہونگا اسکو کیونکر وہ میرا مالک ہی بے طلب ہے

یہاں بھی آرام پائیگا کہاں اب اس وقت جائیگا
اندھیرا چھایا ہے ابر طاری ہے مینہ برستا ہے وقتِ شب ہے

دعا ہے اکبر یہ اپنی ہر دم بحد دین نکلے بات یہ ہم
محمد اپنا رسول برحق خدائے برتر ہمارا رب ہے

سنتا ہوں کہ تاثیر محبت میں بھی کچھ ہے
کیونکر نہ کہوں اُن کی طبیعت میں بھی کچھ ہے

تسخیر بتاں ہوتی ہے گو نقش و دم سے
تاثیر مگر دل کی محبت میں بھی کچھ ہے

بیچین ہوئے سُنکے مرے شوق کا قصہ
صد شکر مرا اُن کی طبیعت میں بھی کچھ ہے

جب کہتا ہوں اُنسے کہ مرے دل میں ہے حسرت
کس ناز سے کہتے ہیں کہ حسرت میں بھی کچھ ہے

واعظ میں غضب ہی کا سزاوار نہیں ہوں
حصہ مرا گنجینۂ رحمت میں بھی کچھ ہے

رندوں میں تو ہے لطف مئے و ساقی و مطرب
واعظ یہ بتا تو تری صحبت میں بھی کچھ ہے

وہ کوچۂ جاناں کے مزے ایک نہ پائے
ہم پہلے سمجھتے تھے کہ جنت میں بھی کچھ ہے

بگڑے ہوئے تیور ہی سے ثابت نہیں رنجش
اِن روزوں تو فرق اُنکی طبیعت میں بھی کچھ ہے

فرماتے ہیں وہ سُنکے مرے رونے کا احوال
یہ بات تو داخل تری عادت میں بھی کچھ ہے

گو راز محبت کا چھپانا ہے بہت خوب
لیکن سجنہ الطف تو شہرت میں بھی کچھ ہے

افسانۂ حسرت مرا اُن سُنکے وہ بولے
ہے سب یہ زبانی کہ طبیعت میں بھی کچھ ہے

خوش وصل سے کوئی کوئی نظارہ سے دل شاد
اے گردشِ گردوں مری قسمت میں بھی کچھ ہے

بالائے زمیں پاس سکندر کے تھا سب کچھ
اب جا کے ذرا دیکھئے تربت میں بھی کچھ ہے

تم آپ نہ دو یاد بھی کیا کرنے نہ دو گے
دخل آپ کو بندے کی طبیعت میں بھی کچھ ہے

قیدِ احساں سے تری اے فلک آزاد رہے
بیکسی کا ہو بھلا بے وطنی شاد رہے

مئے گلگوں سے چھلکے مست ہوئے شاد رہے
ساقیا خانۂ احساں ترا آباد رہے

اجل آتی ہے غم ہجر میں اللہ رے نصیب
ملک الموت کو کس طرح یہ ہم یاد رہے

ہے یہ حسرت تری حسرت کے سوا سب ہو فنا
دونوں عالم نہ رہیں شہرِ دل آباد رہے

حشر برپا جو ہوا بھول گیا ایک کو ایک
ایسی آفت میں بھلا کون کسے یاد رہے

گوشۂ خاطرِ عالی میں جو پائے نہ جگہ
کہئے پھر جا کے کہاں عاشقِ ناشاد رہے

نزع میں نام لیا قیس میں مذکور آیا
کون سی جا تھی جہاں وہ نہ مجھے یاد رہے

زخمی کیا سینے کو نظر نے کہ غضب ہے
خوں ہو کے بھی قائم ہے جگر یہ کہ غضب ہے

وہ کہتے ہیں مے پیے کو تو پی نہیں سکتا
اے شیخ یہ اللہ کا ڈر ہے کہ غضب ہے

گذری ہے شبِ وصل کہ آئی ہے مری موت
وہ ہوتے ہیں رخصت یہ سحر ہے کہ غضب ہے

لپٹا کے مجھے سینے سے وہ کج بہر بولے
اکبر تری آہوں کا اثر ہے کہ غضب ہے

دل شکستہ ہوں مگر دل میں خدا کا نور ہے
یہ وہ ویرانہ ہے روشن جس میں شمعِ طور ہے

آپ کی پیاری ادا پر دل نہ میں دیتا کبھی
بس ہی کیئے تھا سے آدمی مجبور ہے

کون ایسا ہے نہیں ہے موت کی جسکو خبر
پھر جو غفلت ہے تو یہ دنیا کا اک دستور ہے

کوچے سے ملک کی زلف اٹھی میں عاشق ہو گیا
یہ نہ خوف آیا کہ وہ ابھی ہے بیر بیور ہے

شعر گوئی کی وکالت میں مجھے فرصت کہاں
یہ بھی اکبر خاطرِ احباب کو رکھیو رہے

کیوں کسی سے قصۂ دردِ غم کوئی کہتیں ہے یار سے
جانیں ہے تری یاد ہے جو تسکین ہے دلِ زار ہے

تو ہزار کرتا نگاہ دنیا میں کبھی دو آشنا قریب میں
مجھے پہلے اسکی خبر نہ تھی ترا دوہی ان کا یہ ہلا ہے

یہ بیداد وکو جانتا ہم اسیرِ دام ہیں اے صبا
ہمیں کیا چمن ہو جو تنگ پہ ہمیں کیا فصلِ بہار ہے

جسے وہ سحر میں ہو خوشی تو سرور ہو نئے رنج بھی
شبِ ہجر میں ہو جو درد سر یئے وصل کا یہ خمار ہے

وہ نظر جو مجھ سے ملا گئے تو یہ ادا آفتیں اٹھا گئے
کہ جان ہوش و خرد ہے اب نہ شکیب و صبر و قرار ہے

مجھے رحم آتا ہے دیکھ کر ترا حال اکبر نوحہ گر
تجھے وہ بھی چاہیے جو ملا کرے کہ تو جسکا عاشق زار ہے

۳۵ سال بعد

مری چشم کیوں ہو خوں فشاں رہی جو نرم وہ سماں
وہ طرز گردشِ چرخ ہے وہ رنگِ لیل و نہار ہے

یہاں کل تھا غلغلۂ طرب ہائے ہائے آج سب ہے غضب
کہیں اک مکاں ہے گرا ہوا کہیں اک شکستہ مزار ہے

غم و یاس و حسرت و بیکسی کی ہوا کچھ ایسی ہے چل رہی
نہ دلوں میں اب وہ اُمنگ ہے نہ ہی بیتوں میں بہار ہے

ہوئے مجھ پہ جو ستم فلک کہوں کس سے اُسکو کہاں تلک
نہ مصیبتوں کی ہے کوئی حد نہ مرے غموں کا شمار ہے

مرا سینہ داغوں سے ہے بھرا مرے دل کو دیکھئے تو ذرا
یہ شہیدِ عشق کی ہے لحد پڑا جس پہ پھولوں کا ہار ہے

میں سمجھ گیا وہ ہیں بیوفا مگر انکی راہ میں ہوں فدا
مجھے خاک میں وہ ملا چکے مگر اب بھی دل میں غبار ہے

اب تو ہیں نام خدا آپ کے انداز نئے
نئے غمزے ہیں نئے عشوے ہیں اور ناز نئے

اُن سے ملنے کا نکل آتا ہے ہر شب اِک طور
روز ہو جاتے ہیں سامانِ خدا ساز نئے

کل جو باتیں تھیں وہی ہوں یہ تکلّف کیسا
آج کیا ہو گئے ہم اے بتِ طناز نئے

یہ آج وجہ توقف ہے کیا اجل کے لئے
طبیب لکھتے ہیں نسخہ مرا جو کل کے لئے

یہ اضطراب یہ بے چینیاں یہ بے تابی
مجھے ہمیشہ سے ہے بجلی کو ایک پل کے لئے

ہوا مقامِ فنا میں میں اپنا خود عاشق
سمجھ گیا یہی موقع تھا اس محل کے لئے

جو دل میں دردِ محبت اُٹھا تو ہم نے بھی
مزے تڑپنے کے پہلو بدل بدل کے لئے

نہیں ہے منزلِ ہستی میں فکرِ زادِ سفر
کہ آج کے لئے ہے صبر اُمید کل کے لئے

خیالِ صورتِ جاناں کا شغل دائی کو رہے
عجیب حسن ہے یہ چہرۂ عمل کے لئے

ہوا ہوں خلق میں جینے کو جھوٹے وعدوں پر
زبان اُٹکے دہن میں ہے آج کل کے لئے

میں گھر میں غیر کے کیا اُن سے حالِ دل کہتا
زباں ہی نہ کھلی عرضِ بے محل کے لئے

میں کروں لاکھ ارادہ تو وہ کس کام کا ہے
بس بھروسا مرے اللہ ترے نام کا ہے

طالبِ وصل ہوا یہ تو عجب کیا اس کا
حوصلہ ہی تو مری جاں دلِ ناکام کا ہے

بار اب پہلو میں رکھنا دلِ ناکام کا ہے
خبر اپنی نہ ہو جس کو وہ کسی کام کا ہے

خط عبث لکھتے ہیں آنا ہو تو آئیں وہ جلد
نزع میں ہوں یہ محل نامہ و پیغام کا ہے

شوق سے آنکھیں دکھاؤ مجھے کچھ رنج نہیں
شعبدہ یہ بھی تو اک گردشِ ایام کا ہے

دل کیا نذر جو میں نے تو وہ ہنس کر بولے
آپ رکھ چھوڑئیے اسکو مرے کس کام کا ہے

دل مرا ہاتھ میں لیکر وہ یہ فرماتے ہیں
اسکو پامال کروں اور یہ کس کام کا ہے

لگاوٹ کی ادا سے انکا کہنا پان حاضر ہے
قیامت ہے ستم ہے دل فدا ہے جان حاضر ہے

کہو جو چاہو سن لینگے مگر مطلق نہ سمجھیں گے
طبیعت تو خدا جانے کہاں ہے کان حاضر ہے

نگاہیں ڈھونڈھتی ہیں جسکو انکا دوستاں یارو
اسے میں کیا کروں گا یہ جو سب سامان حاضر ہے

بٹھا کر غیر کی محفل میں مجھکو اس نے فرمایا
سنو اکبر کی غزلیں دیکھو یہ مستان حاضر ہے

اک بوسہ دیجئے مرا ایمان لیجئے
گو بت ہیں آپ بہر خدا مان لیجئے

دل لیکے کہتے ہیں تری خاطر سے لے لیا
الٹا مجھی پہ رکھتے ہیں احسان لیجئے

غیروں کو اپنے ہاتھ سے ہنسکر کھلا دیا
مجھسے کبیدہ ہو کے کہا پان لیجئے

مرنا قبول ہے مگر الفت نہیں قبول
دل تو نہ دونگا آپکو میں جان لیجئے

حاضر ہوا کروں گا میں اکثر حضور میں
آج اچھی طرح سے مجھے پہچان لیجئے

اپنی ہستی جو حجابِ رخِ جاناں نہ رہے
واں رہیں ہم کہ جہاں پھر کوئی ارماں نہ رہے

صورتِ یار جو سو بار دکھیں یہاں نہ رہے
سخت پھر تم میں یہ اے گبر و مسلماں نہ رہے

سامنا جلوۂ معشوق کا اللہ اللہ
ہے یہی وقت کہ بس آپ میں انساں نہ رہے

مانگتا ہوں جو دعا صبح کی کہتی ہے اجل
یہ بھی ممکن ہے رہو تم شبِ ہجراں نہ رہے

آپ ہی نے تو کیا ہے مجھے دیوانۂ عشق
آپ ہی کہتے ہیں اب آپ تو انساں نہ رہے

میں تو حق نعمتِ ظالم سے نہ بر آؤں گا
عقل چھٹ جائے جگر ٹکڑے ہو ایماں نہ رہے

آئینے کو یہ حیرت کہ سکندر ہوئے خاک
ہوش پریوں کے اڑے ہیں کہ سلیماں نہ رہے

چشمِ نرگس سے کوئی حال چمن کا پوچھے
دیکھتے دیکھتے کیا کیا گلِ خنداں نہ رہے

صبح تک ہجرِ صنم میں یہ دعا تھی اپنی
میں نہ ہوں یا نہ ہوں یہ شبِ ہجراں نہ رہے

اُن کا یہ ناز کہ آجائیں گے جلدی کیا ہے
اپنا یہ حال کہ دم بھر کے بھی مہماں نہ رہے

منه نه موڑ وستم وجور بتاں سے **اکبر**
بندگی کیسی اگر تابع فرماں نہ رہے

قابلیت تو بہت بڑھ گئی ماشاء اللہ
مگر افسوس یہی ہے کہ مسلماں نہ رہے

مصیبت عشق کی تنہا مجھی پر کیا گذرتی ہے
تمہارے حسن عالمگیر پر اک خلق مرتی ہے

خبر ملتی نہیں کچھ مجھکو یارانِ گذشتہ کی
خدا جانے کہاں ہیں کسطرح ہیں کیا گذرتی ہے

مری آنکھوں میں تو اسکا گذر بھی ہو نہیں سکتا
یہ آنکھیں آپ کی ہیں نیند جسمیں چین کرتی ہے

محبت کا اثر ہے عاشق و معشوق پر یکساں
جو مجنوں سر پٹکتا ہے تو لیلیٰ آہ کرتی ہے

اثر کچھ ہو چلا ہے سوزشِ اُلفت کا سینے میں
الٰہی خیر ہو دل کانپتا ہے روح ڈرتی ہے

پریشاں رکھتی ہے دن رات آکر ہو یاؤں پر
طبیعت آدمی کو کس قدر بے چین کرتی ہے

کیا قہر ہے اجل مرے سر پر کھڑی رہے
غیروں کی تم کو فکر عیادت پڑی رہے

اے شور حشر شہرِ خموشاں کی لے خبر
اب کب تلک اُجاڑ یہ بستی پڑی رہے

جدت ہو فکر میں تو توارد کبھی نہ ہو
مضمون کیوں لڑیں جو طبیعت لڑی رہے

ہے عشق میں ہر لحظہ ترقی مرے دل کی
ہر داغ بڑھاتا ہے تجلّی مرے دل کی

کیا اور سے ممکن ہو تسلّی مرے دل کی
جب آپ ہی نے کچھ نہ خبر لی مرے دل کی

رونا ہے جو فرقت میں یہی دیدۂ تر کا
طوفاں میں آجائے گی کشتی مرے دل کی

مہماں ہے جس روز سے سینے میں تری یاد
آباد ہے اُجڑی ہوئی بستی مرے دل کی

آخر کو یہ جلنے بھی لگا شعلۂ غم سے
فکر آپ کو ہوتی نہیں اب بھی مرے دل کی

یا اسکی خبر بھی نہیں لیتے کبھی اب تم
یا فکر تمہیں رہتی تھی کتنی مرے دل کی

نظروں سے تری گر کے ہوا عشق دوبالا
ہوتی ہے تنزّل میں ترقی مرے دل کی

دکھلا کے جھلک اور بھی تڑپا گئے اسکو
کی واہ دوا آپ نے اچھی مرے دل کی

جب تول وفا ہار چکا میں تو پھر اب کیا — بیٹھے ہوئے ہیں آپ تو بازی مرے دل کی

باطن سے ہوں نظارگیٔ جلوۂ جاناں — آئینہ اسی سے ہے صفائی مرے دل کی

رنگینی میں سرمستی میں صفائی میں سمایا میں — سب ایک ہی خلقت ترے رخ کی مرے دل کی

نابود ہوئے حل سکے حیالاتِ دو عالم — اللہ رے تیرے عشق میں گرمی مرے دل کی

سو جان سے کیونکر نہ ہوں قربان تمنا — کرتی ہے بڑی قدر شناسی مرے دل کی

ملتا ہے قرار ان کو مرے جوشِ جنوں کا — سر ہوش انھیں کر دیتی ہے مستی مرے دل کی

یا ہجر تھا یا وصل میں اب ہو گئے بے خود — وہ خوبیٔ قسمت تھی یہ خوبی مرے دل کی

وہ تیر بھی نگاہوں سے مجھے دیکھ رہے ہیں — اس وقت میں ہو حیرانی مرے دل کی

تسکین کے لئے رکھتے تھے سینے پہ جو ہر دم — اب ہے انھیں ہاتھوں سے تباہی مرے دل کی

کیوں مکتبِ غم میں سبقِ عشق نہ پڑھتا — تقدیر میں لکھی تھی خرابی مرے دل کی

کیا پوچھتے ہو عشق نے ڈھائی ہے مصیبت — اب روح بھی دیتی ہے دہائی مرے دل کی

کہتا تو بہت کچھ ہے مگر کیا کہوں اکبر
افسوس کہ سنتا نہیں کوئی مرے دل کی

بے چین ہے دل سینے میں بارہ وہ کہ تری یاد آتی ہے — وہ چشم سیہ دل کی طرح آنکھوں میں گھر جاتی ہے

اے حسرتِ وصل خدا کے لئے بس در گزرا مجھ کو — کیوں غم ہی بہر طور مجھے کیوں روح کو بیری پاتی ہے

تم ان کے حلا ہو جاؤ گے اکبر کر رنج و الم
سرمایہ بیداری کو نشہ اس لئے بھی پیش آتی ہے

ہو گا کیا عشق تجھے اسے پری ہو جائے گی — جس سے دل لگ جائیگا اک دل لگی ہو جائے گی

ٹال دیتے ہیں یہی کہکر مرے مطلب کی بات — آج پر کیا منحصر ہے پھر کبھی ہو جائے گی

آئیگا آغوش میں میرے جو وہ رشکِ چمن — نکہتِ گل کی طرح سے بیخودی ہو جائے گی

روح کو قالب میں آنے سے بڑا انکار تھا — یہ دکھی تھی کہ آخر دوستی ہو جائے گی

نزع میں ہوں اب بھی آجائیں وہ دم بھر کے لئے
اور تو کیا اک نگاہِ آخری ہو جائے گی

جو اُس سروِ قد سے جدائی ہوئی ہے
قیامت مرے سر پہ آئی ہوئی ہے

ذرا دیکھنا پھر اُٹھیں چتونوں سے
یہ پیاری ادا دل کو بھائی ہوئی ہے

نہیں روئے رنگیں پہ زلفوں کا جلوہ
گلستاں پہ بدلی یہ چھائی ہوئی ہے

کسی کا نہیں ہے گذر اُس گلی میں
یہ قسمت سے اپنی رسائی ہوئی ہے

مرا سوزِ دل آپ کیا دیکھتے ہیں
یہ آگ آپ ہی کی لگائی ہوئی ہے

نہ دیکھیں گے وہ اس طرف آنکھ اُٹھا کر
کچھ اور اُن کے دل میں سمائی ہوئی ہے

دکھاتے نہ تھے آپ یوں مجھکو آنکھیں
یہ شوخی کسی کی سکھائی ہوئی ہے

مکدر کیا تھا رقیبوں نے اُن کو
بڑی مشکلوں سے صفائی ہوئی ہے

جو چاہیں کریں بیوفائی وہ **اکبر**
طبیعت مری اُن پہ آئی ہوئی ہے

دورِ اوّل

عمر اکیس سال یعنی سنہ [illegible]ء کی تصنیف

الفت جو کیجیے تو غرض آشنا سے کیا
وعدہ جو لیجیے تو تہمت بے وفا سے کیا

موسیٰ نے کوہِ طور پہ باتیں خدا سے کیں
رتبہ بشر کا دیکھیے ہوتا ہے کیا سے کیا

مرتا ہوں جان جاتی ہے اس ہجر میں مگر
انکار اسکا کیجیے اس بے وفا سے کیا

لطفِ چمن ہے بادۂ گلگوں ہے یار ہے
اب موسمِ بہار میں مانگوں خدا سے کیا

قاتل تمہیں کہیں گے جہاں میں ہمیں شہید
اے یار اور ہوگا تمہاری جفا سے کیا

دارِ فنا سے لے نہ چلے کچھ تو غم نہیں
فرمائیے تو لائے تھے ملکِ بقا سے کیا

تیرے مریضِ غم کو جو کرتی اثر نہیں
کچھ کہدیا ہے آکے قضا نے دوا سے کیا

کیا کیا صفت لکھی تری زلفِ دراز کی
مضمون ہاتھ آئے ہیں فکرِ رسا سے کیا

لیتا ہے یاں غمِ شبِ ہجراں تو اپنی جان
امید صبح دیتی ہے ہمکو دلاسے کیا

صد چاک مثلِ شانہ کرے عاشقوں کا دل
ہوگا بس اور آپ کی زلفِ دوتا سے کیا

دل میں جو ہے وہ ہوگا شبِ وصل میں سرور
ہوگا حضور آپ کی شرم و حیا سے کیا

میں حالِ دل تمام شب ان سے کہا کیا
ہنگامِ صبح کہنے لگے کس ادا سے کیا

بہر لہوِ غیر گویا ہوا اپنا خوں
مضمون ہاتھ آیا ہے برگِ حنا سے کیا

عمر تیئیس سال

جلوۂ رفتارِ جاناں سے ہے نمونہ حشر کا
حق بجانب ہے جو ہے زاہد کو دھڑکا حشر کا

بے تامل تیری قامت کے جو مضموں مل گئے
شاید اب نزدیک آپکو سچا ر مانا حشر کا

جلوۂ قامت نے کچھ ایسا ہمیں گھبرا دیا
جیتے جی ہم سمجھے آ پہونچا زمانا حشر کا

میری آنکھیں نوح کے طوفاں کی کہلاتی تھیں سیر
اُنکی چتون نے تو دکھلایا تماشا حشر کا

یادِ قامت نے کیا ہے واعظوں کا معتقد
روز میں سننے کو جاتا ہوں فسانا حشر کا

لوحِ قسمت کے مطابق نامۂ عصیاں ہے جب
پھر بھلا ہونے لگا کیوں مجھکو کھٹکا حشر کا

ہے شبِ ہجراں درازی میں بسانِ زلفِ یار
طول میں روزِ جدائی دن ہے گویا حشر کا

یادِ قامت سے جو اُس دن مل گئی فرصت ہمیں
دیکھ لیں گے دور سے ہم بھی تماشا حشر کا

بیخبر جو ایک کے احوال سے ہے دوسرا
آپ کی محفل بھی گویا ہے نمونا حشر کا

جنسِ عصیاں نفع خاطر خواہ پر بیچیں گے ہم
اے غمِ نقصاں ذرا ہونے دے میلا حشر کا

فاتحہ پڑھنے مری تربت پہ خوش قد آتے ہیں
ہر شبِ آدینہ یاں ہوتا ہے میلا حشر کا

کیا قیامت نامہ پڑھ پڑھکر سناتا ہے مجھے
ق خوف تو مجھکو دلاتا ہے بھلا کیا حشر کا

واعظا میں اُسکا محوِ جلوۂ رفتار ہوں
جسکا ہر نقشِ قدم ہے اک رسالا حشر کا

انتہا کا حسن بخشا ہے اُسے اللہ نے
ق کیوں دل و جاں سے نہ میں ہو جاؤں شیدا حشر کا

نامۂ اعمال میرا اُسکی ہے زلفِ سیاہ
نور رحمتہائے حق ہے روئے زیبا حشر کا

وحشتِ دل مجھسے کہتی ہے چلو بھی یاں سے اب
ق طے ابھی برسوں نہ ہوگا یہ بکھیڑا حشر کا

خواہشِ خلدِ بریں میں آرزوے حوریں
کون مدت تک اُٹھائے ناز بیجا حشر کا

مقطع

حشر تک اب ہاتھ آنے کے نہیں مضمون حشر
تم نے اے اکبر کوئی پہلو نہ چھوڑا حشر کا

سنہ ۱۳۰۲ھ مقام آگرہ

ہجر میں دانتوں کے گریاں جو میں بیتاب ہوا
اشک جو آنکھ سے نکلا دُرِ نایاب ہوا

سبزۂ خط سے قرارِ دلِ بیتاب ہوا
کشتہ اس بوٹی سے آخر کو یہ سیماب ہوا

موردِ طعنۂ بیگانہ و احباب ہوا آخر
خوب رسوا تیرے ہاتھوں دلِ بیتاب ہوا

ہو گیا عشق میں یادِ رخِ نورانی میں
ہالۂ ماہ مجھے حلقۂ گرداب ہوا

ق

تو ہے وہ برقِ تجلی کہ ترا نقشِ قدم
رونقِ آئینۂ مہرِ جہانتاب ہوا

تیرے جلوے سے ہوا حسنِ ظہور ایجاد
نور تیرا سببِ عالمِ اسباب ہوا

گلِ ہستی کو ترے رنگ سے زینت ملتی
چمنِ خلق ترے مینہ سے شاداب ہوا

حسرتِ اے عقل کہ پائی ترے لشکر نے شکست
مژدہ اے عشق جنوں آج ظفریاب ہوا

کسی حالت میں اسیری سے رہائی نہ ہوئی
ڈوب مرنے پہ بھی مائل جو میں بیتاب ہوا

ق

موجیں دریا کی سلاسل ہوئیں پاؤں کے لئے
طوقِ گردن کے لئے حلقۂ گرداب ہوا

چشمِ معنی سے جو کی سیرِ طلسماتِ جہاں
پتا پتا مجھے اک گلشنِ شاداب ہوا

قطرے قطرے میں ہوئی وسعتِ دریا پیدا
ذرہ ذرہ صفتِ مہرِ جہانتاب ہوا

اک زمانے کی ترے آگے جھکی ہے گردن
خمِ ابرو نہ ہوا کعبے کی محراب ہوا

ساقیا بہرِ خدا جلد پلا مجھکو شراب
فرقتِ شیشہ و ساغر میں میں بیتاب ہوا

نہ رہی دخترِ رز مجھ پہ کسی طرح حرام
اب ترے عذر کا مسدود ہر اک باب ہوا

اس طرف قلقلِ مینا ہے ادھر شورِ طلب
بس سمجھ لے وہ قبول اور یہ ایجاب ہوا

درد ہوتا ہے یہ کہکر کیے سکاں آئینے بند
حال میرا ہوا قطرہ کا سیماب ہوا

فکرِ رنگیں سے ہوئی مدحتِ دنداں مسم
دیکھیے لعل سے پیدا درِ نایاب ہوا

رہی ہر کام میں ہر وقت مسبب پہ نگاہ
اپنا منظر نہ کبھی عالمِ اسباب ہوا

یاس کی رنگینیاں ہیں عین دلیلِ غفلت
سرخیٔ چشم سے پیدا اثرِ خواب ہوا

گردشِ بخت سے آشوب نکلتے ہیں تمام
اس میں بھی کیا اثرِ گردشِ دولاب ہوا

ضیقِ فرصت میں غزل ہو نہ سکی اے اکبر
میں تو شرمندۂ فرمایشِ احباب ہوا

ابھی سے جوں بُلاتی ہے مجھکو فکرِ مآل
چمن میں بعد تیرے اے بہار کیا ہوگا

اُنھیں پسند نہیں اور اس سے ہیں بیزار
آلٰہی پھر یہ دلِ بے قرار کیا ہوگا

عزیزو سادہ ہی رہنے دو لوحِ تربت کو
ہمیں مٹے تو یہ نقش و نگار کیا ہوگا

زمانہ ہوگیا بسمل تری سیدھی نگاہوں سے
خدا نا خواستہ ترچھی نظر ہوتی تو کیا ہوتا

محبت ہو نہ ہو اُن کو مجھے کیا میں تو عاشق ہوں
نہ ہونے سے ہے اُسکے کیا اگر ہوتی تو کیا ہوتا

پسا جاتا ہوں ہیں سو جان سے اِس بیوفائی پر
محبت یار کو مجھ سے اگر ہوتی تو کیا ہوتا

مری حسرت کی نظروں ہی پہ ظالم اسقدر بگڑا
کہیں دردِ جگر سے چشم تر ہوتی تو کیا ہوتا

نہ رکھی آسماں نے ایک دم بھی وصل کی ساعت
گھڑی بھر چین سے اپنی بسر ہوتی تو کیا ہوتا

قفس اِس ناتوانی پر تنِ بسمل بنا تم سے
جو طاقت بھی کہیں لے بال و پر ہوتی تو کیا ہوتا

سنہ ۱۸۶۶ء

کس قدر جوش مسرت میں ہے سر پہ سہرا
خود ہے خوشبو کی طرح جامے سے باہر سہرا

مصرِ خوبی کا تو نوشاہ ہے مثلِ یوسف
سایۂ لطفِ خدا ہے ترے سر پہ سہرا

عارض و خال کا تیرے ہے اُسے قرب نصیب
کس طرح سے نہ ہو رشکِ مہ و اختر سہرا

آج ہر گل کی تمنا ہے یہی گلشن میں
کہ ترے فرقِ مبارک پہ ہو آکر سہرا

بے سبب تو نے سنبھالا نہیں ہاتھوں سے اسے
غش ہے عارض کی صفائی پہ مقرر سہرا

نکہتِ گیسوے مشکیں نے دکھایا جو اثر
ہوگیا اور بھی خوشبو سے معطر سہرا

روئے روشن کا گماں کیوں شبِ عشرت نہ ہو
عکس رخسار سے ہے مہرِ منور سہرا

گلشنِ حسن میں اسقدر ہے رسائی اُس کی
ہوگیا سنبلِ گیسو کے برابر سہرا

زینتِ حسنِ خداداد جو شادی سے ہوئی
بن گیا چہرہ پہ نور کا زیور سہرا

جلوۂ حُسن کے نظارہ کی لاتا نہیں تاب
اسلئے چہرے سے ہٹ جاتا ہے اکثر سہرا

یہ طراوت عرقِ رُخ کی نہیں ہے اسمیں
آب آئینۂ خورشید میں ہے تر سہرا

کہدیا ہمنے یہ اک دوست کی فرمائش سے
ورنہ واقف بھی نہیں کہتے ہیں کیونکر سہرا

سنہ ۱۸[illegible]ء

وکہ حرارت کی کہ تنہائی میں لپٹا لیں انھیں — دل میں رعبِ حسن سے خوف و خطر آہی گیا

میں بھی اب اچھی طرح غیروں سے کرتا ہوں فساد — رنج تو مجھسے تجھے اے فتنہ گر آہی گیا

درمیان میں لایا سر سو بھی ۔ اس کی ناز کی — کھل کے جوڑا خود سری سے تا کمر آہی گیا

گو بہت کچھ رنج یارانِ وطن سے تھا ہمیں — آنکھ میں آنسو مگر وقتِ سفر آہی گیا

میری آہیں سنکے کان اپنے کئے تھے تم نے بند — رو دئے آخر کو دل میں کچھ اثر آہی گیا

آکے جب غش میں مجھے دیکھا تو گھبرا کر کہا — ہوش میں آ اب تو میں اے بیخبر آہی گیا

بعد مدت کے نظر آئی یہ جو صورت یار کی — سو طرح دل کو سنبھالا غش مگر آہی گیا

حسرت کو شہرِ عشق میں بھیجا خدا اے جب — رہنے کو خانۂ دلِ مضطر بنا دیا

پہلے ہی چال آپ کی تھی فتنۂ زمانہ حضور — ٹھوکر وتے اور فتنۂ محشر بنا دیا

لکھی یہاں تلک صفت اس نو نہال کی — خامے کو ہم نے شاخ گلِ تر بنا دیا

نظارہ روز و شب ہے مصحفِ رخسارِ قاتل کا — یہی صورت رہی تو بس خدا حافظ مرے دل کا

خزاں میں کیا اداسی چھائی ہے صحنِ گلستاں پر — نہ وہ پھولوں کی رنگینی نہ وہ نعمہ عنادل کا

یہ رتبت سدشِ الفاظ کی ہے حسنِ معنی سے — نہ ہو جلوہ جو لیلیٰ کا تو پھر کیا لطف محمل کا

سنہ ۱۸[illegible]ء

کیسی کیسی وہ لگاوٹ کی نظر کرتے ہیں — دھوکے کھاتا ہے ہمارا دلِ نادان کیا کیا

خوب فرما گئے ہیں حضرت آتش اکبر
میرے اللہ نے مجھ پر کئے احسان کیا کیا

یہ پہلی غزل ہے جو مشاعرے میں پڑھی گئی اور پبلک سے اکبر کا خوش لیا اور اُسوقت

اکیسواں سال تھا

سمجھے وہی اس کو جو ہو دیوانہ کسی کا — اکبر یہ غزل میری ہے افسانہ کسی کا

دکھلاتے ہیں بت جسکو وہ مستانہ کسی کا
یہاں کعبۂ مقصود ہے بتخانہ کسی کا

گر شیخ و برہمن سنیں افسانہ کسی کا
مسجد نہ رہے کعبہ و بتخانہ کسی کا

اللہ نے دی ہے جو تمہیں چاند سی صورت
روشن بھی کرو جاکے سیہ خانہ کسی کا

اُس کوچے سے ہے گبر و مسلماں کو عقیدت
کعبہ جو کسی کا ہے تو بتخانہ کسی کا

اشک آنکھوں میں آجائیں عوض نیند کے صاحب
ایسا بھی کسی شب سنو افسانہ کسی کا

جاں اپنی جو دی شمع کے شعلے سے لپٹ کر
سمجھا رخِ روشن اُسے پروانہ کسی کا

شمعِ رخِ روشن کا وہ جلوہ تو دکھائیں
ہے حوصلہ بھی صورتِ پروانہ کسی کا

کیا برق کی شوخی مری آنکھوں میں سمائے
ہے پیشِ نظر جلوۂ مستانہ کسی کا

الفت مجھے اُس سے ہے اُسے غیر سے ہے عشق
میں شیفتہ اُس کا ہوں وہ دیوانہ کسی کا

عشرت نہیں آتی جو مرے دل میں نہ آئے
حسرت ہی سے آباد ہے ویرانہ کسی کا

حیراں ہوں لبِ تاب جمال آئے گی کیونکر
بیخود ہے جو دل سُن ہی کے افسانہ کسی کا

پہونچی جو نگہ عالمِ مستی میں فلک پر
ہم سمجھے مہِ نو کو بھی پیمانہ کسی کا

کرنے نہیں دیتے جو بیاں حالتِ دل کو
سننے گا لبِ گور سے افسانہ کسی کا

سامانِ تکلف نظر آئیں گے جو ہر سو
جنت میں بھی یاد آئے گا کاشانہ کسی کا

نالاں ہے اگر وہ تو یہ ہے چاکِ گریباں
بلبل کی طرح گل بھی ہے دیوانہ کسی کا

چشم و دلِ عاشق کا نہ کچھ پوچھئے احوال
وہ محو کسی کی ہے یہ دیوانہ کسی کا

تاثیر جو کی صحبتِ عارض نے دمِ خواب
خجلت دہِ آئینہ ہوا شانہ کسی کا

کوئی نہ ہوا روح کا ساتھی دمِ آخر
کام آیا نہ اس وقت میں یارانہ کسی کا

کچھ دور نہیں ساقیِ کوثر کے کرم سے
بھر دے مئے وحدت سے جو پیمانہ کسی کا

رکھتا ہے قدم کوچۂ گیسو میں جو بے خوف
کیا تو دلِ صد چاک ہے لے شانہ کسی کا

تاثیر محبت سے جو ہو جاتے ہیں بے چین
رو دیتے ہیں اب سنکے وہ افسانہ کسی کا

احباب نے پوچھا جو مرا حال تو بولے
ہنستے ہیں وہ ان روز دل ہے دیوانہ کسی کا

دیکھا ہے عجب رنگ کچھ اس دور فلک میں
ق کوئی نہیں اے ساقیِ میخانہ کسی کا

یاں شیشۂ دل جوں تمہارے ہے لبریز
وہاں بادۂ گلفام سے پیمانہ کسی کا

سب مست مئے شوق ہیں اُن آنکھوں سے اے دل
اس دور میں خالی نہیں پیمانہ کسی کا

بخشی ہے جس ساقی کی در پر جو اجازت
واجب ہے مجھے سجدۂ شکرانہ کسی کا

اے حضرت ناصح وہ سنے گا یہ تمہاری
میرا دلِ وحشی تو ہے دیوانہ کسی کا

کرتے وہ نگاہوں سے اگر بادہ فروشی
ہوتا نہ گذر جانب میخانہ کسی کا

حسرت ہی رہی زلفوں کے نظارہ کی مجھکو
یہ پنجۂ مژگاں نہ بنا شانہ کسی کا

کس طرح ہوا مائل گیسو نہیں معلوم
پابستہ نہ تھا یہ دلِ دیوانہ کسی کا

ہم جاں سے بیزار رہا کرتے ہیں اکبر
جب سے دلِ بیتاب ہے دیوانہ کسی کا

یہ دوسری غزل ہے جو اکبر نے مشاعرے میں پڑھی عمر ۲۲ سال

مبارک میکشو موسم پھر آیا بادہ خواری کا
چمن میں شور ہے پھر آمدِ فصلِ بہاری کا

نہایت اجتماع آتش و سیماب مشکل ہے
خیالِ رخ میں کیونکر حال لکھوں بیقراری کا

ہمارا غنچۂ خاطر شگفتہ کر نہیں سکتی
فقط کلیاں کھلانا کام ہے بادِ بہاری کا

چمن میں خندہ زن گل ہے تو میخانے میں پیالہ
یہاں ہے فیضِ ساقی واں کرم بادِ بہاری کا

بسر کرتا ہوں پریونکو میں جادو بیانی سے
حسینوں میں فسانہ ہے مری بے اختیاری کا

ہوئی ہے العیاذ معبود میں دیوانگی مجھکو
متغیر کیونکر یہ اک عالم ہو میری ہوشیاری کا

تا قصاں را سود بخشد پرتو اہل کمال
ماہ نورانی کند در نور کامل آفتاب

عیمش در قطع رہ ہر روز روز آتو لیس
صورتِ مس بست چوں پیشترِ آن آفتاب

ہر سحر لرزاں و ہر شامے بچل می بیش
شد نگار از غمزۂ حسنِ توسل آفتاب

حیرتم نبود بریں اوجِ کلاہِ لیلائے حسن
مرکز آسا نقطۂ سوہوش اُفگارند و بس
ہست رفتارِ حسیناں باعثِ صد انقلاب
سوزِ عشقِ روئے تو دارم باایں کم پائگی
جوش زد چوں پرتوِ نورِ رُخت اے بحرِ حسن
پرتوِ نورت نمود اعجاز ہنگامِ شنا
مے کشاں مے خوردہ از بحر تردد بگذرند
دانہائے سبحہ در دست است و شوقِ خیر طبع
بر سرش زہرہ اگر تابد اسیراں را خوش است
بر سپہرِ معنیِ روشن چو گامے سیر کرد

ناقۂ ات گردوں اگر سازند محملِ آفتاب
گرد وار در حلقۂ بزمِ تو داخل آفتاب
میکند تغییرِ فصل از طے منزل آفتاب
اخترے ہستم کہ پنہاں کردہ در دل آفتاب
در اُفق گم گشت مثلِ موج ساحل آفتاب
قطرہ قطرہ گشت در دامانِ ساحل آفتاب
می رساند کشتیِ رنداں بساحل آفتاب
بر کفِ انجم دارم و پوشیدہ در دل آفتاب
بگذرد زو داز نواحِ چاہِ بابل آفتاب
ارمغاں آورد اکبر سوی محفل آفتاب

آفریں اکبر بریں روشن بیانیہائے تو
شعر می خوانی و می تابد بہ محفل آفتاب

دلم فسردہ شد و عشق و آرزو باقی است
گماں مبر کہ ستم کردی و وفا نہ کنم
فغاں کہ آتشِ غم زیرِ خاک ہم نگذاشت
بہ بحرِ عشق فتادیم و دست و پا نہ زدیم
اجل بیامد و جانم ببرد و دل بگذاشت
فدائے صورتِ زیبا رُخے کہ فانی نیست
ز زشتیِ عملم در لحد کسی نپرسند
پسِ فنا بہ لحد ہم قرار نیست مرا
بحسنِ فانیِ دنیا مبند دل اکبر

نماند در گلِ پژمردہ رنگ و بو باقی است
بیا بیا کہ ہماں شوق و آرزو باقی است
ہنوز سوزِ دل و آہِ شعلہ خو باقی است
ہزار منتِ ہمت کہ آبرو باقی است
فغاں کہ جانِ عزیزم شد و عدو باقی است
نثارِ حسنِ حسینے کہ حسنِ او باقی است
ہزار شکر کہ یادِ رخِ نکو باقی است
مگر بہ دل خلشِ خارِ آرزو باقی است
فنا شود بدرہِ آں کس کہ نامِ او باقی است

حال بتلاروں کے سوا کوئی نہ دیکھے روے دوست
حال ہے تیغ قضا کی جیسی ابروے دوست

دیکھے آئے تھے ہم حسن رخ نیکوے دوست
آپ سے جاتے رہے آکر میان کوے دوست

اہل دل کو ذکر سرو سے یہ آتی ہے صدا
باغ دل میں چاہیئے سرو قد دلجوے دوست

رقص کرتی ہے نسیم صبح کیوں مستانہ وار
گلشن دل سے اڑالائی ہے شاید بوے دوست

کیسے کیسے گل کھلے ہیں نقش ہاے یار سے
غیرت داماں گلچیں ہو رہا ہے کوے دوست

وہ گل رنگیں ہوں میں پیدا ہے حسن سے رنگ یار
رنگ و بو میں یہاں ہو گئی ہے بوے دوست

دشمنوں کا سر ندامت سے ہے جھکنے کے لئے
میری گردن ہے رہلے خمر ابروے دوست

میں وہ آئینہ ہوں اس حیرت سرائے دہر میں
جس میں جوہر کے عوض رہتا ہے عکس روے دوست

چیرے کہ بہ عشق او می رقصد و می سوزد
دل ہست کہ در پہلو می رقصد و می سوزد

در شمع چو مے بیند نورے رخ دوست
پروانہ گرد او می رقصد و می سوزد

بر شمع میاد او می گرید و می کاہد
ہر شعلہ بہ شوق او می رقصد و می سوزد

رائل اسے دل یہ مراد دو جگر ہو کیونکر
وصل جاناں ہے دوا اسکی مگر ہو کیونکر

محفل عشرت اغیار میں رہتے ہیں حضور
حال غم دیدۂ ہجراں کی خبر ہو کیونکر

جلوۂ شاہد معنی کی ہیں مشتاق آنکھیں
حسن صورت مجھے منظور نظر ہو کیونکر

بیشتر ہیں انھیں رہتی ہے بہت خواہش در ر
واں بھلا ہمسے غریبوں کا گذر ہو کیونکر

حاضری کا جو ملا حکم تو یہ ہوا ارشاد
در دولت پہ جو آؤں تو خبر ہو کیونکر

عمر بحر توجیہ کردہ است کس ہیچ مپرس
گریہ می آیدم از رنج و محن ہیچ مپرس

حال من چو تو ای ز یاران رسان
اے صبا قصۂ دوری وطن ہیچ مپرس

بستوار مرگس و فارغ و خورم بنشیں
باش مستغنی و از گور و کفن ہیچ مپرس

دقتے ہست بہ تشریح کمر ہیچ مگو
مشکلے ہست ز اسرار دہن ہیچ مپرس

آخر فصل بہار است و دم رخصت گل
دیگر از حسرت مرغان چمن ہیچ مپرس

شوقم آمادهٔ و دل مائل و کلمت قاتل بہ کمیں
اندریں وقت ز بے صبری من ہیچ مپرس

وقت آنست کہ با شام غریباں سازم
باش وا سے ہمسفر از صبح وطن ہیچ مپرس

حسرتے چند بہ دل دارم و این نکتہ بس است
وزکہ آموختہ ام طرزِ سخن ہیچ مپرس

گو از لعل یمانی و بہ بیں لخت دلم
اشکِ من بنگر و از دُرِّ عدن ہیچ مپرس

بیکسی منکشفِ تربتِ او بود بدشت
قصهٔ اکبر مہجور وطن ہیچ مپرس

وہ رشکِ گل نہ ہوا ہم سے ہمکنار افسوس
بہار عمر خزاں ہو گئی ہزار افسوس

بہت پسند ترا رنگ ہے مجھے لیکن ؟
بقا نہیں تجھے اے موسم بہار افسوس

بتوں کی یاد میں تو بھی بھولے ہم دم مرگ
چلے جہاں سے آخر گناہگار افسوس

جو بیقراری نے آنے دیا نہ دل کے قریب
تو میرے حال پہ کرنے لگا قرار افسوس

کسی نے بزم میں سمجھا نہ باعثِ گریہ
تمام رات رہی شمعِ اشکبار افسوس

طریقِ عشق میں ہادی و رہنما کہ ہم
جو ایک دل بھی ملا ہے وہ بیقرار افسوس

مشاعرہ سنہ ۱۸۷۴ء یا سنہ ۱۲۹۱ھ

کام آتا ہے جو وصفِ روئے دلبر میں چراغ
اوج پر رہتا ہے ہر محفل میں ہر گھر میں چراغ

یادِ قمر گاں و رخ روشن ہمارے دل میں ہے
یا کسی نے رکھ دیا پہلوئے خنجر میں چراغ

آہ کرتا ہوں تو رکھ لیتے ہیں وہ رخ پر نقاب
کہتے ہیں صاحب ٹھہرتا کب ہے صرصر میں چراغ

جب سے تحریرِ ثنائے رخ میں کام آتا ہے یہ
ہے عوض بیتی کے فکرِ تارِ مسطر میں چراغ

پھیل جائے گی جو ظلمت نامۂ اعمال کی
میرا یہ داغِ ندامت ہوگا محشر میں چراغ

دل ڈورے ہیں جو چشم مست ساقی میں عیاں
ہیں طلسم حسن سے روشن یہ ساغر میں چراغ

دل کے پیمانے میں داغِ ہجر ساقی یہ نہیں
میکشو روشن کیا ہے میں نے ساغر میں چراغ

یوں خیالِ گلرخاں میں ہے منور داغِ دل / جل رہا ہو جسطرح پھولوں کی چادر میں چراغ

دیکھے ہو تم سمت پروانہ خجائے نہ یہ / پڑ رہ جائے جادوے چشمِ فسوں گر میں چراغ

یوں ہے افشاں میں عیاں پیشانیِ روشن تیری / ماہ کا جلتا ہو جیسے موجِ اختر میں چراغ

کر رہا ہے وصفِ آئینہ کا جو وہ شعلہ رو / ہے یہ گویا شکرِ احسان سکندر میں چراغ

رو ر روشن آئینے کا رخ نے جب کر دیا / عکسِ عارض نے جلایا چشمِ جوہر میں چراغ

یوں ہے دل کی خواہشوں میں داغِ حسرت کا ہجوم / جسطرح سے سیکڑوں جلتے ہوں لشکر میں چراغ

بیگمہ ہر شب لیا کرتا ہے پروانوں کی جاں / کیا جواب اسکا خدا کو دیگا محشر میں چراغ

دل میں جتنی ہو سکے داغوں کی کثرت خوب ہی / چاہیے افراط اللہ کے گھر میں چراغ

بزمِ ہستی میں نہ دیکھا پرتوِ روئے صنم / اس شبستاں میں نہ تھا میرے مقدر میں چراغ

غم کے شعلے یادِ عارض میں بھڑکتے رہتے ہیں
آج کل ہیں دشمنِ جاں بزمِ اکبر میں چراغ

عمر ۱۲ سال

آپ سے آتے ہو کب عشاق مضطر کی طرف / جذبِ دل یہ تم کو لایا ہے میرے گھر کی طرف

پوچھتا ہے جب کوئی اُٹھتے کسے ہے تمسے عشق
دیکھتے ہیں پیار سے ترسا کے اکبر کی طرف

اُٹھیں نگاہ سے اپنے حال ہی کی طرف / نظر اٹھا کے نہیں دیکھتے کسی کی طرف

توجہ اپنی ہو گیا مَیں شاعری کی طرف / نظر ہر ایک کی جاتی ہے عیب ہی کی طرف

لکھا ہوا ہے جو دو نام سے مقدر میں / خیال تک نہیں جاتا کبھی ہنسی کی طرف

تمہارا سایہ بھی جو لوگ دیکھ لیتے ہیں / وہ آنکھ اٹھا کے نہیں دیکھتے پری کی طرف

بلا میں پھنستا ہے دل سمت جاں جاتی ہے / خدا کسی کو نہ لیجائے اس گلی کی طرف

کبھی جو ہوتی ہے تکرار غیر سے ہم سے / تو دل سے ہوتے ہو در پردہ تم اسی کی طرف

نگاہ پڑتی ہے اُن پر تمام محفل کی
وہ آنکھ اُٹھا کے نہیں دیکھتے کسیکی طرف

نگاہ اُس بت خودبیں کی ہے مرے دل پر
نہ آئینہ کی طرف ہے نہ آرسی کی طرف

قبول کیجئے للہ تحفۂ دل کو
نظر نہ کیجئے اس کی شکستگی کی طرف

یہی نظر ہے جواب قاتلِ زمانہ ہوئی
یہی نظر ہے کہ اُٹھتی نہ تھی کسی کی طرف

ق
غریب خانہ میں للہ دو گھڑی بیٹھو
بہت دنوں میں تم آئے ہو اس گلی کی طرف

ذرا سی دیر ہی ہو جائے گی تو کیا ہوگا
گھڑی گھڑی نہ اُٹھاؤ نظر گھڑی کی طرف

جو گھر میں پوچھے کوئی خوف کیا ہے کہدینا
چلے گئے تھے ٹہلتے ہوئے کسی کی طرف

ہزار جلوۂ حسنِ بتاں ہوئے اکبر
تم اپنا دھیاں لگائے رہو اُسی کی طرف

سنہ ۱۸۷۱ء

کوئی پہونچا نہیں اے یار تیرے قدِ رعنا تک
ہماری فکرِ عالی سر و سے ہو آئی طوبیٰ تک

کبھی تشریف تو لائیں وہ مجھ محوِ تمنا تک
دلِ مشتاق کیا اُن پر فدا ہے جانِ شیدا تک

دبستانِ محبت میں ہوا حاصل نہ کچھ مجھکو
کتابِ عمر آخر ہو گئی حرفِ تمنا تک

گلستاں میں جو بلبل رنگِ گل پر جان دیتی ہو
نہیں پہونچی نظر اُسکی ترے رخسارِ زیبا تک

تری فکرِ کمر سے ہو گیا ہے اسقدر نازک
کہ مشکل سے پہونچتا ہے تصور نامِ عنقا تک

دلِ صد چاک آتا ہے نظر جو صورتِ شانہ
رسائی اسکی ہے شاید تری زلفِ چلیپا تک

گماں ہے کاروانِ جذبۂ دل کا مجھے اکبر
کنوئیں سے کھینچ لایا تھا جو یوسف کو زلیخا تک

نقابِ الٹیں اگر وہ عارضِ پرنور سے اپنے
شبِ یلدا کو سمجھے روزِ محشر چشمِ اعمیٰ تک

جو ہے طوقِ گلو گرداب تو زنجیر پا موجیں
تری الفت میں انساں کیا کہ دیوانہ ہے دریا تک

نہا کر آبِ آئینہ کیا ہے آسنے پانی کو
نگاہیں بے تکلف جا رہی ہیں قعرِ دریا تک

زمیں پر شمع روشن ہے فلک پر ماہِ تاباں ہے
تمہارے نور سے ہیں ضیا یاب ادنیٰ سے اعلیٰ تک

میں ہوں وہ رشکِ مجنوں جس سے وحشت کو بھی وحشت ہے
وہ ویرانہ ہے میرا جس سے گھبراتا ہے صحرا تک

کیا ہے عاشق اک بیدرد و تسکیں کا مجھکو قسمت نے
میں وہ بیمار ہوں جو جا نہیں سکتا مسیحا تک

وہ آئے بھی جو بالیں پر تو ایسے وقت میں آئے
کہ مر کر ضعف سے ہم کر نہیں سکتے تماشا تک

جو اُس نے تار سے پوچھا کہ تیری آرزو کیا ہے
خوشی سے یہ ہوئے بیخود کہ ہم بولے تمنا تک

نہ نکلیں اشکِ حسرت نزع میں ایسے بیکسی کیونکر
وہ بیکس ہوں کہیں نہیں ہے کوئی مجھ پہ رونیوالا تک

جو وصفِ صاحبِ معراج ہے پیشِ نظر اکبر
مری فکرِ رسا جاتی ہے اب عرشِ معلیٰ تک

عمرہ اسال

چشمِ عاشق سے گریں بحثِ دلِ بیتاب پہ اشک
آپ یوں دیکھیں تماشا مگر یہ سمانِ اشک

اپنے دامن پہ گرا کر کیوں اسے کرتے خراب
جانتے یکساں اگر ہم گوہرِ نایاب و اشک

جانبِ زنجیرِ گیسو پھر کھنچا جاتا ہے دل
دیکھئے اب میرے سر پہ کیا بلا لاتا ہے دل

لوگ کیونکر چھوڑ دیتے ہیں محبت و تمنا
میں تو جب یہ قصد کرتا ہوں مچل جاتا ہے دل

رکھ کے تصویرِ خیالی یار کی پیشِ نظر
رات بھر مجھکو شبِ فرقت میں تڑپاتا ہے دل

داغہائے سینۂ گل ہیں آہ سرد اپنی نسیم
گلشنِ ہستی میں کیا اچھی ہوا کھاتا ہے دل

بارگاہِ عشق کہئے تیرے دولت خانے کو
جو کوئی آتا ہے یاں تجھسے لگا جاتا ہے دل

خوف کے پردے میں چھپ جاتی ہے جانِ ناتواں
عاشقی کے معرکے میں کام آجاتا ہے دل

ساتھ ساتھ اپنے جنازے کے یہ چلّاتی تھی روح
اک کو مٹی میں ملانے کو لئے جاتا ہے دل

شیخ اگر کعبہ میں خوش ہے برہمن بتخانے میں
اپنے اپنے طور پر ہر شخص بہلاتا ہے دل

قصد کرتا ہوں جو اُٹھنے کا تو فرماتے ہیں وہ
اور بیٹھو دو گھڑی صاحب کہ گھبراتا ہے دل

یہ نہیں کہتے نہیں رہ جاؤ اب تم رات کو
بس انہیں باتوں سے اکبر میرا جل جاتا ہے دل

لکھتے ہیں کلکِ تصور سے ترے نام کو ہم
کام میں لاتے ہیں لوحِ دلِ ناکام کو ہم

بادہ نوشی میں بسر کرتے ہیں ایّام کو ہم
خطِ تقدیر سمجھتے ہیں خطِ جام کو ہم

شکل اس شوخ کی آنکھوں میں پھرا کرتی ہے
آنکھیں دکھلاتے ہیں اب گردشِ ایام کو ہم

نظر آتی ہے جو گلزار میں پھولوں کی بہار
یاد کرتے ہیں حسینانِ گل اندام کو ہم

آبِ حیواں کا اثر بادۂ گلرنگ میں ہے
لبِ جاں بخش سمجھتے لبِ جام کو ہم

گردشِ چشمِ حسیناں کا نہ کہیئے احوال
جانتے ہیں اثرِ گردشِ ایام کو ہم

ایک دن تم کو لبِ گور سے سنوا دینگے
کہہ نہیں سکتے ابھی عشق کے انجام کو ہم

رہتی ہے کارِ دو عالم سے ہمیں وحشت سی
نہیں معلوم یہاں آئے ہیں کس کام کو ہم

رہ چکے ہیں جو کبھی فصلِ بہاری میں اسیر
کانپ کانپ اٹھتے ہیں جب دیکھتے ہیں دام کو ہم

اجل سے وہ ڈریں جینے کو جو اچھا سمجھتے ہیں
یہاں ہم چار دن کی زندگی کو کیا سمجھتے ہیں

ہمیں ہے خاکساری میں بھی ڈر محسود ہونیکا
اسے بھی ہم غبارِ خاطرِ اعدا سمجھتے ہیں

کوئی کیا سمجھے الطافِ خفی انکارِ جاناں کے
یہ رمزِ لن ترانی حضرتِ موسیٰ سمجھتے ہیں

تمہاری ناخوشی کا ڈر ہمیں مجبور رکھتا ہے
نہیں تو اے صنم اغیار کو ہم کیا سمجھتے ہیں

یقیں کفّار کو آتا نہیں روزِ قیامت کا
اسے بھی وہ تمہارا وعدۂ فردا سمجھتے ہیں

جنوں زائل ہوا ہوش آگیا صحّت ہوئی ہمکو
بڑے عیّار ہو تم اب تو ہم اتنا سمجھتے ہیں

کسو سے کس سے کیوں سرگوشیاں کرتے ہو محفل میں
خبر بھی ہے کہ لوگ اپنے دلوں میں کیا سمجھتے ہیں

رہے سرسبز گلشن انکے بزمِ عیش و عشرت کا
نکل جاؤ نگاہیں مجھکو اگر کانٹا سمجھتے ہیں

نگاہوں کے اشاروں سے جو حکم اٹھنے کا ہوتا ہے
سمجھے بھی آپ کیا دردِ دلِ شیدا سمجھتے ہیں

میں اپنے نقدِ دل سے جنسِ الفت مول لیتا ہوں
اطبّا کو ذرا دیکھو اسے سودا سمجھتے ہیں

اسے ہم آخرت کہتے ہیں جو مشغولِ حق رکھے
خدا سے جو کرے غافل اسے دنیا سمجھتے ہیں

نثار اپنے تصوّر کے کہ جسکے فیض سے ہردم
جو ناپیدا ہے نظروں سے اسے پیدا سمجھتے ہیں

وہ ہمکو کچھ نہ سمجھے لے رقیب اختیار اُنکا
یہ تم کیوں خوش ہوتے ہو تمہیں کو ہم کیا سمجھتے ہیں

یہی رخ ہے کہ جسپر پھول کا اطلاق ہوتا ہے
یہی آنکھیں ہیں جنکو نرگس شہلا سمجھتے ہیں

تو وہ برقِ تجلی ہے کہ تیرے دیکھنے والے
ترے نقش کف پا کو ید بیضا سمجھتے ہیں

غزل اک اور پڑھ لے آج ایسے رنگ میں اکبر
کہ ارباب بصیرت جسکو عبرت زا سمجھتے ہیں

جو ایسی زندگانی کو حباب آسا سمجھتے ہیں
نفس کی موج کو موجِ لب دریا سمجھتے ہیں

گواہی دینگے روزِ حشر یہ سارے گناہ بھی
سمجھتا میں نہیں لیکن مجھے اچھا سمجھتے ہیں

شریکِ حال دنیا میں نظر آتا نہیں کوئی
نقطہ اک بیکسی ہے جسکو ہم اپنا سمجھتے ہیں

جو ہیں اہل بصیرت اس تماشا گاہِ ہستی میں
طلسمِ زندگی کو کھیل لڑکوں کا سمجھتے ہیں

معرّا ہوں ہنر سے میں سراپا عیب ہوں اکبر
عنایت ہے احبا کی اگر اچھا سمجھتے ہیں

شوقِ نظارہ کبھی دل سے نکلتا ہی نہیں
جی ہمارا اے ترے دیکھے بہلتا ہی نہیں

چین سے ہو بیٹھیا کیونکر نصیب اے ہمنشیں
جوشِ وحشت سے مزاج اپنا سنبھلتا ہی نہیں

وصل کے ایام میں کیا کیا دکھائے انقلاب
ہجر میں رنگِ فلک اب تو بدلتا ہی نہیں

کس غضب کا ہے معاذ اللہ طولِ روزِ ہجر
حشر مجھ پر ہو گیا لیکن یہ ڈھلتا ہی نہیں

ہر قدم پر دل پڑے ہیں حسرت پامال میں
اب زمیں پہ پاؤں رکھکر یار چلتا ہی نہیں

چند روز آیا تھا میری قبر پہ وہ شعلہ رو
اب تو مدت سے چراغِ گور جلتا ہی نہیں

ہمسے جیا جاتا تھا سو ہو لیکن ہوئی صبحِ فراق
موت کا جب وقت آ جاتا ہے ٹلتا ہی نہیں

بوسہ کیسا گالی دینے میں بھی انکو تحمل ہے
ان لبوں سے کام اپنا کچھ نکلتا ہی نہیں

صورتِ پروانہ جلکر خاک بھی میں ہو گیا
دل ترا اے شمع رو لیکن پگھلتا ہی نہیں

نخلِ حسرت وہ ہوں میں جسکو ہیں یکساں بہار و فصل
وہ ثمر ہوں باغِ عالم میں جو پھلتا ہی نہیں

وہ تمنا ہوں جو رہتی ہے ہمیشہ جی کے ساتھ	حوصلہ وہ ہوں جو دنیا میں نکلتا ہی نہیں
رنگ وہ ہوں جو زمانے کے یا ہر رنگ سے	وہ زمانہ ہوں جو رنگ اپنا بدلتا ہی نہیں
شوق وہ ہوں وسعتِ دل جسکے آگے تنگ ہے	حرفِ مطلب وہ ہوں جو منہ سے نکلتا ہی نہیں
دل وہ ہوں جسمیں چھپے ہوں خارِ حسرت سیکڑوں	خارِ حسرت وہ ہوں جو دل سے نکلتا ہی نہیں
نقد سودا وہ ہوں جو رائج نہیں بازار میں	سکۂ داغِ جنوں وہ ہوں جو چلتا ہی نہیں

شہداء

یہ مصرعہ چاہئے لکھنا بیاضِ چشمِ وحدت میں	خدا کا عشق ہے عشق مجازی بھی حقیقت میں
برنگِ حسن جو ہے جلوہ فرما اُن کی صورت میں	خمیرِ عشق بنکر ہے وہی میری طبیعت میں
اگر میں ڈوب جاؤں قلزمِ اشکِ ندامت میں	گناہوں کا سفینہ غرق ہو دریائے رحمت میں
بھریں گلہائے حسرت ہی سے دامانِ تمنا کو	جو آنکلے ہیں بہرِ سیرِ گلزارِ محبت میں

لکھا خونِ جگر سے صفحۂ دل پر اسے اکبر
اثر ممکن نہیں پیدا نہ ہو نقشِ محبت میں

گلے لگائیں کریں پیار تم کو عید کے دن	ادھر تو آؤ مرے گلعذار عید کے دن
غضب کا حسن ہے آرائشیں قیامت کی	عیاں ہے قدرتِ پروردگار عید کے دن
سنبھل سکی نہ طبیعت کسی طرح میری	رہا نہ دل پہ مجھے اختیار عید کے دن
وہ سال بھر سے کدورت بھری جو تھی دل میں	وہ دور ہو گئی بس ایکبار عید کے دن
لگا لیا انھیں سینہ سے جوشِ الفت میں	غرض کہ آہی گیا مجھکو پیار عید کے دن
کہیں ہے نغمۂ بلبل کہیں ہے خندۂ گل	عیاں ہے جوشِ شبابِ بہار عید کے دن
سویاں دودھ شکر میوہ سب مہیا ہے	مگر یہ سب ہے مجھے ناگوار عید کے دن
ملے اگر لبِ شیریں کا تیرے اک بوسہ	تو لطف ہو مجھے البتہ یار عید کے دن
مضمون سوزِ غم نہ ہو کیونکر چراغ میں	پروانوں کے پروں کا ہے دفتر چراغ میں

سو لطف حسن و عشق نہ کیونکر چراغ میں
ہے روشنی و سوز برابر چراغ میں

درگاہ و جانے والے ہیں پیرو کے ساتھ وہ
کیا جل رہا ہے آج تو گھر گھر چراغ میں

مژگاں کا عکس عارض روشن میں دیکھ لے
دیکھا نہ جس نے ہو کبھی خنجر چراغ میں

خورشید صبح نے تیرے جو بے نور کر دیا
کیا روشنی تھی صورت اختر چراغ میں

اس بت کے دل کا اس دل وحشی میں ہے خیال
ہے جس اتفاق سے پتھر چراغ میں

جلنا نصیب میں ہے تو ہو کچھ فروغ ہی
بتی کی جا ہے تن لاغر چراغ میں

پھیلی ہمارے سوز محبت کی داستاں
بتی پڑی جو شام سے گھر گھر چراغ میں

رنگینی اس کے عارض پر نور میں نہیں
ہے جادۂ بہار گل تر چراغ میں

داغ گناہ سے دل مومن کو کیا ضرر
ہوتی سیاہی بھی تو ہے اکبر چراغ میں

سودائی بھی مجھے جب واقف یقین ہے سمجھا ہوں
ازل سے کشتۂ تیغ نگاہ ناز قاتل ہوں

دلا کیونکر میں ہوں اس غیرت رشک کے مقابل ہوں
مجھے خورشید محشر دیکھ کر کہتا ہے میں تل ہوں

خم گیسو پہ اک رشک پری کے دل سے مائل ہوں
مجھے بھی ان دنوں سودا ہے دیوانوں میں داخل ہوں

نہیں معلوم اسکو تیری چتوں سے مقابل ہوں
مجھے واعظ سمجھاتا ہے کہ میں مرنے سے غافل ہوں

نگاہ ناز سے تم نے اگر دیکھا نہیں مجھ کو
تو پھر میں کیوں تڑپتا ہوں حقیقت میں جو بسمل ہوں

فغاں کیسی کہ حرف شکوہ بھی لب پہ نہ آئیگا
یہ جب تک تم نہ کہلوگے وفا کا تیری قائل ہوں

رہ الفت وہ کوچہ ہے قضا بھی جس سے ڈرتی ہے
قدم رکھتا ہے دل اس میں نثار ہمت دل ہوں

جو یوں میں لحظہ لحظہ داغ حسرت کی ترقی ہے
عجب کیا رفتہ رفتہ میں سراپا صورت دل ہوں

مدد اے رہنمائے گمرہاں اس دشت غربت میں
مسافر ہوں پریشاں حال ہوں گم کردہ منزل ہوں

یہ میرے سامنے شیخ و برہمن کیا جھگڑتے ہیں
اگر مجھ سے کوئی پوچھے کہوں دونوں کا قائل ہوں

گل مقصد سے سمجھا وہ نکلا داغ ناکامی
عروس باغ جہاں میں جو بد قسمت کا حاصل ہوں

سلہ مصرع طرح

اگر دعویٰ یکرنگی کروں ناخوش نہ ہو جانا
میں اس آئینہ خانے میں ترا عکسِ مقابل ہوں

توقع رہتی ہے ہر دم کہ دم لینے کی مہلت ہو
معاذ اللہ اپنی موت سے کس وجہ غافل ہوں

رسائی زلف نے پائی قدم تک اب وہ کیوں آئیں
بہانہ خوب ہاتھ آیا کہ پابندِ سلاسل ہوں

خبر لیتے ہیں اسکی جسکو بیگانہ سمجھتے ہیں
مجھے کب پوچھتے ہیں میں تو اک تحصیلِ حاصل ہوں

زمینِ شعر جس سے آسماں بنجائے لے اکبر
علوئے طبع سے ایسی غزل پڑھنے پہ مائل ہوں

جو لذت آشنائے دردِ الفت ہو میں وہ دل ہوں
اجل جسکو قیامت تک نہ آئیگی وہ بسمل ہوں

نصیب ایسے کہاں جو زینتِ فتراکِ قاتل ہوں
جسے صیاد نے دیکھا نہیں وہ صیدِ بسمل ہوں

پئے نظارہ جب سے عالمِ حیرت میں داخل ہوں
یہ مجبوری سے قاتل ہوں کہ شکلِ چشمِ بسمل ہوں

سنا کر وصفِ قاتل میں نے لاکھوں کو کیا بسمل
میں اس تعریف سے گویا زبانِ تیغِ قاتل ہوں

فضائے دہر ہے تنگ اپنی بیتابی کی وسعت سے
تڑپنے کی جگہ ملتی نہیں جسکو وہ بسمل ہوں

فنا ہے ہستیٔ موہوم میسر ہی بیقراری میں
دلِ بیتاب کے ہاتھوں سے میں تسکینِ بسمل ہوں

خوشی میں روح جامے سے رہیگی حشر تک باہر
لپٹکر جس سے قاتل رو رہا ہے میں وہ بسمل ہوں

توسل چاہتا ہوں جس سے وہ دامن بچاتا ہے
یہ عالم قتل کا میدان ہے میں خونِ بسمل ہوں

قضا کا وہم بھی جب جا نہ پہونچیگا قیامت تک
وہاں تیغِ نگاہِ نازِ قاتل سے میں بسمل ہوں

جو کی کچھ گفتگو پیرِ خرد نے راہِ الفت میں
کہا تقریر نے خاموش میں گم کردہ منزل ہوں

کہا یا بیخودی نے آئینہ جب میری ہستی کو
ہوا یہ صاف روشن وہ مجسم حق ہے میں باطل ہوں

عجب مضموں میں پیدا ہوا ہوں بیتِ ہستی میں
عبارت میں بہت آساں ہوں معنی میں مشکل ہوں

ثبوت اسکا مجھے بھی خود فراموشی سے یاد آیا
وہ دعویٰ کر رہے تھے شکلِ انساں کا میں حامل ہوں

ازل میں روبرو جاناں سے اشارہ تھا یہ مضموں کا
تمنا ہے کہ میں بھی تیری ہی صورت میں نازل ہوں

جو پوچھا نیستی ہستی میں کیونکر فرق ظاہر ہے
کمر نے یار کی ایما کیا میں حدِ فاصل ہوں

کرے یک قطرہ جسکا تجزیہ شور دو عالم سے
اسی جام شراب تند کا ساقی سے سائل ہوں

عیاں ہے رنگ داغ عشق میری خاکساری سے
گلستان محبت کا ہوں گل کو صورت گل ہوں

عجب مجموعہ میں ہوں سرکشی اور خاکساری کا
جو شعلہ باد و آتش سے تو آب و خاک سے گل ہوں

وہ داغ آرزو ہوں جس سے داغ امن بچاتا ہو
کوئی پہلو نہیں ملتا ہے گو دنیا میں وہ دل ہوں

تصور وہ ہوں جو ہر رنگ ہر تصویر جاناں کا
خیال یار سے ملکر بنا ہے جو میں وہ دل ہوں

جسے چشم تصور خواب میں بھی پا نہیں سکتی
سراپا چشم ہوکر میں اسی محمل میں داخل ہوں

رہ الفت میں آتی ہے یہی آواز دو ترع سے
کہ میں بھی اک شرار شعلۂ بیتابی دل ہوں

صدائے صور سے شور قیامت کا یہ ایما ہے
کہ میں بیساختہ اک نالۂ مستانۂ دل ہوں

وہ مضموں ہوں کہ جسکی ہر قطر تصویر بسمل ہے
حجاب حسن اٹھ جاتا ہے جس سے میں وہ محمل ہوں

اجل سے پوچھتا ہے سر بعش جو ابر آتا ہے
اجازت ہو اگر تیری تو پھر سینہ میں داخل ہوں

کہاں اس بحر سے جائینگے بچ کر گوہر مضموں
سخن دریا ہو پھر طبع رسا سے میں بھی ساحل ہوں

غزل ایسی پڑھوں جس سے بار بار یہ صدا نکلے
عروج فکر عالی ہوں نشان عشق کامل ہوں

وفور شوق قاتل سے نثار ہمت دل ہوں
امید مذبۂ دل سے مقیم کوئے قاتل ہوں

ہجوم آہ سوزاں سے خیال روئے جاناں سے
فروغ بزم ماتم ہوں چراغ خانۂ دل ہوں

حجاب روئے قاتل سے غم ناکامی دل سے
نگاہ چشم حسرت ہوں شہید بار قاتل ہوں

وفور شوق ماتم سے صدائے نالۂ غم سے
شکستہ حال حسرت ہوں شکست شیشۂ دل ہوں

ہوائے باغ عالم سے خزائے سحر غم سے
بقائے رنگ عشرت ہوں وداع روح بسمل ہوں

بلائے یاد گیسو سے خیال تیغ ابرو سے
ظہور جوش سودا ہوں گواہ حال بسمل ہوں

خیال حسن صورت سے ہجوم درد الفت سے
ہمائے اوج معنی ہوں نشان عشق کامل ہوں

ہوائے شعلۂ غم سے جفائے چرخ ظالم سے
چراغ داغ حسرت ہوں گرفتار غم دل ہوں

نسیم صبح عشرت سے فروغ شوق دولت سے
ہجوم خواب غفلت ہوں چراغ عمر غافل ہوں

لبِ پیمانۂ دل سے وفورِ شوقِ کامل سے
مریضِ لذتِ غم ہوں لبِ اظہار سائل ہوں

جفائے تیغِ فرقت سے خیالِ رازِ الفت سے
زبانِ حالِ بسمل ہوں سکوتِ شمعِ محفل ہوں

علوئے جوشِ مستی سے صفائے طبعِ عالی سے
فدائے فکرِ اکبر ہوں نثارِ شعرِ مشکل ہوں

درِ گنجینۂ اسرارِ معنی کھول دو اکبر
بس اب پیرِ خرد اقرار کرتا ہے کہ جاہل ہوں

کہیں دل ہوں کہیں میں باعثِ بیتابیٔ دل ہوں
کہیں اندازِ بسمل ہوں کہیں میں نازِ قاتل ہوں

کہیں تمکینِ خوبی ہوں کہیں ہنگامۂ الفت
کہیں رنگِ رخِ گل ہوں کہیں شورِ عنادل ہوں

کہیں جلوہ ہوں صورت کا کہیں ہوں شاہدِ معنی
کہیں ہوں محملِ لیلیٰ کہیں لیلائے محمل ہوں

کہیں عاشق کا مطلب ہوں کہیں معشوق کی خواہش
کہیں مجبورِ مطلق ہوں کہیں مختارِ کامل ہوں

کہیں ہوں شوقِ آزادی کہیں تدبیرِ پابندی
کہیں میں جوشِ سودا ہوں کہیں طوق و سلاسل ہوں

کہیں عمرِ دو روزہ ہوں کہیں ہوں آرزو دل کی
کہیں گھٹنے کے لایق ہوں کہیں بڑھنے کے قابل ہوں

کہیں جذبِ محبت ہوں کہیں دردِ دلِ عاشق
کہیں دل مجھ میں داخل ہے کہیں میں دل میں داخل ہوں

کہیں جوشِ اہلِ معنی کا کہیں جوشِ اہلِ صورت کا
کہیں شورِ انا الحق ہوں کہیں دعوائے باطل ہوں

کہیں ہوں حسن کا ایما کہیں ہوں درد کی لذت
کہیں قاتل کی چتوں ہوں کہیں چتون کا بسمل ہوں

کہیں ہوں صورتِ لیلیٰ کہیں حالِ دلِ مجنوں
کہیں چھپنے کے لایق ہوں کہیں کھلنے کے قابل ہوں

کہیں یاروں کی محفل میں کہیں ہنگامۂ دل میں
کہیں میں رندِ مشرب ہوں کہیں درویشِ کامل ہوں

کہیں تصویرِ حسرت ہوں کہیں محوِ پریشانی
کہیں ہوں شیفتہ رخ کا کہیں زلفوں کا مائل ہوں

معاون ہوں کسی جا میں کہیں امداد کا طالب
کہیں خضرِ ہدایت ہوں کہیں گم کردہ منزل ہوں

کہیں ہوں گوہرِ مقصد کہیں دامن تمنا کا
کہیں ہمت کریموں کی کہیں امیدِ سائل ہوں

کہیں ہوں ولولہ دل کا کہیں ہوں ضبط عاقل کا
روانی میں کہیں دریا کہیں رکنے میں ساحل ہوں

یہ دریائے معانی جوش پر ہے دل میں اے اکبر
مگر ساکت ہوں جب تک آپ میں آنے کے قابل ہوں

لگی ہے آگ الفت کی ہمارے رشتۂ جاں میں
جلا کرتے ہیں مثل شمع ہم بزم حریفاں میں

کرونگا جستجو مضموں کی وصف چشم جاناں میں
پھری کی مکر تکی کی طرح چشم غزالاں میں

پروئے یاس سے موتی جو اپنی زلف پیچاں میں
نظر آنے لگے شبنم کے قطرے سنبلستاں میں

کیا موزوں جو مطلع میں نے وصف روئے جاناں میں
نظر آنے لگا خورشید تاباں برج میزاں میں

نزاکت سے جو فرش گل پہ چلتے تھے گلستاں میں
اب انکی خاک اڑتی پھرتی ہے دشت و بیاباں میں

نہ کیونکر وحشت دل پر گماں ہو شوق موسیٰ کا
تجلی وادی ایمن کی ہے اپنے بیاباں میں

انہیں کی آنکھ سے ممکن ہے انکا دیکھنا اے دل
ہوں حیرت سے آئینہ نہ کیونکر بزم جاناں میں

غزالان ختن آپ کے منہ پر صدقے ہوتے ہیں
کبھی بیمار پڑتا ہوں جو یاد چشم جاناں میں

خزاں میں کیوں نہ ہو سرسبز نخل ماتم بلبل
عوض پانی کے جب حسرت برستی ہو گلستاں میں

تری زلف مسلسل دیکھکر ظاہر ہوا مجھکو
یہی زنجیر پائے دل کی ہر ہستی کے زنداں میں

اگر زنجیر پا ہوتی نہ الفت تیری زلفوں کو
نہ رہتے ہم سے دیوانے کبھی ہستی کے زنداں میں

اثر باقی ہے گردش قسمت کا باقی ہے
بگولا بن کے میری خاک اڑتی ہے بیاباں میں

خیال ہجر یاران وطن سے جان جاتی ہے
غضب ہے جوش آنا لے جنوں مجھکو بیاباں میں

زبان حال سے کہتا ہے میرا سبزۂ تربت
نشاں حسرت کا ہی نشو و نما بھی اس گلستاں میں

اسی مصرعہ پہ میں تو فصل گل میں وجد کرتا ہوں
تری قدرت سے کیا کیا گل کھلائے ہیں گلستاں میں

خزاں آتی ہے بلبل دیکھ لے اچھی طرح گل کو
خدا جانے کب آئے موسم گل پھر گلستاں میں

سناتا ہوں جو افسانہ کسی کی بزم عشرت کا
نسیم نو بہاری رقص کرتی ہے گلستاں میں

کرینگے حشر میں ظاہر جو ہم مجبوری الفت
ہمارا نامۂ اعمال ہوگا دست جاناں میں

سر خاک شہیداں عالم کہتی ہے حسرت
قدم رکھے بچا کر آئے جو شہر خموشاں میں

پئے تسلیم سر جھکتا تھا سرکا جنکے ابرو میں
انھیں کی خاک اب پامال ہو گور غریباں میں

پھر انکی شکل یاراں گذشتہ چشم گریاں میں
ہماری عمر رفتہ بھی کٹی گور غریباں میں

جمالِ حور کو کہتا ہے افزوں حسنِ انساں سے — کوئی عاشق بھی اُنکا زاہدا ہے باغِ رضواں میں

جب آنا موت کا ممکن نہیں جنت میں اے واعظ — تو پھر کس کام کے حوروں کے غمزے باغِ رضواں میں

نہ پوچھو حال کچھ چاہت کا اِن زہرہ جبینوں کی — فرشتوں تک کے ہیں دل ڈوبے ہوئے چاہِ زنخداں میں

کسی کو ہوتی کیا پروا بہار سے جیسے قمریکی — بسانِ سبزۂ بیگانہ ہم تھے اس گلستاں میں

نہیں سروِ سہی کو باغ میں اندیشۂ صرصر — غرض ہے راستی بھی خوب شیوہ اس گلستاں میں

ابھی تو موسمِ گل بھی نہ آیا تھا گلستاں میں — میں کیوں جامہ سے باہر ہو گیا شوقِ بیاباں میں

نظر آتا نہیں جز آہ کوئی مونس و ہمدم — بدلجاتی ہے دنیا کی ہوا شبہائے ہجراں میں

میں دیتا جاؤں یارانِ وطن کو کیا پتا اپنا — خدا جانے مجھے لیجاے وحشت کس بیاباں میں

سماں آنکھوں میں پھرجاتا ہے جب فصلِ بہاری کا — گلوں کو یاد کر کے خوب روتا ہوں گلستاں میں

وہ بالیں پر ہیں وقتِ نزع کیونکر اُنسے رخصت ہوں — نہیں طاقت اشارے کی بھی مجھ دم بھر کے مہماں میں

مزا کیا جب حسینوں نے اطاعت کی حکومت سے — نہیں کچھ لطف پریاں تھیں جو قابوے سلیماں میں

وفورِ اشک سے یوں ہیں ہرے داغِ جگر اپنے — چمن سرسبز ہو جاتا ہے جیسے فصلِ باراں میں

یقیں تھا گوہرِ آمرزگاری کے جو ملنے کا — دمِ آخر تلک ڈوبے رہے ہم بحرِ عصیاں میں

ہیں اپنے داغِ سینہ طعنہ زن خورشیدِ محشر پر — تماشا حشر کا ہے کوچۂ چاکِ گریباں میں

یہ مجھ دیوانے کی اکثر صدا آتی ہے زنداں سے — کھلا ہے خانۂ زنجیر کا در شوقِ مہماں میں

عجب کیا موسمِ سرما میں اے دل ٹھنڈی سانسوں کا — ہوائے سرد اکثر چلتی ہے فصلِ زمستاں میں

بقولِ رندؔ مہمانِ فلک میں بھی ہوں اے اکبرؔ
مری قسمت کا ٹکڑا ابھی ہر اُسکے خوانِ الوانمیں

پھر گئی آپ کی دو دن میں طبیعت کیسی — یہ وفا کیسی تھی صاحب یہ مروت کیسی

دوست احباب سے ہنس بول کے کٹجائیگی رات — رندِ آزاد ہیں ہمکو شبِ فرقت کیسی

جس حسیں سے ہوئی الفت وہی معشوق اپنا — عشق کس چیز کو کہتے ہیں طبیعت کیسی

جس طرح ہو سکے دن زیست کے پورے کر لو
چار دن کے لئے انسان کو حسرت کیسی

ہے جو قسمت میں وہی ہوگا نہ کچھ کم نہ سوا
آرزو کہتے ہیں کس چیز کو حسرت کیسی

حال کھلتا نہیں کچھ دل کے دھڑکنے کا مجھے
آج رہ رہ کے بھر آتی ہے طبیعت کیسی

کوچۂ یار میں جاتا تو نظارہ کرتا
قیس آوارہ ہے جنگل میں یہ وحشت کیسی

حسن اخلاق پہ بھی لوٹ گیا ہے میرا
میں تو کشتہ تری باتوں کا ہوں صورت کیسی

آپ بوسہ جو نہیں دیتے تو میں دل کیوں دوں
ایسی باتوں میں مری جان مروت کیسی

ہم یہ کہتے تھے کہ زینت بھی ہے معشوق کو شرط
کیوں نظر آتی ہے آئینہ میں صورت کیسی

سنتا ہوں چمن میں جو تری زمزمہ سنجی
یاد آتی ہے بلبل مجھے تقریر کسی کی

ملے ہر اک سے محبت مگر انھیں سے رہی
وہ عاشقانہ جو تھی اک نظر انھیں سے رہی

یہ کون بات پسند آگئی ہے غیروں کی
لگاوٹ آنکھ کی جو آٹھوں پہر انھیں سے رہی

چھوٹے دام بلا سے کبھی نہ اے اکبر
طبیعت الجھی ہوئی یوں اگر انھیں سے رہی

عمر ۱۹ سال ۱۸۶۳ء

بے تکلف بوسۂ زلفِ چلیپا لیجیے
نقد دل موجود ہے پھر کیوں نہ سودا لیجیے

دل تو پہلے لیجیے اس جان کے خواہاں ہیں آپ
اس میں بھی مجھ کو نہیں انکار اچھا لیجیے

پاؤں پڑ کر کہتی ہے زنجیر زنداں میں رہو
وحشت دل کا ہے ایماء راہِ صحرا لیجیے

غیر کو تو کر کے ضد کرتے ہیں کھانے میں شریک
مجھ سے کہتے ہیں اگر کچھ بھوک ہو کھا لیجیے

خوشنما چیزیں ہیں بازارِ جہاں میں بے شمار
ایک نقدِ دل سے یا رب مول کیا کیا لیجیے

کشتہ آخر آتشِ فرقت سے ہونا ہے مجھے
اور چندے صورتِ سیماب تڑپا لیجیے

فصلِ گل کے آتے ہی اکبر ہوئے بے ہوش آپ
کھولیے آنکھوں کو صاحب جامِ صہبا لیجیے

تصور سے غم فرقت کے اپنا جی دہلتا ہے
کہ یہ کمبخت آخر سینے سے دم لیکے ٹلتا ہے

خدا کی شان وہ میرا اٹھ پنا دل لگی سمجھیں
کسیکی جان جاتی ہے کسی کا جی بہلتا ہے

خیالِ زلف میں اے دل شب طے کر منزلِ الفت
اندھیری رات میں ناداں کوئی راہ چلتا ہے

وہ جوں جوں ہوتے ہیں ہشیار بڑھتی ہے مری وحشت
سنبھالیں ہوش وہ اپنا یہاں دل کب سنبھلتا ہے

مریضِ غم کیا کرتا ہے ضبطِ نالہ ہمت سے
مگر منہ زرد ہو جاتا ہے جب کروٹ بدلتا ہے

وصالِ یار کا وعدہ ہے کل اور آج موت آئی
کریں کیا اب مقدر پر کسی کا زور چلتا ہے

محبت اُنسے کر کے پھنس گئے ہیں ہم تو آفت میں
نہ دل قابو میں آتا ہے نہ اُنپر زور چلتا ہے

کیا کرتا ہوں اُس وصف اُسکے رخ روشن کا
مرا ہر شعر اکبر نور کے سانچے میں ڈھلتا ہے

شاعری رنگ طبیعت کا دکھا دیتی ہے
بوئے گل راہ گلستاں کی بتا دیتی ہے

سیرِ غربت کوئی حیلہ جو دکھا دیتی ہے
یادِ احباب وطن مجھکو رلا دیتی ہے

بیخودی پردۂ کثرت جو اُٹھا دیتی ہے
ہر طرف جلوۂ توحید دکھا دیتی ہے

آمدِ یاس پہ ہو قہر خدا کا نازل
رہروِ منزلِ الفت کو ڈرا دیتی ہے

ہو نہ رنگین طبیعت بھی کسی کی یارب
آدمی کو یہ مصیبت میں پھنسا دیتی ہے

نگہِ لطف تری بادِ بہاری ہے مگر
غنچۂ خاطرِ عاشق کو کھلا دیتی ہے

اچھی صورت میں بھی خالق نے بھرا ہے جادو
اپنے مشتاق کو دیوانہ بنا دیتی ہے

پوچھتا ہوں میں جو عبرت سے مآلِ ہستی
راستہ گورِ غریباں کا بتا دیتی ہے

نظر آتا جو نہیں نزع میں بالیں پہ کوئی
بیکسی اُن کے تغافل کو دعا دیتی ہے

کیا صفائی رخِ جاناں کی ہے اللہ اللہ
دیکھنے والوں کو آئینہ بنا دیتی ہے

دشمنِ اہل نظر ہے نگہ حسن پرست
الفتِ پاک کو بھی عیب لگا دیتی ہے

موت سے کوئی نہ گھبرائے اگر یہ سمجھے
کہ یہ دنیا کے بکھیڑوں سے چھڑا دیتی ہے

بدسلوکی تری لائق ہے جوانی مجھ پر ‖ مری تقدیر کو الزام لگا دیتی ہے
نگہ شوق سے کیونکر نہ گلوں کو دیکھوں ‖ ان کی رنگت ترے عارض کا پتا دیتی ہے
قید ہستی سے عبارت ہے آشیانۂ روح ‖ جان مشتاق کو جاناں سے چھڑا دیتی ہے
کشتہ ہوں مرگ حسیناں کی میں بیدردی کا ‖ خاک میں چاند سی صورت کو ملا دیتی ہے

مگر اکبر گل مضموں کا دکھا کر جلوہ
محفل شعر میں رنگ ایسا جما دیتی ہے

زیر گیسو روئے روشن جلوہ گر دیکھا کئے ‖ شان حق سے ایک جا شام و سحر دیکھا کئے
گل کو خنداں بلبلوں کو نوحہ گر دیکھا کئے ‖ باغ عالم کی دو رنگی عمر بھر دیکھا کئے
جنبش ابرو ہی کافی تھی ہمارے قتل کو ‖ آپ تو ناحق سوئے تیغ و تبر دیکھا کئے
صبر کر بیٹھے تھے پہلے ہی سے ہم تو جان زار ‖ عشق نے جو کچھ دکھایا بے خطر دیکھا کئے
دیکھیے اب کیا دکھائے قسمت بد بعد مرگ ‖ رنج و اندوہ و الم تو عمر بھر دیکھا کئے
جلوۂ عظمت سے دنگ ہو کے اہل عالم ہو بہو ‖ گو بہت نیرنگئ شام و سحر دیکھا کئے
حسرت و حرمان و اندوہ و غم و رنج و الم ‖ جو دکھایا آسماں نے عمر بھر دیکھا کئے
وعدۂ شب پر گمان صدق سے سوئے نہ ہم ‖ راہ اس پیماں شکن کی رات بھر دیکھا کئے
یاد میں رخسار تاباں صنم کی رات بھر ‖ دیدۂ حسرت سے ہم سوئے قمر دیکھا کئے

پیدا وہ جفا کے جو نئے ڈھنگ کریںگے ‖ تیغ نگہ ناز سے چو رنگ کریںگے
کافی ہیں وہ مستانہ نگاہیں وہ خط سبز ‖ اب ہم نہ کبھی شوق مئے و بنگ کریںگے
انکے دہن تنگ کا مضموں ہے نہ ملتا ‖ اب قافیۂ شعر کو ہم تنگ کریںگے
کر لیگا جگہ مثل شرر جد نہ الفت ‖ وہ سخت جو دل کو صفت سنگ کریںگے
دلداروں سے ملنے ہی تو پائینگے کبھی اے چرخ ‖ آراستہ پھر بزم نئے و چنگ کریںگے
نالے دل پر داغ کو سکھلائینگے موزوں ‖ طاؤس کو ہم مرغ خوش آہنگ کریںگے

کچھ زمزمہ سنجی ہی پہ موقوف نہیں لطف
نالے بھی کرینگے تو خوش آہنگ کرینگے

اُن سے تو کوئی صلح کی صورت نہیں بنتی
غیروں ہی سے دل کھول کے اب جنگ کرینگے

میلے ہیں حسینوں کے پریزادونکے جگھٹ
اب جا کے قیام اپنا لبِ گنگ کرینگے

راضی ہی نہ ہونگے وہ کسی طور تو کیا بس
تقدیر سے پھر کہئے تو کیا جنگ کرینگے

ارشاد جو ہوتا ہے کہ لکھ وصفِ دہن کچھ
معلوم ہوا آپ مجھے تنگ کرینگے

رنگینیٔ مضمون جو دل صاف میں ہوگی
شیشہ میں گمانِ مئے گلرنگ کرینگے

اکبر نہ ہو دمسازِ بُتاں بہرِ خدا تم
دل دو گے تو وہ جان کا آہنگ کرینگے

جب عشق کے نشہ میں چور رہے کیونکر کہیں نیک انجام رہے
مستو کی طرح گلیوں میں پھرے رندی میں کہیں بدنام رہے

اب ہم تو خدا کی عنایت سے اے عہد شکن آزاد ہوئے
پھنس جائینگے بہتونکے طائرِ دل زلفوں کا سلامت دام رہے

ملنا جو نہ تھا قسمت میں لکھا تدبیروں سے کچھ حاصل نہوا
نامونکی ہوئی تحریر بہت اک مدت تک پیغام رہے

مُنہ ترا دیکھ کے فوج رنگِ گلستاں ہو جائے
دیکھکر زلف کو سنبل بھی پریشاں ہو جائے

یادِ قامت میں جو میں نالۂ و فریاد کروں
پیشتر حشر کے یاں حشر کا ساماں ہو جائے

جلوۂ مصحفِ رخسار جو آجائے نظر
حسرتِ بوسہ میں کافر بھی مسلماں ہو جائے

آپ کے فیضِ قدم سے ہو بیاباں گلزار
باغ میں جائیے تو گلشنِ رضواں ہو جائے

ناز و انداز و ادا سے جو چلیں چال حضور
جس جگھ پاؤں پڑے گنجِ شہیداں ہو جائے

آفتِ گردشِ افلاک سے پاؤں جو نجات
گردشِ چشم مجھے گردشِ دوراں ہو جائے

آپ دکھلائیں جو اپنے رخِ رنگیں کی بہار
بو کے مانند ہوا رنگِ گلستاں ہو جائے

لاغر اسدرجہ ہوا ہوں کہ جو لیٹوں میں کبھی
تارِ بستر مجھے وسعت میں بیاباں ہو جائے

حسرتیں اس میں ہوا کرتی ہیں اکثر مدفوں
کیا عجب خانۂ دل گورِ غریباں ہو جائے

شباب جوش پہ ہے ولولے ہیں جوبن کے
کبھی وہ جھوم کے چلتے ہیں اور کبھی تن کے

جب اس کو رحم کچھ آیا حیا نے سمجھایا
گڑ گڑ گئی تقدیر میری بن بن کے

مرتیں غم کو ڈرایا کریں یہ پھر اتنا
قضا ہو دیکھ لے تیور تمہاری چتون کے

نگاہِ ناز سے سارا زمانہ بسمل ہے
ہمیں شہید نہیں تیری ترچھی چتون کے

کمر پہ یار کے رہتا ہے قبضۂ خنجر
شہید ہم تو ہوئے رشکِ تختِ آہن کے

اہلِ لوں یار کے کچھ دبی نشیں اور بھی ہے
جانتا ہے کہ نشست اُنکی کہیں اور بھی ہے

ایک دل تھا سو دیا اور کہاں سے لاؤں
کھوٹ کہئے تو میں کہہ دوں کہ نہیں اور بھی ہے

بازیچہ کیا کیجیے ہم سے اتنا
اسی انداز کا اک یارِ حسیں اور بھی ہے

غمِ فرقت میں بھی آج نہیں ملے جو موت
کیا کوئی صدمۂ جانِ حزیں اور بھی ہے

کہیو اس غیرتِ لیلیٰ سے یہ پیغام صبا
پہلوئے قیس میں اک وحشت نشیں اور بھی ہے

جان دینا مجھے لازم ہے اُسی دم دینا
تمہیں بتلاؤ یہ دستور کہیں اور بھی ہے

مرے بلوانے کا احسان جتاؤ نہ بہت
مہرباں ایک بتِ پردہ نشیں اور بھی ہے

ان ردیفوں میں غزل کیوں نہ ہو دشوار اکبر
ماترا شیدہ کوئی ایسی زمیں اور بھی ہے

اے جوشِ مرگ دل میں جو ارماں کے تو رہے
پھر کچھ ہوس رہے نہ کوئی آرزو رہے

فتنہ رہے فساد رہے گفتگو رہے
منظور سب ہے جو مرے گھر میں تو رہے

زلفیں بنالی چہرۂ رنگیں سے کیا ضرور
بہتر ہے مشک کی گلِ عارض میں بو رہے

ق
ہنگامِ نزع روح نے قالب سے یہ کہا
اس خاکدانِ تیرہ میں کیسے آبرو رہے

اب تک ترے سبب سے رہے ہم ملا نصیب
اب تا بہ حشر گور کے پہلو میں تو رہے

یہ اشک انفعال نہ خالی اثر سے ہوں
یارب ہمارے موتیوں کی آبرو رہے

بلبل رہا ہے طائرِ دل اس میں عمر بھر
سرسبز حشر تک چمنِ آرزو رہے

اے چشم عیب نرم نہیں رونا نہیں ہے جو
وہ بات کر کہ جس میں تری آبرو رہے

پیرِ مغاں کا سلسلہ دیکھئے ہو محتسب — امیدوار بیعتِ دستِ سبو رہے
ہر دم یہ انتظار کا ایما ہے ہجر میں — آنکھوں میں جائے اشکِ جگر کا لہو رہے
احباب کیا کریں گے ٹھہر کر مزار پر — بالیں پہ خاک اُڑانے کو ہاں آرزو رہے
خاطر تو تم نے آج بہت کی مگر حضور — کل پھر یہی نگاہ یہی گفتگو رہے

ہر چند دل سے یار کے جاتا نہیں غبار — رونے سے عاشقو نہیں مری آبرو تو ہے
ہوں میں تو رند مجھ کو تکلف سے کام کیا — پیمانہ ساقیا جو نہیں ہے سبو تو ہے
ہر چند میں غریب ہوں گو کچھ نہیں ہے پاس — لیکن ہزار دولتوں سے بڑھ کے تو تو ہے
ہم خوش رہیں بھلا دلِ ناداں سے کس طرح — ہو آپ کا یہ دوست ہمارا عدو تو ہے
زندہ جو تیرے ہجر میں ہوں میں تو کیا عجب — گو تو نہیں ہے پاس تری آرزو تو ہے
مجھ کو تو دیکھ لینے سے مطلب ہے ناصحا — بد خو اگر ہے یار تو ہو خوبرو تو ہے

جذبۂ دل نے مری تاثیر دکھلائی تو ہے — گھنگرووں کی جانبِ در کچھ صدا آئی تو ہے
عشق کے اظہار میں ہر چند رسوائی تو ہے — پر کروں کیا اب طبیعت آپ پر آئی تو ہے
آپ کے سر کی قسم میرے سوا کوئی نہیں — بے تکلف آئیے کمرے میں تنہائی تو ہے
جب کہا میں نے تڑپتا ہے بہت اب دل مرا — ہنس کے فرمایا تڑپتا ہو گا سودائی تو ہے
دیکھئے ہوتی ہے کب راہی سوئے ملکِ عدم — خانۂ تن سے ہماری روح گھبرائی تو ہے
دل دھڑکتا ہے مرا لوں بوسۂ رخ یا نہ لوں — نیند میں اُس نے دُلائی منہ سے سرکائی تو ہے
دیکھئے کب تک نہیں آتی گلِ عارض کی یاد — سیرِ گلشن سے طبیعت ہم نے بہلائی تو ہے
میں بلا میں کیوں پھنسوں دیوانہ بن کر اُس کے ساتھ — دل کو وحشت ہو تو ہو کمبخت سودائی تو ہے
خاک میں دل کو ملایا جلوۂ رفتار سے — کیوں نہ ہو اے نوجواں اک شانِ رعنائی تو ہے
یوں مروت سے تمہارے سامنے چپ ہو رہیں — کل کے جلسوں کی مگر ہم نے خبر پائی تو ہے
بادۂ گلرنگ کا ساغر عنایت کر مجھے — ساقیا تاخیر کیا ہے اب گھٹا چھائی تو ہے

ہنسی آتی ہے جو امرائی تھا کل اکبر تمہیں
آج ہم ہا کرائے دیکھتے ہیں رسوائی تو ہے

کیا ہی رہ رہ کے طبیعت مری گھبراتی ہے
وہ بھی چپ بیٹھے ہیں اعدا بھی چپ بیٹھے ہیں سب خاموش
کیوں نہ ہو اپنی نگاوٹ کی نظر پیار اس
بزم عشرت کہیں ہوتی ہے تو رو دیتا ہوں

موت آتی ہے شب ہجر میں [illegible] ہے
ایسی صحبت سے طبیعت مری گھبراتی ہے
ہاتھ ہوکر دلوں کو یہ لگاتا ہی ہے
کوئی گذری ہوئی صحبت مجھے یاد آتی ہے

رباعیات و قطعات وغیرہ

کھولی ہے زبان خوش بیانی کے لئے
اُٹھا ہے قلم گہر فشانی کے لئے
آیا ہوں میں کوچۂ سخن میں اکبر
نظارۂ شاہدِ معانی کے لئے

تائید و صنع ملت و دیں کی کروں گا میں
اہلِ زمانہ لاکھ ہنسیں مجھ غریب پر
ہوتا نہیں طبیب مداوا سے دستکش
سچ ہے اجل تو ہنستی ہے سعیِ طبیب پر

جب لطف و کرم سے پیش آئے محبوب
اگلے رنجوں کو بھول جانا اچھا
جب مثلِ نسیم وہ گلے سے لگ جائے
مانند کلی کے پھول جانا اچھا

کیا تم سے کہیں جہاں کو کیسا پایا
غفلت ہی میں آدمی کو ڈوبا پایا
آنکھیں تو بے شمار دیکھیں لیکن
کم تھیں بخدا کہ جن کو بینا پایا

اونچا نیت کا اپنی زینا رکھنا
احباب سے صاف اپنا سینہ رکھنا
غصہ آنا تو نیچرل ہے اکبر
لیکن ہے شدید عیب کینا رکھنا

غفلت کی ہنسی سے آہ بھرنا اچھا
افعال مضر سے کچھ نہ کرنا اچھا
اکبر نے سنا ہے اہلِ غیرت سے یہی
جینا ذلت سے ہو تو مرنا اچھا

رشوت ہے گلوئے نیکنامی کا چھرا
عیاشی ہے بدی کے پہیئے کا دھرا
ہر چند کہ بے محل خوشامد ہے بری
گستاخ مگر خوشامدی سے بھی برا

گذرا ہے مری نظر سے سب کا جلوا
سب سے بہتر ہے روز و شب کا جلوا
کہتا ہے عجم ـ عجم میں ہے جم موجود
کہدو کہ عرب میں دیکھ رب کا جلوا

وفا میں ثابت قدم رہنے کی ترغیب ۱

ہر چند محقق انقلابات رہا
چھوٹیں میں منزلیں قمرے اپنی
گھٹنے بڑھنے کا پیچ دن رات رہا
ذی رتبہ و صاحب مقامات رہا

آزادئ دیں کا گر قرار اچھا
ہر چند کہ زور بھی ہے اک خصلت بد
شرمندہ ہو دل میں وہ گنہگار اچھا
واللہ کہ بے حیا سے مکار اچھا

بے پردہ کل جو آئیں نظر چند بیبیاں
پوچھا جو اُن سے آپ کا پردہ وہ کیا ہوا
اکبر زمیں میں غیرت قومی سے گڑ گیا
کہنے لگیں کہ عقل پہ مردوں کی پڑ گیا

انقلاب جہاں کو دیکھ لیا
کل کلی کھل کے ہو گئی تھی پھول
محنت دنیا سے قلب پاک ہوا
پھول کمہلا کے آج خاک ہوا

تھا سر میں کمال، وہ تو سلطاں بنا
لذت طلبی سے جس بدی پہ جھکا
تھا دل میں جمال وہ مسلماں بنا
تھا پیٹ بہت حریص شیطان بنا

مذہب کو لیا تو بحث میں سر ٹوٹا
شکوہ ہم غیر کا کریں کیا اکبر
چاہی اصلاح تو خدا ہی چھوٹا
قسمت ہی نے ہمکو ہر طرح سے لوٹا

رسوا وہ ہوا جو مست پیمانہ ہوا
انگلینڈ سے نہ اپنا دماغ لایا نہ دولت
لیکن حوصلے پر وہ دیوانہ ہوا
محروم ادھر اُدھر سے بیگانہ ہوا

کریم حق پہ رکھ نظر اپنی
آسرا سب کا چھوڑ دے اکبر
جو عقیدہ ترا ہو ڈھیلا
وَتَبَتَّلْ اِلَیْہِ تَبْتِیْلاً

مجلس میں خیال بادہ نوشی پایا
مسجد میں اگرچہ امن تھا لے اکبر
مکتب میں سر سخن فروشی پایا
لیکن اک عالم خموشی پایا

کہنے کو تو شاہ سب ہیں معراج میں سب
لیکن کھولو جو چشم تحقیق اکبر
مالک دولت سبکے۔ مالک تاج ہیں سب
بے بس ہیں سب۔ خدا کے محتاج ہیں سب

جلوہ ارض و سما دکھلا کے ہے نیچر بھی چپ
بحث اسکی ذات میں کیوں کر رہا ہے فلسفی
لا الٰہ اور قل ہو اللہ کہہ کے پیغمبر بھی چپ
ایسے ایسے چپ ہیں یہ ہوتا نہیں اس پر بھی چپ

لا مذہبی سے ہو نہیں سکتی فلاحِ قوم
کعبے سے بت نکالدیے[۱] تھے رسولؐ نے
ہرگز گزر سکینگے نہ ان منزلوں سے آپ
اللہ کو نکال رہے ہیں دلوں سے آپ

کامل کم ہیں اور اہلِ ارشاد بہت
ہے بزمِ سخن کا حال یہ اے اکبر
ساحر کم ہیں ملیں گے صیّاد بہت
شاعر کم ہیں مگر ہیں استاد بہت

بندوں نے بھلا دیا ہے وہ عہدِ الست
کیا زید و بکر پہ معترض ہوتا ہے
نافہمی و حرص میں ہیں اکثر بدمست
اک گور پرست ہے تو اک زور پرست

پیری آئی ہوئی جوانی رخصت
ہے اب تو اسی کا انتظار اے اکبر
ساتھ اسکے وہ لطفِ زندگانی رخصت
ہمکو بھی کرے جہانِ فانی رخصت

تری معین فقط ہے خدا کی ذات اے دوست
طلب مدد کی نہیں انسے جو ہیں خود محتاج
خدا گواہ کہ سچی یہی ہے بات اے دوست
طلب مدد کی ہے بالصبر والصلوٰۃ اے دوست

تحریکِ ضرورتِ معیشت سے ہے بہت
خالق کے جمال کا تو سودا کم ہے
ترقی کو بھی اب خیالِ خلعت ہے بہت
اللہ کے نام کی تجارت ہے بہت

دنیا کرتی ہے آدمی کو برباد
دو ہی چیزیں ہیں بس محافظ دل کی
افکار سے رہتی ہے طبیعت ناشاد
عقبیٰ کا تصور اور اللہ کی یاد

حق نے جنھیں دی ہے فہمِ قرآن مجید
بدلے سو رنگ انقلابِ دنیا
ہونے کے نہیں وہ پیر گردوں کے مرید
ہر حال میں انکو ہے خدا ہی سے امید

کس نماند ست کہ در بیشہ شکارے بکند
این زماں ہمتِ مرداں بہ ہمیں محدود است
تیغ گیرد بہ کف و فتحِ دیارے بکند
زنے از پردہ بروں آید و کارے بکند

چھوڑ دہلی لکھنؤ سے بھی نہ کچھ امید کر
نظم میں بھی وعظ آزادی کی اب تائید کر

[۱] اشارہ ہے طرف کلمہ طیبہ لا الٰہ الا اللہ کے

صاف ہے روشن ہے اور ہے صاحبِ سوز و گداز ۔۔۔ شاعری میں بس زبانِ شمع کی تقلید کر

فرمان اجل کا آگیا وقت صدور ۔۔۔ ہو سکے کوئی دم میں شاملِ اہلِ قبور
دیکھیں منکر نکیر کیا کہتے ہیں ۔۔۔ یاں سب مجھے کہتے ہیں عدوِ حضور

دیکھیے اکبر کے آج کچھ اشعار ۔۔۔ آئی ہے پسند یہ گفتار
تجربہ خود ہے گا واعظِ دیں ۔۔۔ لیک بعد از خرابیِ بسیار

بیسود ہے یہ شکوہ و لحاظ خلق سیر ۔۔۔ افسوس ہے مخلصوں کو ادھر سے ہیں غیر
چلیے اسعد سے رب یسر کہکر ۔۔۔ ہو سکتی ہے تب امید تمت بالخیر

سکر میں شروع کے حیلے اہل عصر ہر ۔۔۔ اک امر ہے پوچھنا ہمیں انسے ضرور
ہے فہم و خرد کا تم کو دعویٰ یہ کہو ۔۔۔ پیدا ہوا مادے میں کیونکر یہ شعور

سید صاحب سکھا گئے ہیں جو شعور ۔۔۔ کہتا نہیں تم سے میں کہ ہو اس سے نفور
سوتوں کو جگا دیا انھوں نے لیکن ۔۔۔ اللہ کا نام لیکے اٹھنا ہے ضرور

لیجاؤں لحد میں اپنا اسلام بخیر ۔۔۔ لکھیں یارب ملک مرا نام بخیر
اسلام سے جسنے بیوفائی کی ہے ۔۔۔ پایا نہیں ہے اسکا انجام بخیر

ہو علم اگر نصیب تعلیم بھی کر ۔۔۔ دولت جو ملے تو اسکو تقسیم بھی کر
اللہ عطا کرے جو عظمت تجھکو ۔۔۔ جاہل ہیں اسکے انکی تعظیم بھی کر

یہ تمھی غلطی دیا جو معبود کو چھوڑ ۔۔۔ اصلاح یہ ہے نمود سے سود کو چھوڑ
سر ملت کا عافیت جو ہے اگر ۔۔۔ اللہ کے آگے جھکا اچھل کود کو چھوڑ

کہدو کہ میں خوش ہوں لکھوں اگر آپکو خوش ۔۔۔ بجلی چمکاؤں اور کروں بھاپ کو خوش
سیکھوں ہر علم و فن مگر عرض یہ ہے ۔۔۔ ہر حال میں رکھوں اپنے ماں باپ کو خوش

بیسود ہے گنج و مال و دولت کی تلاش ۔۔۔ ذلت ہے ماحصل جاہ و شوکت کی تلاش
اکبر تو سرورِ طبع کو علم میں ڈھونڈھ ۔۔۔ محنت میں کر سکون و راحت کی تلاش

؎ ایک انگریزی مدعی کہتا ہے کہ مسئلہ ڈاروِن کی سمجھ میں نہیں آیا۔

غالب انساں پہ خود پسندی ہے فقط
ہر ذرّہ دھر سے یہ آتی ہے صدا
مذہب کیا ہے گروہ بندی ہے فقط
نعمت ہے اگر تو عقلمندی ہی ہے فقط

ہے بادۂ صہبا کی نہایت تعریف
نااہلوں کو یہ کبھی لگاتا نہیں منہ
بے شبہ یہ ہے مہذب و پاک و لطیف
کہتے ہیں اسی سبب سے رمضاں کو شریف

تکمیل میں اُن علوم کے ہو مصروف
لیکن تم سے اُمید کیا ہو کہ تمہیں
نیچر کی جو طاقتوں کو کر دیں مکشوف
عہدہ مطلوب ہے وطن ہے مالوف

دیکھا مناظرہ کا بہت اُسنے رنگ ڈھنگ
کہتے بہت صحیح تھے یہ حضرتِ **مذاق**[1]
اکبر کے دل میں اب نہ رہی بحث کی اُمنگ
ایماں برائے طاعت و مذہب برائے جنگ

اہل حرص و طمع جو ذلیل ہوتے ہیں اُن پر طعن

ہے حرص و ہوس کے فن کی مجھکو تکمیل
ہیں نفس کی خواہشیں بہت مجھکو عزیز
غیرت نہیں میری بزمِ دانش میں دخیل
جب چاہیں کریں خوشی سے مجھکو وہ ذلیل

بے غیرت و خود فروش و جاہل سے نہ مل
یکجا کر دیں حوادثِ دھر اگر
حق سے جو ہو غافل ایسے غافل سے نہ مل
جائز ہے کہ اُن سے مل مگر دل سے نہ مل

دل ہو جو وسیع اور روشن ہو خیال
ساری دنیا ہے اُسکو پیاری **اکبر**
ہر رنگ دکھائے تجھکو خالق کا جمال
کہتا ہے کلم آل[2] جسکو حاصل ہے کمال

جب علم گیا تو شوقِ عزت معدوم
مسجد سے یہ آئی گوشِ **اکبر** میں صدا
دولت رخصت تو ذوقِ زینت معدوم
مذہب جو مٹا تو زورِ ملت معدوم

خواہانِ علم نہ طالبِ گنج ہیں ہم
لغزش ہو کوئی تو دوست فرمائیں معاف
بے کینہ و بے ریا و بے رنج ہیں ہم
آزاد ہیں مست ہیں سخن سنج ہیں ہم

انوار اس دور کے دل افسردہ ہیں کم
ہر چرب زباں نہیں ہے شمعِ اخلاص
گو یا کہ شمعیں بہت ہیں اور روشن ہیں کم
جلنے والے بہت ہیں دلسوز ہیں کم

[1] عالی جناب شیخ احمد حسین خان بہادر تعلقہ دار پریانواں۔ [2] Come All

اب تک کوئی ہسٹری تو ظاہر نہ ہوئی
شاید کہ یہی ترقیِ قومی ہے کہ
گذرے جاتے ہیں ہم پہ سال و مہ و یوم
ہر شخص سمجھا ہے خود بنا ہے اک قوم

رکھو جو مقابل اس کے سارا عالم
اس اک ذرّے میں ہے ہماری کیا اصل
دنیا سمجھا ہے ایک ذرّے سے بھی کم
نافہم ہیں کر رہے ہیں ناحق ہم ہم

مخلوط کرو نہ نفس و تحریر کو باہم
جو بھوک لگے زبان کو وہ ٹھیک نہیں
گو نفس نے بھی لیا ہے تحریر سے ختم
نامع وہ طعام ہے کہ طالب ہو شکم

پڑتا ہے توں سے ساعتِ چند کا کام
اللہ سے ہر نفس کا رہتا ہے لگاؤ
تمہید میں اسکی دولت و عمر تمام
دشوار ہے نفس پر عبادت کا کام

علم و حکمت میں ہو اگر خواہش ویلم
شادی نہ کرا اپنی قبل تحصیلِ علوم
سرکار کی نوکری کو ہرگز نہ کر ایم
تب ہو کر بری ہو خواہ وہ ہو کوئی بیم

بھولے جاتے ہیں ہسٹری بھی اپنی
سے دولت و جاہ بھی کسی پہ ہر روش
مذہب کو بھی ضعیف پاتے ہیں ہم
ظاہر یہ ہے کہ مٹتے جاتے ہیں ہم

اس بزم سے سب کے سب اُٹھے جاتے ہیں
اک قوتِ مذہبی عقیدوں سے تھی
تسکین کے جتنے تھے سب اُٹھے جاتے ہیں
وہ بھی تو دلوں سے اب اُٹھے جاتے ہیں

گر جیب میں زر نہیں تو راحت بھی نہیں
گر علم نہیں تو زور رہے سب بیکار
بازو میں سکت نہیں تو عزت بھی نہیں
مذہب جو نہیں تو آدمیت بھی نہیں

دنیا سے میل کی ضرورت ہی نہیں
درپیش ہے منزلِ عدم اے اکبر
مجھکو اس کھیل کی ضرورت ہی نہیں
اس راہ میں ریل کی ضرورت ہی نہیں

توحید انکے دلوں میں محفوظ نہیں
اس فرقہ کو میں نے دیکھا اکبر
اللہ کے ذکر سے وہ محظوظ نہیں
اسلام انکی نظر میں ملحوظ نہیں

تجھکو بھی جہاں میں کچھ تصرف ہے کہ نہیں
کوئی طاقت تری طرف ہے کہ نہیں

داخل ہے نمازیوں میں یا فوج میں سب ہے	آخر تیری بھی کوئی صفت ہے کہ نہیں
وہ رنگِ کہن تمہارے عاشق میں نہیں	اچھا ہوا اب وہ طرزِ سابق میں نہیں
الفت ثابت کرو عمل سے صاحب	واللہ کو دخل میری منطق میں نہیں
اردو میں جو سب شریک ہونے کے نہیں	اس ملک کے کام ٹھیک ہونے کے نہیں
ممکن نہیں شیخ ادرا رلقیں نہیں	پنڈت جی والمیکی[1] ہونے کے نہیں
کہا احباب نے یہ دفن کے وقت	کہ ہم کیونکر وہاں کا حال جانیں
لحد تک آپ کی تعظیم کر دی	اب آگے آپ کے اعمال جانیں
دلکش نہیں وہ حسیں جسے شرم نہیں	رونق نہیں اسکی جسکا دل گرم نہیں
سختی میں بھی ہو گداز طینت ہو جو صاف	پگھلی ہے برف گو کہ وہ نرم نہیں
سمجھے جو کوئی برا یہ مضمون نہیں	کوئی پہلو خلاف قانون نہیں
ہر چند کہ یہ مرض چکھاتا ہے بہت	شیطاں کا کوئی شخص ممنون نہیں
وہ شیر نہیں وہ صبر وہ ایمان ہیں کہاں	حسنِ عمل کے دل میں وہ ارمان ہیں کہاں
اک غل مچا ہوا ہے کہ مسلم ہیں خستہ حال	پوچھے ذرا کوئی کہ مسلماں ہیں کہاں
الفت اور ادب نہیں تو انسان نہیں	بے صبر و سکوں جو ہو تو ایمان نہیں
جو غیر خدا کو مانتا ہو قادر	اکبر سمجھا کہ وہ مسلمان نہیں
بیخود ہیں وہ جو دل سے ہیں اللہ کے خواہاں	ہیں مستِ نگاہِ بتِ دلخواہ کے خواہاں
آسودہ ہیں علم و ہنر و فن میں جو ہیں محو	چکر میں ہیں بس جاہ کے اور شاہ کے خواہاں
ہے صبر و قناعت اک بڑی چیز اکبر	لذت ابھی اسکی تو نے چکھی ہے کہاں
دنیا طلبی کے وعظ میں محو ہے تو	یہ بھی تو ذرا سمجھ کہ رکھی ہے کہاں
مشکل سے یہ حالتیں سمجھی جاتی ہیں	پھانسیں ہیں کہ قلب میں رہی جاتی ہیں
تفصیل نہ پوچھ ہیں اشارے کافی	یوں نہیں یہ کہانیاں کہی جاتی ہیں

[1] سنسکرت کا ایک بڑا مصنف

گردن خالق کے آگے جھکتی ہی نہیں
ہوتی نہیں ان میں کچھ بھی غیرت پیدا
اب ابتری ہے یہ قوم رُکتی ہی نہیں
اور بات اکبر کی ہے کہ چپکتی رہی نہیں

چیلیاں اک دوسرے کی وقت پر جڑتے بھی ہیں
ہندو و مسلم میں پھر بھی ایک اور کہتے ہیں سچ
ناگہاں غصہ جو آجاتا ہے لڑ پڑتے بھی ہیں
ہیں نظر آپس کی ہم ملتے بھی ہیں لڑتے بھی ہیں

اوروں کی کہی ہوئی جو دُہراتے ہیں
خود سوچ کے حسب حال مضمون نکال
وہ فونوگراف کی طرح گاتے ہیں
انساں یونہیں ترقیاں پاتے ہیں

کہنے سننے کی گرم بازاری ہو
ایسا سنئے کہ کہے واہ اُبھرے
مشکل ہے مگر آخر یہ لے دل میں
ایسی کہئے کہ بیٹھ جائے دل میں

لفظوں کے بیچ بھی اسمیں کھل جاتے ہیں
دل کو مطلق نہیں ترقی ہوتی
بیساختہ قافیے بھی مل جاتے ہیں
تعریف میں سر اگرچہ ہل جاتے ہیں

خاطر مضبوط دل توانا رکھو
ہو جائینگی مشکلیں تمہاری آساں
امید اچھی خیال اچھا رکھو
اکبر اللہ پہ بھروسا رکھو

اعمال کے حسن سے سنورنا سیکھو
مرنے سے مفر نہیں ہے جب اے اکبر
اللہ سے نیک امید کرنا سیکھو
بہتر ہے یہی خوشی سے مرنا سیکھو

تہذیب وہ ہے کہ رنگ مذہب بھی ہو
تزئین وہ ہے کہ خاکساری بھی ہو ساتھ
آزادہ وہ ہے کہ جو مؤدب بھی ہو
اسپیچ وہ ہے کہ اسمیں یارب بھی ہو

اللہ کا صدق دل سے جو طالب ہو
ہرگز نہ بڑھیں گے اس سے پیر کے مرید
حیرت نہیں گر ملک کا ہم قالب ہو
ممکن نہیں جسم روح پر غالب ہو

پھولتا جاتا ہے یورپ آسمانی باپ کو
برق گر جائیگی اک دن اور اڑ جائیگی بھاپ
بس خدا سمجھا ہے اسنے برق کو اور بھاپ کو
دیکھنا اکبر بچائے رکھنا اپنے آپ کو

اسلام ہی کو بس اپنی ملت سمجھو
بیگانہ روش ہیں اپنی ذلت سمجھو

خاموش رہو سمجھ کی قلت سمجھو	ہو اسکے خلاف رائے پر رکھے اکبر
اُسمیں شرکت کو اپنی ذلت سمجھو	جس بات میں تم شکستِ ملت سمجھو
قومی غیرت کی اُسمیں قلت سمجھو	جو بندۂ نفس ہو مخالف اس کا
لیکن قرآن کی بھی تفسیر پڑھو	کچھ منع نہیں ہر اک کی تحریر پڑھو
خالق کا کرو خیال تکبیر پڑھو	عظمت دنیا کی جب دبائے دل کو
باتیں جو بری ہیں اُنسے پرہیز کرو	حاصل کرو علم طبع کو تیز کرو
اس میں کیا ہے کہ نقلِ انگریز کرو	قومی عزت ہے نیکیوں سے اکبر
گلچیں ہو اگر تو خار و خس جانے دو	دنیائے دنی کی یہ ہوس جانے دو
اللہ کو اپنے دل میں بس جانے دو	مالک کے بغیر گھر کی رونق نہیں کچھ
غالب ہے اسکی بات خاموش رہو	شیطان واعظ ہے پنبہ در گوش رہو
مستی کی ہوس نہ ہو تو بیہوش رہو	بدلا پاتا ہوں مجلسِ دہر کا رنگ
اپنی اپنی روش پہ تم نیک رہو	کہتا ہوں میں ہندو و مسلماں سے یہی
موجوں کی طرح لڑو مگر ایک رہو	لاٹھی ہے ہوائے دہر پانی بن جاؤ
تہ میں کو تہ کرو زمیں جو تو	اے جد بزرگ کے نواسو پوتو
اللہ مدد کرے گا ویسے ہو تو	کیا رٹتے ہو اپنی ہسٹری کو ہر وقت
دولت تری خادمہ ہو سمجھو یہ نہ ہو	شہوات کی پیروی کا منصوبہ نہ ہو
لیکن بہ تکلفاتِ مطلوبہ نہ ہو	شہرت جو کمال سے ہو پیدا ہو جائے
من ترا حاجی بگویم تو مرا حاجی بگو	لوگ ہنستے ہیں جو بیش آتی ہے یہ حالت کبھی
من ترا باجی بگویم تو مرا باجی بگو	لیکن اخلاق کی نظر میں اس سے تو بہتر ہے وہ
محسوس نہیں ہے اپنی خامی تم کو	ہو لی ہے نصیب تلخ کامی تم کو
ہے اپنے ہی نفس کی غلامی تم کو	اغیار نہیں بنا سکے تم کو غلام

تدبیر کریں تو اُس میں ناکامی ہو
تقدیر کا نام لیں تو بدنامی ہو
القصہ عجیب مخمصے میں ہیں ہندی
یورپ کا خدا کہاں ہے جو حامی ہو

معنی کو بھی مدرسہ کھیئے ترغیب ہی یہ
کس سے میں کہوں کہ دل کی تخریب ہے یہ
شیطاں کو رجیم کہدیا تھا اک دن
اک شور مچا خلاف تہذیب ہے یہ

ہے عقلِ بشر بھی تابعِ حکمِ خدا
بیفائدہ سب میں بحث و تقریر ہے یہ
تدبیر کے باب میں ہے اک گوشہ
کہدو اکبر کہ خود تقدیر ہے یہ

مرد کو چاہئے قائم رہے ایمان کے ساتھ
تا دمِ مرگ رہے یاد خدا جاں کے ساتھ
میں نے مانا کہ تمہاری نہیں سنتا کوئی
سر ملانا تمہیں کیا فرض ہے شیطان کے ساتھ

مسکیں ہو گدا ہو یا ہو شاہ ذی جاہ
بیماری و موت سے کہاں کسکو پناہ
آہی جاتا ہے زندگی میں اِک وقت
کرنا پڑتا ہے سب کو اللہ اللہ

خوبی طاعت کی ہے مسلّم اب بھی
عزت اسکی نہیں ہوئی کم اب بھی
خود بین و حریص و جنگجو ہو نہ اگر
واعظ کی نظر میں ہے مکرم اب بھی

رغبت جو دلائی وسعتِ مشرب کی
شامل اسمیں غرض تھی بیشک سب کی
لیکن تبدیل و منع و نقلِ مناسخ
ہے بعض کی بات اور اپنے ہی مطلب کی

مذہب ہے کم ترقی یورپ کے سامنے
معذور خاکسار بھی ہے اور خراب بھی
لیکن وہ آفتاب ہے اور یہ مثلِ ابر
ابرِ غلیظ سے ہے نہاں آفتاب بھی

راحت کا سماں سدا تو غفلت بھی ہوئی
حسرت کا کھیا جو سبیں عبرت بھی ہوئی
دنیا میں جسے جو پیش آیا اکبر
بس اُسکے مطابق اُسکی حالت بھی ہوئی

تحصیل علوم گرچہ دولت ہے یہی
اخلاق درست کر کہ زینت ہے یہی
اکبر کی یہ بات یاد رکھ اے عشرت
محفوظ ہو معصیت سے عزت ہے یہی

تسبیح و دعا میں جسے لذت پائی
اور ذکر خدا سے دل نے راحت پائی

کوئی نہیں خوش نصیب اس سے بڑھکر
بس دونوں جہان کی اسنے نعمت پائی

روزی بھی ملی جائے مال و دولت نہ سہی
راحت ہو نصیب شان و شوکت نہ سہی
گھربار میں خوش رہیں عزیزوں کے ساتھ
دربار میں باہمی رقابت نہ سہی

رازِ بتِ شوخ کی خبر بھی نہ ملی
دل کیا ملتا کبھی نظر بھی نہ ملی
کیا وصل کا جو معاملہ کریں پیش رقیب
جن کو اسوقت تک کمر بھی نہ ملی

کمیٹیوں سے نہ ہوگا کچھ بھی نہ حق اگر شرکت ہوگی
خیالِ ملت نہ ہوگا جبتک مفید ہرگز یہ بکت ہوگی
بہت سجا نوٹ لکھ گئے ہیں لیجیئے یہ بھی یقین بھائی نانک
غذا نہ ہوگی تو کیا جیوگا دیا کرو تم ہزار ٹانک

خواہش ہے اگر تجھے غنی بننے کی
دولت کی ہوس ہے اور دھنی بننے کی
شخصی حالت کو چھوڑ کر سنے ہندی
کوشش لازم ہے کمپنی بننے کی

گوکہ رُک سکتی نہیں یہ نقل و صنعِ مغربی
پھر بھی کامل طور پر ممکن نہیں ہم تابعی
اپنی تاریخ اپنی ملت سے رہو تم باوفا
بندگی تم کو مبارک صاحبوں کو صاحبی

دیکھے جو حوادث سماوی ارضی
قایم کرلیں ہیں تو نے باتیں فرضی
ہوا ہے خدا کو تو ذرا غور تو کر
زندہ رکھتی ہے تجھکو کس کی مرضی

وہ شوکت و شانِ زندگانی نہ رہی
غیرت کی حرم میں پاسبانی نہ رہی
پردہ اٹھا تو کھل گیا اے اکبر
اسلام میں اب وہ لن ترانی نہ رہی

حصہ حریص کا ہے بیدینی و غلامی
قانع کے واسطے ہے اعزاز و نیکنامی
محنت ہی کے لئے ہے تفریح قلب و روزی
مقبول ہندوستاں ہے اکبر کی خوش کلامی

ہر ایک کو نوکری نہیں ملنے کی
ہر باغ میں یہ کلی نہیں کھلنے کی
کچھ پڑھ کے تو صنعت و زراعت کو دیکھ
عزت کے لئے ہے کافی لے دل نیکی

بارہا جوشِ جنوں میں مجھے آیا ہے خیال
کہ تماشا ہے یہ ہنگامہ نیکی و بدی
نظرِ عشق میں ہے زندگی و موت اکبر
اضطرابِ نفسِ چند و سکونِ ابدی

یہ زینت دنیا ہے کہ مٹی پہ ہے پتی
گوشِ شنوا ہو تو سنو اُسکے ترانے
بچوں کے سوا کون ہو اسکا تمنی؟
اس بزم میں اکبر سا نہیں کوئی غنی

اس عہد میں یہی ہے بس داخلِ نکوئی
شوقِ عمل نہیں ہے فکرِ اجل نہیں ہے
مذہب پہ نکتہ چینی ملت کی عیب جوئی
ناصح بنے ہیں اکثر عابد نہیں ہے کوئی

منظور اے دل ہماری عرضی ہوگی
اس دورِ ما میں ہوگی لیکن جو بات
اُس وقت کہ جب خدا کی مرضی ہوگی
وہ صرف برائے نام و فرضی ہوگی

تاثیر ہوئی باغ پرستی نہ گئی
ہوتے ہی رہے جمال دلکش پیدا
صورت کی ادا نظر کی مستی نہ گئی
طبع انساں سے بت پرستی نہ گئی

سوچو کہ آگے چلکر قسمت میں کیا لکھا ہے
ہشیار رہ کے پڑھنا اس جہاں میں نہ پڑنا
دیکھو گھروں میں کیا تھا اور آج کیا نیا ہے
یورپ نے یہ کہا ہے یورپ سے وہ کہا ہے

رکتا نہیں انقلاب چارہ کیا ہے
تسکیں کے لئے مگر ہے کافی یہ خیال
حیراں ہیں ملک شر بچارا کیا ہے
جو کچھ ہے خدا کا ہے ہمارا کیا ہے

غنچہ ہنستا ہے دل گرفتہ پہلے؛
کہتی ہے نسیم آ کے رازِ فطرت
رنگِ چمن فنا سے گھبراتا ہے
سنتے ہی پیامِ دوست کھل جاتا ہے

ہنگامۂ شکر و شکوہ دنیا میں ہے گرم
کھلتا نہیں راز جدھر شکوہ ہے تو یہ
لیکن مرے دل سے یہ صدا آتی ہے
اور شکر یہ ہے کہ موت آجاتی ہے

انساں یاست سے دلوں کو ملا سکے
ہم تو اسی کو علم سمجھتے ہیں کام کا
یا کوئی شے مفید خلائق بنا سکے
پڑھنے کو مستعد ہیں جو کوئی پڑھا سکے

تونے دل دہر سے ملا رکھا ہے
کیا خود زندہ ہے اپنی طاقت سے تو
قائم غفلت کا سلسلہ رکھا ہے
آخر کس نے تجھے جلا رکھا ہے

قرآں میں ہمیں خدا نے سمجھایا ہے
شیطاں نے فلسفے میں الجھایا ہے

قسمت اب دیکھئے ہے دل کی اکبر
معلوم نہیں کہ یہ کدھر آیا ہے

دُنیا نے دین کو بھلا رکھا ہے
غفلت کی نیند میں سلا رکھا ہے
اس دَور میں خوش نصیب وہ ہے اکبر
جس نے قرآن کو لگا رکھا ہے

ہر حال میں بہرِ روح انسب وہ ہے
اللہ و رسول کا بھی مطلب وہ ہے
قرآن کو غور سے پڑھو اور سمجھو
اکبر بخدا کہ جانِ مذہب وہ ہے

سنہ ۱۸۷۶ء

لکچر سے ہے نہ کچھ خیالات سے ہے
تہذیب سے ہے نہ ترکِ عادات سے ہے
اکبر بخدا یہ کامیابی ساری
تقدیر سے اور اتفاقات سے ہے

دُنیا سے دنی محلِ آفات بھی ہے
فکرِ روزی مخلّ اوقات بھی ہے
طرہ پھر اس پہ یہ کہ مرنا بھی ضرور
جیتا رہے آدمی تو اک بات بھی ہے

انساں میں معتبر لیاقت بھی ہے
محسوب اس وزن میں وجاہت بھی ہے
اندازِ سخن سے بھی ہے اندازۂ طبع
ایک جزو قوی مگر شرافت بھی ہے

دولت وہ ہے جو عقل و محنت سے ملے
لذّت وہ ہے کہ جوشِ صحت سے ملے
ایماں کا ہو نور دل میں وہ راحت ہے
عزت وہ ہے جو اپنی ملّت سے ملے

آپس میں موافق رہو طاقت ہے تو یہ ہے
دیکھو نہ بہم عیب محبت ہے تو یہ ہے
صحت بھی ہو روزی بھی ہو دل کو بھی ہو تسکیں
دُنیا میں بشر کے لئے نعمت ہے تو یہ ہے

حاسد تجھ پر اگر حسد کرتا ہے
کر صبر کہ خود وہ کار بد کرتا ہے
اپنی پستی کو کر رہا ہے محسوس
اور تیری بلندیوں سے کد کرتا ہے

انبساطِ نفس الگ ہے۔ روح کا وجد اور ہے
دشت وحشت اور ہے اور وادیٔ نجد اور ہے
ہو جو باطن کی ترقی تجھ کو منظورِ نظر
یاد رکھ اکبر تکبر اور ہے مجد اور ہے

ارماں نہ شراب و بزمِ شاہد کا ہے
ساماں نہ محافل و مساجد کا ہے

اکبر کو ہے اُنس کنجِ تنہائی سے
دھیان اسکو فقط خدائے واحد کا ہے

کچھ شک نہیں کہ خلق سے ملنا ضرور ہے
جو اس سے اختلاط کرے حق سے دور ہے
لیکن خدا کے واسطے خلقِ خدا سے مل
سمجھے گا اس کو وہ کہ جو اہلِ شعور ہے

انسان جو عمر ختم کر چکتا ہے
خوش ہو چکتا ہے آہ بھر چکتا ہے
فانی دُنیا کا دیکھ لیتا ہے رنگ
زندہ جو رہا بھی وہ تو مر چکتا ہے

سُنئیے حکمت جو میری گفتار میں ہے
اک خاص ادب ہر ایک سرکار میں ہے
پروانے نے شمع سے لپٹنا چاہا
پہلے تھا نور میں اور اب نار میں ہے

شیطاں سے دل کو ربط ہو جاتا ہے
دشوار انساں کو ضبط ہو جاتا ہے
حد سے جو سوا ہو حرص یا خود بینی
اکثر یہ ہے کہ خبط ہو جاتا ہے

جسکو خدا سے شرم ہے وہ ہے بزرگِ دیں
دُنیا کی جسکو شرم ہے مردِ شریف ہے
جسکو کسی کی شرم نہیں اسکو کیا کہوں
فطرت میں وہ رذیل ہے دل کا کثیف ہے

اللہ کا حق اگر تلف ہوتا ہے
اسکے لئے کون سر بکف ہوتا ہے
دُنیا طلبی میں ہے یہ ہنگامہ و شور
حاصل پھر اس سے کیا شرف ہوتا ہے

خلقت جو کہیں ذلیل ہو جاتی ہے
بے غیرت و بے دلیل ہو جاتی ہے
گو جسم میں ظاہرا توانائی ہو
اخلاق میں وہ علیل ہو جاتی ہے

دُنیا کو بہت ذلیل پایا میں نے
بے غیرت و بے دلیل پایا میں نے
اخلاقی پہلوؤں سے جانچا اکبر
شدت سے اُسے علیل پایا میں نے

افسوس سفید ہو گئے بال ترے
لیکن ہیں سیاہ اب بھی اعمال ترے
تو زلفِ بتاں میں مبتلا ہے اب تک
دُنیا پہ ہنوز پڑتے ہیں حال ترے

ہیں وعدۂ خالقِ دو عالم سچے
قرآں سچا رسولِ اکرم سچے
اے منکرِ دیں قیامت آنی ہے ضرور
کہدینگے وہاں کہ دیکھ لے ہم سچے

جب واقعاتِ اصلی پیشِ نظر نہ آئے
الفاظ نے سنو کر اپنے قدم جمائے

شاعر نے کام رکھا تحسین و آفریں سے
نیچر نے کی گذارش رخصت ہوئیں یہیں سے

ایسے بھی ہیں خلق جنکو فرعون کہے
ہیں نام بنام تمسے کہتا اکبر

ایسے بھی جنہیں محمد و عون کہے
نازک ہے اگر معاملہ کون کہے

ہر چند کہ کوٹ بھی ہے پتلون بھی ہے
لیکن یہ میں تجھ سے پوچھتا ہوں ہندی

بنگلہ بھی ہے پاٹ بھی ہے صابون بھی ہے
یورپ کا تری رگوں میں کچھ خون بھی ہے

دولت بھی ہے فلسفہ بھی ہے جاہ بھی ہے
سب سے قطعِ نظر ہے مشکل لیکن

لطفِ حسنِ بتانِ دلخواہ بھی ہے
اتنا سمجھے رہو کہ اللہ بھی ہے

مذہب کی کہوں تو دل لگی میں اڑ جائے
باقی سرِ قوم میں ابھی ہے کچھ ہوش

مطلب کی کہوں تو پالسی میں اڑ جائے
غالب ہے کہ یہ بھی اس صدی میں اڑ جائے

اعلیٰ مقصود چاہئے پیشِ نظر
فرہاد پہاڑ پر عمل کرتا تھا

کوشش تری گو ہو لطف ذاتی کیلئے
شیریں کے لئے کہ ناشپاتی کے لئے

مذہب قانون و قوم کا بانی ہے
توہین اک دوسرے کی کرتے ہیں جو لوگ

خالص طاعت عروج روحانی ہے
یہ جہل ہے یا ہوائے نفسانی ہے

ہمدرد ہوں سب یہ لطف آبادی ہے
تسکین ہے جب کہ ہو خدا پر تکیہ

ہمسایہ بھی ہو شریک تب شادی ہے
قانون بنا سکیں تب آزادی ہے

آگاہ ہوں معنیِ خوش اقبالی سے
شرطیں عزت کی اور ہیں اے اکبر

واقف ہوں بنائے رتبۂ عالی سے
چلتا نہیں کام صرف نقالی سے

ایماں و حواس و حق پرستی کیا ہے
لاریب یہ سب ہے ایک ہستی کا ظہور

یہ غفلت و کفر و جوش مستی کیا ہے
یہ مجھسے نہ پوچھ پھر وہ ہستی کیا ہے

جینا تھا جسقدر ہمیں دنیا میں جی لئے
ساغر کسی طرح کے ملے اور پی لئے

غم بھی رہا خوشی بھی تحیّر بھی شکر بھی
جاتے ہیں اب کہ آئے تھے ہم بس اسی لئے

طاقت وہ ہے نام جو سلطانی ہے
اُس جا ہی تلک جہاں زباں دانی ہے
تعلیم وہ خوب ہے جو سکھلائے ہنر
اچھی وہ تربیت جو روحانی ہے

انساں چاہیے جو بات اچھی چاہے
بدیوں سے محترز ہو۔ نیکی چاہے
شیطاں سے وہ فلاسفی ہے منسوب
جسکا مطلب ہے۔ کر وہ جو جی چاہے

ناکیر گئے نفس کی دشمن سے ہے
انساں کو خراب کرنیوالی شے ہے
شیطاں کی ہے پرائیوٹ سکرٹیری
مسلم اور اسکو منہ لگائے ہے ہے

یہ دربار ہے خالق دو جہاں کا
اور اپنا سکہ بٹھائے ہوئے ہے
نہ سمجھو کہ حاضر نہیں حق تعالےٰ
یہ عالم خود آنکھیں جھکائے ہوئے ہے

اوہام کے ہاتھ سے۔ ایذا سہئے
مردوں کے نہیں خدا کے ہو کر رہئے
ہے پیش نگاہ جلوۂ ارض و سما
سبحان اللہ جوش دل سے کہئے

چیخے۔ چلائے۔ کودے۔ اُچھلے ٹھلے
پھر پھر کے وہیں رہے جہاں تھے پہلے
حالت تو وہی ہے بلکہ اُس سے بدتر
یوں منہ سے جو جسکے دل میں آئے کہلے

غلط فہمی بہت ہے عالمِ الفاظ میں اکبر
بڑی مایوسیوں کے ساتھ اکثر کام چلتا ہے
یہ روشن ہے کہ پروانہ ہے جسکا عاشق صادق
مگر کہتی ہے خلقت شمع سے پروانہ جلتا ہے

تعلیم بھی پائی سب کے پیارے بھی ہوئے
دُنیا کو بھی خوش کیا ہمارے بھی ہوئے
لیکن جو یہ نورِ طبع پایا نہ گیا
پھر کیا تم عرش کے جو تارے بھی ہوئے

——⊳⊳✕⊲⊲——

پیپنیز یعنی قطعات

جلوۂ دربار دہلی

سر میں شوق کا سودا دیکھا
دہلی کو ہم نے بھی جا دیکھا
جو کچھ دیکھا اچھا دیکھا
کیا بتلائیں کیا کیا دیکھا

نظم ہے مجھکو بادۂ صافی
شغل یہی ہے دل کو کافی
مانگتا ہوں یاروں سے معافی
خیر اب دیکھئے لطفِ قوافی

جمنا جی کے پاٹ کو دیکھا
اچھے ستھرے گھاٹ کو دیکھا
سب سے اونچے لاٹ کو دیکھا
حضرت ڈیوک کناٹ کو دیکھا

پلٹن اور رسالے دیکھے
گورے دیکھے کالے دیکھے
سنگینیں اور بھالے دیکھے
بینڈ بجانے والے دیکھے

خیموں کا ایک جنگل دیکھا
اس جنگل میں منگل دیکھا
برہما اور ورنگل دیکھا
عزّت خواہوں کا دنگل دیکھا

سڑکیں تھیں ہر کمپ سے جاری
پانی تھا ہر کمپ سے جاری
نور کی موجیں لمپ سے جاری
تیزی تھی ہر جمپ سے جاری

کچھ چہروں پر مردی دیکھی
کچھ چہروں پر زردی دیکھی
اچھی خاصی سردی دیکھی
دل نے جو حالت کر دی دیکھی

ڈالی میں نارنگی دیکھی
محفل میں سارنگی دیکھی
بیرنگی بارنگی دیکھی
دہر کی رنگارنگی دیکھی

اپنے اچھوں کو کھٹکا دیکھا
منہ کو اگرچہ لٹکا دیکھا
کھرلیں کھاتے جھٹکا دیکھا
دل دربار سے اٹکا دیکھا

ہاتھی دیکھے بھاری بھرکم
زریں جھولیں نور کا عالم
اُنکا چلنا کم کم تھم تھم
میلوں تک وہ چم چم چم چم

پُر تھا پہلوئے مسجد جامع
کوئی نہیں تھا کسی کا سامع
روشنیاں تھیں ہر سو لامع
سب کے سب تھے دید کے طامع

سرخی سڑک پر کٹتی دیکھی
آتشبازی چھٹتی دیکھی
سانس بھی بھیڑ میں گھٹتی دیکھی
لطف کی دولت لٹتی دیکھی

چوکی اک چولکھی دیکھی
ہر سو نعمت رکھی دیکھی
خوب ہی چکھی پکھی دیکھی
شہد اور دودھ کی نکھی دیکھی

ایک کا حصہ من و سلوا
ایک کا حصہ کھیر اور حلوا
ایک کا حصہ تھوڑا حلوا
میرا حصہ دور کا جلوا

اوجِ ریشس راج کا دیکھا
رنگ زمانہ آج کا دیکھا
پرتو تخت و تاج کا دیکھا
رخ کرزن مہراج کا دیکھا

پہونچے پہاڑ کے سات سمندر
حکمت و دانش اُن کے اندر
تخت میں اسکے بیسیوں مندر
اپنی جگہ ہر ایک سکندر

اوجِ سمت ملاقی اُن کا
محفل اُن کی ساقی اُن کا
چرخِ ہفت طباقی اُن کا
آنکھیں میری باقی اُن کا

ہم تو اُنکے حیر طلب ہیں
اُن کے راج کے عمدہ ڈھب ہیں
ہم کیا ایسے ہی سب کے سب ہیں
سب سامانِ عیشِ طرب ہیں

انگریزوں کی شان انوکھی
ہر شے عمدہ ہر شے چوکھی

اُقلیدس کی ناپی جو تھی	سن بھر سونے کی لاگت سو تھی
جشنِ عظیم اِس سال ہوا ہے روشن ہر اک ہال ہوا ہے	شاہی فورٹ میں بال ہوا ہے قصۂ ماضی حال ہوا ہے
ہے مشہور کوچہ و برزن طائرِ ہوش تھے سب کے پرزن	بال میں ناچیں لیڈی کرزن رشک سے دیکھ رہی تھی ہر زن
ہال میں چمکیں آ کے یکا یک محو تھا ان کا اوج سما تک	زریں تھی پوشاک جھکا جھک چرخ پہ زہرہ آنکھ تھی گاہک
گو وہ قاصر اوجِ فلک تھی اندر کی محفل کی جھلک تھی	اس میں کہاں یہ نوک پلک تھی بزمِ عشرت صبح تلک تھی
کی ہے یہ بندش ذہن رسا نے سنتے ہیں ہم تو یہ افسانے	کوئی مانے خواہ نہ مانے جس نے دیکھا ہو وہ جانے

خدا جانے کہا کس نے یہ کس دن عقل سلیم سے ۔ کہ مشرق کو نظر آتا نہیں مغرب سے چھٹکارا
گئی دنیا تو پھر ہم دیں کو اب کیوں لگا رکھیں ۔ برا معلوم ہوتا ہے مسائل کا یہ پشتارا
مفر ہیں مذہبی قیدیں مناسب ہیں شکست انکی ۔ مزاحم ہیں مگر یہ مولوی ان کا نہیں چارا
وہ چھینٹے دیجئے انکو حکیمانہ طریقوں سے ۔ کہ بجھ کر راکھ ہی ہو جائے مذہب کا یہ انگارا
چلے مقراضِ تدبیر ایسے پیچیدہ طریقوں سے ۔ کہ جڑ کٹ جائے مذہب کی یہ گھر ہو منہدم سارا
عمل جاتا رہے بالکل فقط الفاظ رہ جائیں ۔ انھیں بھی پست کر دے مغربی حکمت کا نقارا
ترقی پائیگی قوم آپ کی پھر دورِ گردوں میں ۔ عجب کیا ہے کہ پھر ہونے لگے اقبال کا دھارا
قیامت آگئی قومی ترقی گوشِ مسلم میں ۔ لگا کہنے زہے نعمت اگر حاصل شود مارا
اگر آن شاہدِ مغرب بدست آرد دل مارا ۔ بچشمِ مستِ او بخشیم تسبیح و مصلیٰ را
مصلے کو غرض تہ کر کے اٹھا عابدِ مشرق ۔ جو طاقت آگئی تھی دل میں اُس طاقت سے للکارا

ادھر تحریر ادھر تقریر ادھر سازش ادھر بندش
لیے خنجر کا اُسے ڈرانا اسے گانٹھا اُسے مارا

نتائج پر تفکر کرد عاشق تن کی ہوتی ہے
وہ سمجھے میں نئی اک قوم کا سحاؤں گا دارا

دو روزہ پالیسی نے اس طرف سے تقویت پائی
ادھر بجنے لگا فتح و ظفر کا پھر تو نقارا

ڈرے حد سے تمسخر شور سے دو حد سے ہے گیسو
وہ گیسو جس سے پھیلی بو سے مست عبیر سارا

حواس ظاہری کے دام سے بچا ہو اشکل
کجا موہوم حوریں اور کجا پریوں کا نظارا

وہ ٹوٹے پیر گرے وہ پھسلے ہیچ ان کو غش آیا
نمایاں میں رہی طاقت نہ دل میں صبر کا یارا

حریفانِ طرب آگیں نے چھیڑا سازِ عشرت کو
بجایا سب نے مضراب ہوس سے واردا دلا

بتوں کے عشق میں پڑ ہی چکے تھے عقل پر پتھر
رسوں کا بے تکلف چڑھ گیا ہر قلب پر پارا

غریبوں دو دستوں بیکسوں تنگ دل کی کیا ہستی
وہ حالت پیش آئی تھی کہ جس سے قوم ہو ہارا

نہ حالی کی سنا باتوں کی پروا کی زمانے نے
نہ اکبر کی ظرافت سے ترکے یارانِ خود آرا

زبان حال سے فریاد تھی یہ اہل تمکیں کی
کہ لے تعلیم جہاں را حافظا وے عرش را دارا

فغان زیں سحر من دلکش بسانِ آفتِ ایماں
چناں بردند صبر از دل کہ ترکاں خوان یغمارا

ہوا سب کو تعجب کیوں ہوئیں یہ حالتیں پیدا
نہ تھا یہ مطلب سید کہ اس رخ پر چلے دھارا

وہ پردے کے بڑے حامی تھے طاعت کے موید تھے
وہ خواہاں تھے کہ چمکے اوج پر اسلام کا تارا

حباب آسا جو آسانی سے ٹوٹا گنبدِ مذہب
تو کیا اقبال و عزت کا ادھر سے لگا دہارا

سنا سب کچھ مگر دیکھا جو بالآخر تو کیا دیکھا
وہی اینٹیں وہی پتھر وہی چونا وہی گارا

ادھر شیرازۂ قومی کو ہم ہیں توڑتے جاتے
ادھر بازی حریفوں کی ہر ہاتھ آگے سے پہارا

نتیجے ہم نے خود آنکھوں سے دیکھے دور روش میں
فلک نے سرکشوں کو خاک ناکامی پہ دے مارا

کہیں تحقیر مذہب کی کوئی تعلیم کرتا ہے
سمجھا کر ہو دل کو کب ہے چمکا بخت کا تارا

سہت ہے غفلت و ترک عمل دنیا میں یہ مانا
عقیدہ اصل ہے لیکن وہ ہونا چاہیے پیارا

مدارِ خیر خواہی ترک مذہب پر نہیں ہرگز
ہر اک نے دل سے انگلش کی پر لائلٹی کا دم مارا

نہ تھا یہ مطلبِ سارہ کہ اسمٰعیل کا فخر ہو ۔۔۔ حریفانہ نہ و انداز مطلب تھا یہی سارا

جب اپنی ہسٹری ہم بھول جائینگے تو کیا ہوگا ۔۔۔ خدارا اک نظر اس سین کا کرتے تو نظارا

صلوٰۃ سب بے وضو ہے رو رہی ہے ہر طرف مسجد ۔۔۔ ادھر قرآن بے رغبت سے دل اٹھا کا سیپارا

مشینیں چل رہی ہیں اور کسی کی کچھ نہیں چلتی ۔۔۔ ادھر ہیں بے پھلے کندے اُدھر ہے برق خوش آرا

خود اپنی قوم کی تحقیر کرنا اس کے کیا معنی ۔۔۔ یہ کس جادو نے بچوں کو کیا خود بیں و خود آرا

کہیں اطفالِ ناداں ہیں کہیں پیرانِ بیطاقت ۔۔۔ یہ غوطے کھاتے ہیں تفرقے میں آتا ہے وہ بیچارا

یہ اخلاقی یہ روحانی بنائیں ٹوٹتی کیوں ہیں ۔۔۔ یہ نفسِ مطمئنہ پر ہوا کیوں غالب امّارا

یہ کس گُل کے نبینگے جزو کھو کر اپنی ملت کو ۔۔۔ مگر ہاں اپنے بیلوں میں ملا لے کوئی بنجارا

ہمارے حکمراں تو چرچ میں سرگرمِ طاعت ہوں ۔۔۔ تو ہم ہندے پھریں کیوں دشتِ بیدینی میں آوارا

عمل مطلوب ہے بیشک مگر نور اپنا کیوں کھوئیں ۔۔۔ زمانے کو ہے گردش ہم ہیں ثابت سے سیّارا

ہو الاول ہو الآخر یہ شہدِ روح پرور ہے ۔۔۔ پھرو آزادہ ہو کر یہ ہے پالو کا شکر پارا

بٹھایا کیوں نہیں جاتا یہ نقشِ جانفزا دل پر ۔۔۔ کہ روحانی ترقی میں ہو لڑکا عرش کا تارا

بہت فکر اسکی ہے دن رات کو قومی بزرگوں کو ۔۔۔ مگر کمزور یہ سوچیں اُدھر غفلت کا ہے دھارا

میں یہ پیچیدہ بحثیں پیش کرنے کو تھا آمادہ ۔۔۔ کہ اتنے میں جنابِ حضرتِ حافظ نے للکارا

حدیث از مطرب و مے گو و رازِ دہر کمتر جو
کہ کس نکشود و نکشاید بحکمت این معما را

قدیم وضع پہ قایم رہوں اگر اکبر ۔۔۔ تو صاف کہتے ہیں سید یہ رنگ ہے میلا

جدید طرز اگر اختیار کرتا ہوں ۔۔۔ خود اپنی قوم مچاتی ہے شور و واویلا

جو اعتدال کی کہئے تو وہ ادھر نہ اُدھر ۔۔۔ زیادہ حد سے دیے سب نے پاؤں ہیں پھیلا

اِدھر یہ ضد ہے کہ لمنڈ بھی چھو نہیں سکتے ۔۔۔ اُدھر یہ دھن ہے کہ ساقی صراحیِ مے لا

اِدھر ہے دفترِ تدبیر و مصلحت ناپاک ۔۔۔ اُدھر ہے وحیِ ولایت کی ڈاک کا تھیلا

عرض دو گوہ عدالت جانِ مجنوں را
بالائے صحت لیلیٰ و فرقت لیلیٰ

یہ تسبیح و تکبیر و حمد و دعا
سب ہے فیض دل بندگانِ خدا

یہ پلٹن کے گورے ہر اتوار کو
سجاتے ہیں گرجا کے دربار کو

اگر یہ کہو ہیں وہ بالکل وحوش
تو دیکھو کہ عابد ہیں حضرت لیوش

جب اڈورڈ ہفتم ہوئے تھے علیل
تو کی قوم نے یاد ربِ جلیل

کمی کی نہ اسٹیٹ میں چرچ میں
دعائیں ہوئیں دھوم سے چرچ میں

وہ جنرل کہ دستی تھی جنکے زمیں
ہیں گرجا میں راکع مع الراکعیں

ہوئے جنگ سے زار ادیتہ پاک
گرے سجدہ میں پیش اللہ پاک

سر بادشاہان گردن فراز
بدرگاہ او بر زمین نیاز

ہمنشیں کہتا ہے کچھ پروا نہیں مذہب گیا
میں یہ کہتا ہوں کہ بھائی یہ گیا تو سب گیا

نیشنل فیلنگ تو ہم میں کبھی تھی ہی نہیں
اتحاد دیں فقط باقی رہا تھا اب گیا

ہے عقیدوں کا اثر اخلاقِ انساں پر ضرور
اس جگہ کیا چیز ہوگی وہ اثر جب دب گیا

پیٹ میں کھانا زباں پر کچھ مسائل ناتمام
قوم کے معنی گئے اور روح کا مطلب گیا

منقلب ہوتے ہیں پیہم طالب علموں کے کورس
کورس بھی رخصت ہوا اسکار ماہ جب گیا

اتحاد معنوی ان میں سراسر ناتمام ہے
دیکھتے ہو اک گروہ اک راہ ہو کر کب گیا

بعد ازیں کیا حشر ہوگا یہ تو سوچو دوستو
جو اٹھا سر بلاکِ ملت و مشرب گیا

اس سے نفرت ان کو الٰہی مستقل رہی یاں
حیف اسلم سے خیالِ مکی و مغرب گیا

مجلس دنیا میں کس صف کے ہوئے مستحق
دور ہو او لارڈ سے اوپر تو یارب گیا

نوکری کے باب میں وہ پالسی قائم نہیں
ہوش میں آؤ وہ رنگ روز و رنگ شب گیا

ہم یہی کہتے ہیں صاحب سوچلو انجام کار	دوسرا پھر کیا ٹھکانا ہے اگر مذہب گیا
اک عبث بیں کو لندن سے جو بیاہ کے لائے مفاعیلن	احباب نے تیرِ مطاعن سے انکے دل کو مجروح کیا
باپ اُنکے یہ بولے کشتی مری۔ واللہ ڈبو دی ہائے غضب	اس لڑکے نے صحبت بد پاکر یہ کار ابن نوح کیا
تعلیم کو میں نے بھیجا تھا ترویج کی اس نے ٹھہرائی	ممدوح تو بنتا بھول گیا بس اپنے تئیں منکوح کیا
لڑکے نے جواب میں عرض کیا اے قبلہ کعبہ سنئے تو	یہ کون برائی میں نے کی جو فاتح کو مفتوح کیا
رسان خود فروش آخر فرستاد ندایں بلہا	طلب کردند ہر چند انکہ خوں افتاد در دلہا
نشاطِ طبع برہم شد شکست آں رنگ محفلہا	الا یا ایہا الساقی ادر کاساً و ناولہا
کہ عشق آساں نمود اول ولے افتاد مشکلہا	
اُدھر ہے علم دیں سے نور ایماں قلب سے زائل	اُدھر کالج کا بیڑا پار کرنے پر ہے دل مائل
اُدھر ہے نوکری دشوار چکر میں ہے ہر سائل	شبِ تاریک و بیمِ موج و گردابے چنیں حائل
کجا دانند حالِ ما سبکساران ساحلہا	
نہ تقلید شرع باقی ہے نہ آزادی کی ہے کچھ حد	نہیں کچھ گفتگو اس باب میں یہ نیک ہے یا بد
بزرگوں کا بھی فتویٰ ہے کہ پڑھ قانون سرسید[1]	بمے سجادہ رنگیں کن گرت پیرِ مغاں گوید
کہ سالک بیخبر نبود ز راہ و رسمِ منزلہا	
کہاں کی پیش بینی جب طبیعت ہی نہ تھی حاضر	مقیم دیر تھے دلچسپ تھی بزمِ بتِ کافر
نہ تھا کچھ پاسِ ایماں دل کی تھی مدِ نظر خاطر	ہمہ کارم ز خود کامی بہ بدنامی کشید آخر
نہاں کے ماند آں رازے کزو سازند محفلہا	
جو ہونا چاہتا ہے بدر بنجا ماہِ نو حافظ	نہ کر آرام رہ راہِ طلب میں تیز رو حافظ
لگائے رہ اُسی سے رات دن تو اپنی لو حافظ	حضوری گر ہمی خواہی ازو غافل مشو حافظ
متی ما تلق من تہوی دع الدنیا واہملہا	
آئینہ لفظِ غدا ہے بیسیوں مفہوم کا	اور ازانجملہ مرادف ہے یہ نامعلوم کا

[1] اگرچہ اختلافِ حرکتِ قافیہ اساتذہ کے یہاں ہے مگر یہاں میں سرسید سے قافیہ نہیں ملا سکا۔

سب کا حصہ تو ہے حالت کے لائق ہے یہاں ۔۔۔ بس یہی مطلب تو ہے اے مہرباں تقسیم کا

یہ جو مرشد نے کیا قوم میں بچپن پیدا ۔۔۔ وہ یہ سمجھے تھے کہ ہو جائیگا جوبن پیدا
وہ تو پیدا نہ ہوا ہاتھ سے لڑکے نکلے مگر ۔۔۔ ہو چلے دین کی دیواروں میں روزن پیدا
یہ نئی قوم کے جب آگئے دن اے اکبر ۔۔۔ اونچے درجوں میں ہوئے عقل کے دشمن پیدا
دین کیا چیز ہے شیرازۂ قومی ہے فقط ۔۔۔ جس سے ملت کی ہر اک صورت احسن پیدا
آج ہوتا نہیں اسکا اثر انکو محسوس ۔۔۔ ہو رہے ہیں ابھی کچھ لالہ و سوسن پیدا
بالیقیں آئیگا اس باغ پہ ایسا اک وقت ۔۔۔ کہ نہ نکلیں گی روشیں نہ گل و سوسن پیدا
صورت رنگ جہاں دیدہ پھرینگے اڑتے ۔۔۔ نہ بہار آئیگی پھر ہوگا نہ گلشن پیدا
باپ کے خون سے ہوگی جو حمیت زائل ۔۔۔ ہونگے اطفال بھی بے غیرت و کودن پیدا
کاہ کی طرح سے اڑ جائینگے دینی اعمال ۔۔۔ اختلافات کے ہو جائینگے خرمن پیدا
ملت حق سے گھر جائینگے دل کے اطراف ۔۔۔ سینوں میں ہو نہ سکینگے دلِ روشن پیدا
کون کہتا ہے کہ انگلش کا ہو دشمن طبع ۔۔۔ کون کہتا ہے نہ کر راحت و تن پیدا
کون کہتا ہے تکلف سے نہ کر زیست بسر ۔۔۔ کون کہتا ہے نہ کر وضع میں جوبن پیدا
کون کہتا ہے کہ تو علم نہ پڑھ عقل نہ سیکھ ۔۔۔ کون کہتا ہے نہ کر حسرت لندن پیدا
بس یہ کہتا ہوں کہ ملت کے مخالف کو نکال ۔۔۔ راہ قومی کا تو خود ہی نہ ہو رہزن پیدا
قوم قوم آٹھ پہر سنتے ہیں ہم قوم کہاں ۔۔۔ تار باقی نہیں تو کرتا ہے دامن پیدا
مذہبی شان فقط ہے تری قومی ہستی ۔۔۔ یہ جو ٹوٹی تو نہیں کوئی نشیمن پیدا
کچھ گھروندا نہیں یہ تن کہ بنالیں لڑکے ۔۔۔ فطرتی طور پہ خود ہوتی ہے یہ تن پیدا
سلف نیک کا پھر یاد رہے گا نہ سبق ۔۔۔ پھر نہیں ہونے کی یہ بحث تو دشمن پیدا
سرِ تہذیب سے ہو جائینگے قطعاً خارج ۔۔۔ حسن ہی باقی نہ رہیگا کہ ہو تحسین پیدا

بیشک نئی روشنی سے بہتر ہے کہیں ۔۔۔ انسان کے لئے کہ شجین ہو جاتا

یزداں کا خیال تو دلاتا ہے وہ دیں
سب ہے کفر صرف تیغ اہرمن ہو جانا

مرشد کہتے ہیں تو ہے ناداں اے دوست
بات اور ہے صاحبِ سخن ہو جانا

میری چالیں بھی ہیں اُسی کی تمہید
سکھلاتے ہیں پہلے بے دہن ہو جانا

ساکت کر دے گی ان کو جب بے علمی
آسان ہو گا اُدھر وطن ہو جانا

سنہ ۱۸۷۷ء

سید سے آج حضرتِ واعظ نے یہ کہا
چرچا ہے جا بجا ترے حالِ تباہ کا

سمجھا ہے تو نے نیچر و تدبیر کو خدا
دل میں ذرا اثر نہ رہا لا الٰہ کا

ہے تجھ سے ترکِ صوم و صلوٰۃ و زکوٰۃ و حج
کچھ ڈر نہیں جنابِ رسالت پناہ کا

شیطاں نے دکھا کے جمالِ عروسِ دہر
بندہ بنا دیا ہے تجھے حبِّ جاہ کا

اُس نے دیا جواب کہ مذہب ہو یا رواج
راحت میں جو مخل ہو وہ کانٹا ہے راہ کا

افسوس ہے کہ آپ ہیں دنیا سے بے خبر
کیا جانیئے جو رنگ ہے شام و پگاہ کا

یورپ کا پیش آئے اگر آپ کو سفر
گذرے نظر سے حال رعایا و شاہ کا

وہ آب و تاب و شوکتِ ایوانِ خسروی
وہ محکموں کی شان وہ جلوہ سپاہ کا

آئے نظر علومِ جدیدہ کی روشنی
جس سے خجل ہو نور رخِ مہر و ماہ کا

دعوت کسی امیر کے گھر میں ہو آپ کی
کم سن مسوں سے ذکر ہو الفت کا چاہ کا

خوش خیز دلفریب گُل اندام نازنیں
عارض پہ جن کے بار ہو دامن نگاہ کا

جُھک کے اگر تو ہنس کے کہے اک بتِ حسیں
دل سو لوں یہ بات نہیں ہے گناہ کا

اُس وقت قبلہ جُھک کے کروں آپ کو سلام
پھر نام بھی حضور جو لیں خانقاہ کا

پتلون و کوٹ و بنگلہ و بسکٹ کی دُھن بندھے
سودا جناب کو بھی ہو سر کی کلاہ کا

میسر یہ یوں تو بیٹھ کے گوشے میں اے جناب
سب جانتے ہیں وعظ ثواب و گناہ کا

گرمیٔ بحث میں انور نے یہ اکبر سے کہا
گدرہِ احمدِ مرسل پہ تو تھا گُم نہ رہا

رہ گئی ہے فقط اوہام پرستی تجھ میں | بادۂ جہل کی بس آ گئی مستی تجھ میں
نہ مقاصد میں بلندی نہ خیالاتِ صحیح | سحرِ عصیان و تعصب میں تو ڈوبا ہے صریح
سخت نا عاقبت اندیش ہیں شیخ و ملا | قوم برباد ہوئی جاتی ہے کھلم کھلا
کہا اکبر نے یہ الزام ہے تیرا درست | تو ہے مجھ سے بھی زیادہ مگر اس راہ میں سست
کر و تزئین و تجمل سے تجھے ہے بس کام | دل میں انکار ہے اور لب پہ ہے نام اسلام
طاعتِ حق کی ترے قاعدے میں گرد نہیں | نفسِ سرد نہیں ہے دلِ پُر درد نہیں
ہم اگر پختگی سے جاتے ہیں جامی کی طرف | ترا میلان ہے الحاد و غلامی کی طرف
تو بھی اس رنگ سے محروم ہے ہم بھی محروم | صادق آتا ہے یہی قولِ شہیدِ مرحوم

اے صبا مایۂ سودا نہ تو داری و نہ من
بوسے آں زلفِ چلیپا نہ تو داری و نہ من

نامہ بنام اودھ پنچ ۱۹۰۶ء

اے گوہرِ مخزنِ ظرافت | وے جوہرِ معدنِ لطافت
سرمایۂ انبساطِ خاطر | تسکینِ دل و نشاطِ خاطر
دیباچۂ دفترِ فصاحت | عنوانِ صحیفۂ بلاغت
خلاقِ معانیٔ طرب خیز | کشافِ رموزِ عشرت انگیز
ہادیٔ ادیب و دانش آموز | گوہر افشاں و گوہر اندوز
زینت دہِ شاہدِ تکلم | آئینۂ خندہ و تبسم
سرچشمۂ قول و وعظ و گفتار | گنجینۂ وعظ و پند و اسرار
اے مخزنِ دو زبانِ اردو | وے اوج دہِ نشانِ اردو
رنگینی میں غیرتِ گلستاں | شوخی میں حریفِ برقِ تاباں
کیا خوب ہے نسخۂ اودھ پنچ | محبوب ہے نسخۂ اودھ پنچ

دن رات یہی ہیں اب تو چرچے — پڑ جاتے ہیں دل کو اسکے پرچے
ہے خلقِ خدا قتیل اس کی — حاسد کا حسد دلیل اس کی
معقول مزاج ہے تو یہ ہے — شرعاً جو مباح ہے تو یہ ہے
ہر چند کہ زہر بیشتر ہے — گو فقرۂ طعن نیشتر ہے
لیکن وہ قند میں گھلا ہے — یہ آبِ حیات میں بجھا ہے
وہ شربتِ حفظِ عقل و ایماں — یہ مردہ دلوں کو ہے رگِ جاں
بگڑے ہوئے بنگئے ہنسی میں — حکمت ہے تو ایسی دل لگی میں
ہر کس کہ بدید گفت خوب است — باللہ مفرّح القلوب است
رندوں کی زباں میں پند و نخواہ — سبحان اللہ واہ وا واہ
ہر چند کہ طرزِ ہیچ لندن — بے شبہ ہے دلپسند و پُرفن
لیکن وہ نقشِ اولیں ہے — نسبت اس سے اُسے نہیں ہے
ماشاء اللہ یہ نقشِ ثانی — بہتر ہے بصورت و معانی
وہ پیرِ معمر و کہن سال — یہ خیر سے نونہالِ اقبال
وہ اک گلِ صد بہار دیدہ — یہ غنچۂ تازہ نو دمیدہ
مولودِ سعیدِ مریم طبع — عیسیٰ دم و گوہرِ یم طبع
لطفِ شامِ اودھ ہے اس سے — روشن نامِ اودھ ہے اس سے
اک نور ہے مہرِ لکھنؤ کا — اختر ہے سپہرِ لکھنؤ کا
وہ سرد برنگِ آتشِ گل ہے — یہ گرم بسانِ آہِ بلبل ہے
بحثِ مضموں میں وہ اگر ہیچ — یہ حلِ نکات میں ہے سرپیچ
واں بازوئے فکر سست بنیاد — یہاں خامۂ نیزۂ چمن زاد
کیسا خامہ زبانِ معنی — کیا ذکر زباں کہ جانِ معنی

اُٹھنے میں نگاہِ چشمِ جادو — چلنے میں حریفِ تیغِ ابرو

مفتاحِ خزینۂ تصور — نقاشِ نگینۂ تصور

کہنا اسے شمع کب روا ہے — اوصاف میں شمع سے سوا ہے

وہ چہرہ سراسر نرم صورت — یہ پردہ بر آہنگِ حقیقت

ہر چند کہ سرمہ در گلو ہے — تاہم سرِ گرمِ گفتگو ہے

رعنا و لطیف و شوخ و بیباک — سرگرم و حریف و چیت و چالاک

مشاطۂ شاہدِ معانی — بانیِ بنائے خوش بیانی

پیچیدگیوں میں حرف زن ہے — شانہ کشِ گیسوئے سخن ہے

آزادی کا محرم اسے اگر ہے — یہاں محو اس سے زیادہ تر ہے

یعنی کہ وہ مطلق العنان ہے — بے قید ہر ایک سو رواں ہے

وہاں طبع کو زور لاتحفت ہے — دقت تو جو ہے وہ اسطرف ہے

زنجیرِ خرد کی پابندی — باقاعدہ شرحِ دردمندی

تارِ نظرِ حسودِ بدکیش — ہر گام پہ مثلِ دام درپیش

کوتہ نظرانِ پست فطرت — سرگرمِ شرارت و عداوت

واں شاخِ شجر پہ ہے ترانہ — یاں دیدۂ دام آشیانہ

کیونکر نہ ہو ادعائے اعجاز — کھولے ہیں قفس میں بال پرواز

کی سیرِ دو عالم اک نفس میں — پھر دیکھیے تو اسی قفس میں

دریا قطرے میں موجزن ہے — غنچے میں بہارِ صد چمن ہے

ہے لوک ساں پہ تپش پرواز — رقصاں دمِ تیغ پر بصد ناز

شعلوں کے ہجوم میں سمندر — امواج میں ماہیِ تو ی پر

کیا کثرتِ عارضے خطر ہے — یاں دوشِ نسیم پر سفر ہے

پابندی کا کب ہے یاں تاسف — یوسف زنداں میں بھی ہے یوسف

جلوہ ہے وہی وہی تجلّی — شوکت ہے وہی وہی تعلّی

پابند جو یوسفِ سخن ہے — پھیلی ہوئی بوئے پیرہن ہے

ہر رنگ میں ہے بہارِ معنی — ہر لفظ ہے پردہ دارِ معنی

ہر نقطہ ہے نکتۂ بصیرت — ہر حرف ہے کاشفِ حقیقت

صرصر کے جور سے بری ہے — یہ شاخ خزاں میں بھی ہری ہے

وہ مہرِ فلک سے منفعل ہے — یاں روشنیِ دماغ و دل ہے

دریوزہ گری یہ اسکی اوقات — یہاں قطب صفتِ ثبات دن رات

جنسے آسیب کا تھا کھٹکا — ان دیووں نے خوب سر کو پٹکا

غالب تھا اثر میں اسم اسکا — ٹوٹا نہ کبھی طلسم اس کا

ہوتے نہ جو رشک سے وہ چیں — حسّاد بھی صاد کرتے بالیقیں

سنئے اک اور نکتہ خوب — آزادیِ گفتگو ہے معیوب

لاتا ہوں دلیلِ شاعرانہ — دیکھو قدرت کا کارخانہ

منہ کے اندر زباں جڑی ہے — دانتوں کے حصار میں پڑی ہے

بتیس ۳۲ جواں سخت طینت — استادہ ہیں مائل اذیت

ہیں مثل سفید دیو بیباک — ظالم جابر حریص سفّاک

حد سے جو بڑھے زبانِ گفتار — دوڑیں اُسے کاٹنے یہ خونخوار

پہلو میں جو ان کے ہمنشیں ہو — وہ نوکِ خلال سے حزیں ہو

کتنا ہی وہ ہو ملائم و تر — دانا پستا ہے اِن میں آکر

لوہے کے چنے کہاں سے لائیں — سختی کا انھیں مزا چکھائیں

اس قید میں جب کہ یہ زباں ہے — آزادیِ گفتگو کہاں ہے

باریک ہے گو یہ نکتہ اے دل
لازم ہے سمجھ لیں اس سے عاقل

مرضی تھی جدا ہے جسم و جاں کی
محدود ہوں شوخیاں زباں کی

دل میں جو آئے بک نہ جاؤ
ہشیار چلو بہک نہ جاؤ

دریائے خیال موج زن ہے
وقفِ یزدان و اہرمن ہے

ہے شارعِ عام حق و باطل
ناظر اسکی ہے فکرِ عاقل

گزرے جو خیال بد بلا کر
ہاتنے خرد سے بس کرو رد

باطل پہ نہ جاؤ حق کو سن لو
کانٹوں کو ہٹا کے پھول چن لو

خاموش بس اے زبانِ خامہ
منظورِ نظر ہے ختم نامہ

ہر چند یہ عالمِ سخن ہے
یاں فیضِ ازل ضیا فگن ہے

ہر گوشے میں وسعتِ فلک ہے
ہر ذرہ میں مہر کی چمک ہے

ہر گام پہ ہیں چمن ہزاروں
ایک اک میں گلِ سخن ہزاروں

ہر برگِ گلِ سخن میں سو رنگ
ہر رنگ میں لاکھ لاکھ نیرنگ

نیرنگ ایسی کہ عقل حیراں
حیرت ایسی کہ محوِ عرفاں

ہر سمت ہزار میکدے ہیں
ہر ایک میں لاکھ خم بھرے ہیں

ہر خم میں شراب ارغوانی
یعنی رنگینیِ معانی

اک قطرہ سے طبع ہو جو ممتاز
سینہ بن جائے محرمِ راز

وہ راز کہ دل ہو محوِ مستی
مائل ہو سوئے حق پرستی

ہو طول جو سلسلہ سخن کا
بےسر ہو زلفِ پُرشکن کا

یہ طولِ بیاں سے فائدہ کیا
اس صرفِ زباں سے فائدہ کیا

بس بس اب روک لے زباں کو
کافی ہے اشارہ نکتہ داں کو

ہو کر آمادہ جان و دل سے
ہو محوِ دعا زباں و دل سے

جب تک ہے رباعیِ عناصر — رنگینیِ نقشِ لوحِ خاطر
جب تک کہ یہ نظمِ بیتِ ہستی — موزوں ہے برائے خود پرستی
جب تک ہے مسدسِ جہات — برہانِ مشارق و مغارب
جب تک کہ ہے روح کا لطیفہ — انفاس کا ہر نفس وظیفہ
یہ پرچۂ دلفریب و زیبا — ہو مونسِ جانِ ناشکیبا
تحریک سے مس کو زر بنائے — ٹھہرے تو دل کو گھر بنائے
ہر جا ہے یہیں لاجواب نکلے — ہر رنگ میں انتخاب نکلے
ہو سوزِ دلِ یگانہ و غیر — بجھائے چراغِ کعبہ و دیر
جبتک کہ اثر ہے کاف و نون کا — مفتوں ہو ہر ایک اس فسوں کا
پروانہ اسے چراغ سمجھے — بلبل دیکھے تو باغ سمجھے
خورشید کا نور ہیں طرف ہو — ذروں کی کشش اسی طرف ہو
اے حافظ و خالقِ اودھ پنچ — خوش دل رہیں عاشقِ اودھ پنچ
اپنی اپنی مراد پائیں — دیکھیں جب دل کو شاد پائیں
ہر مشتریِ بلند فطرت — پائے دورِ قمر میں رفعت
محتاج ہو سیم کا نہ زر کا — مورد ہو بلندیِ نظر کا
احباب جو اسکے ہیں معاون — عالی نشانِ نیک باطن
ظرّاف و مصنفِ لطائف — طابع و مصوّرِ کوائف
سرسبز ہوں گلشنِ جہاں میں — خرم پھریں باغ و بوستاں میں
رنگیں طبعی سے گل کھلائیں — چشمِ بد بیں کو خوں رلائیں
پیدا ہوں وہ گوہرِ مضامیں — دریا کے ہو لب پہ شورِ تحسیں
بیساختہ بول اٹھیں سخنور — اللہ رے طبع و فکرِ اکبر

(او وہ شیخ سبحان اللہ سبحان اللہ)

گفتمش تارکِ مذہب شوم و خوش باشم
منشئے چند ہوس دارم و اعلامے چند

خلق را فائدہ نیست ازیں جنگ و جدال
یک دعا ہست دریں محفل و دشنامے چند

گفت خاموش کہ دیں است مدارِ ملت
ترک ایں راہ مکن تا بہ پئے خود کامے چند

عیب مذہب ہمہ گفتی ہنرش نیز بگو
نفی حکمت مکن از بہرِ دل عامے چند

سنہ ۱۹۱۱ء

برقِ کلیسا

رات اُس مِس سے کلیسا میں ہوا میں دوچار
ہائے وہ حسن وہ شوخی وہ نزاکت وہ اُبھار

زلفِ پیچاں میں وہ سج دھج کہ بلائیں بھی مرید
قدِ رعنا میں وہ چم خم کہ قیامت بھی شہید

آنکھیں وہ فتنۂ دوراں کہ گنہگار کریں
گال وہ صبحِ درخشاں کہ فلک پیار کریں

گرم تقریر جسے سننے کو شعلہ لپکے
دلکش آواز کہ سن کر جسے بلبل جھپکے

دلکشی چال میں ایسی کہ ستارے رک جائیں
سرکشی ناز میں ایسی کہ گورنر جھک جائیں

آتشِ حسن سے تقوی کو جلانے والی
بجلیاں لطفِ تبسم سے گرانے والی

پہلوئے حسنِ بیاں شوخیٔ تقریر میں غرق
ٹرکی و مصر و فلسطین کے حالات میں غرق

پس گیا لوٹ گیا۔ دل میں سکت ہی نہ رہی
سر تھے تمکین کے جس گت میں وہ گت ہی نہ رہی

ضبط کے عزم کا اُس وقت اثر کچھ نہ ہوا
یا حفیظ کا کیا ورد مگر کچھ نہ ہوا

عرض کی میں نے کہ اے گلشنِ فطرت کی بہار
دولت و عزت و ایماں ترے قدموں پہ نثار

تو اگر عہدِ وفا باندھ کے میری ہو جائے
ساری دنیا سے مرے قلب کو سیری ہو جائے

شوق کے جوش میں میں نے جو زباں یوں کھولی
ناز و انداز سے تیوری کو چڑھا کر بولی

غیر ممکن ہے مجھے اُنس مسلمانوں سے
بوئے خوں آتی ہے اس قوم کے افسانوں سے

لن ترانی کی یہ لیتے ہیں نمازی بن کر
حملے سرحد پہ کیا کرتے ہیں غازی بن کر

کوئی ہنتا ہے جو مہدی تو بگڑ جاتے ہیں
آگ میں کودتے ہیں توپ سے لڑ جاتے ہیں

گل کھلائے کوئی میداں میں تو اترا جائیں
پائیں سامانِ اقامت تو قیامت ڈھائیں

مطمئن ہو کوئی کیونکر کہ یہ ہیں نیک نہاد
ہے ہنوز انکی رگوں میں اثرِ حکمِ جہاد

دشمنِ صبر کی نظروں میں لگاوٹ پائی
کامیابی کی دلِ زار نے آہٹ پائی

عرض کی میں نے کہ اے لذتِ جاں راحتِ روح
اب زمانے پہ نہیں ہے اثرِ آدم و نوح

شجرِ طور کا اس باغ میں پودا ہی نہیں
گیسوئے حور کا اس دور میں سودا ہی نہیں

اب کہاں ذہن میں باقی ہیں براق و رفرف
ٹکٹکی بندھ گئی ہے قوم کی انجن کی طرف

ہم میں باقی نہیں اب خالدِ جانباز کا رنگ
دل پہ غالب ہے فقط حافظِ شیراز کا رنگ

یاں نہ وہ نعرۂ تکبیر نہ وہ جوشِ سپاہ
سب کے سب آپ ہی پڑھتے ہیں سبحان اللہ

جوہرِ تیغِ مجاہد ترے ابرو پہ نثار
نورِ ایماں کا ترے آئینۂ رو پہ نثار

اٹھ گئی صفحۂ خاطر سے وہ بحثِ بد و نیک
دو دلے ہو رہے ہیں کہتے ہیں اللہ کو ایک

موجِ کوثر کی کہاں اب ہے مرے باغ کے گرد
میں تو تہذیب میں ہوں پیرِ مغاں کا شاگرد

مجھ پہ کچھ وجہِ عتاب آپ کو ایماں نہیں
نام ہی نام ہے ورنہ میں مسلماں نہیں

جب کہا صاف یہ میں نے کہ جو ہو صاحبِ فہم
تو نکالو دلِ نازک سے یہ شبہ یہ وہم

اسلم

میرے اسلام کو اک قصۂ ماضی سمجھو
ہنس کے بولی کہ تو پھر مجھکو بھی راضی سمجھو

ڈالدے جانِ معانی میں وہ اردو یہ ہے
کروٹیں لینے لگے طبع وہ پہلو یہ ہے

ایک بوڑھا نحیف و خستہ و زار
اک ضرورت سے جاتا تھا بازار

ضعفِ پیری سے خم ہوئی تھی کمر
راہ بیچارہ چلتا تھا جھک کر

چند لڑکوں کو اُس پہ آئی ہنسی
قد پہ پھبتی کمان کی سوجھی

کہا اک لڑکے نے یہ اُس سے کہ بول
تو نے کتنے کو لی کمان یہ مول

پیر مرد لطیف و دانشمند
سوچتے گے میری عمر کو حسن آں

ہنسکے کہنے لگا کہ اے فرزند
مسعت ملحبائے گی تمہیں یہ گماں

میں نے اکبر سے کہا آیئے حجرے میں مرے
چھوڑیئے آپ یہ ہنگامۂ تعلیم جدید
بولا جھنجھلا کے کہ یہ سہل سمجھ مجھ پر

اس چٹائی پہ نمازیں پڑھیں حسب دستور
کاٹ ہی دے گا کسی طرح خداوند غفور
اِسکی نسبت کہ میں کالج میں ہوں احمق مشہور

انگلش ڈرس اللہ کا جو کلمہ برم میں دیکھا
معنی میں کمی ہو جائیگا آخر کو تصیر ؛
خالق کے عبادت سے حجاب آنے لگے گا
بیگانہ وحشی ہونگی عزیزانِ وطن سے
طبع سے مشابہات کی اٹھیں گی [?] سنگیں
آپس میں بھی تم لوگ موافق نہ رہو گے
آخر کو رہوگے نہ ادھر کے نہ اُدھر کے
انور نے کہا اصل علی واہ بہت خوب
لیکن جو یہ تقسیم ہے حسرت کے سخن میں
ہر مذہب و ملت میں ہیں اچھے بھی برے بھی
ملبوس و مکاں کا جو کیا آپنے مذکور
باطن سے ہے اخلاق حمیدہ کا تعلق
اوضاع زمانہ تو بدلتے ہی رہیں گے
ہے حکم ضرورت وہ ضرورت سے ہے مجبور
مقصود جو اصلی ہے وہ ہے دل کی درستی
تسہ مرے اس قول کے صحت میں اگر ہو

اکبر نے کہا یہ تو خرابی کے ہیں آثار ؛
تبدیلیِ صورت کے رہیں گر یہی اطوار
سترا ؤگے کرتے ہوئے اسلام کا اظہار
بنگلے میں یہاں ہوگے کہیں چھوڑ کے گھر بار ؛
وہ زیست جو آساں تھی ہو جائے گی دشوار
ایک ایک کو دیکھے گا بہ اکراہ و بہ انکار
انگریز بھی کھچتے رہیں گے تو قوم بھی بیزار
شک اسمیں نہیں مدح کے قابل ہے یہ گفتار
اسکو تو نہ تسلیم کرے گا یہ گنہگار ؛
وہ کونسا فرقہ ہے کہ سب جسمیں ہوں ابرار
اسکے بھی بجا ہونے کا مجھکو نہیں اقرار
فطرت میں جو ہے نیک وہ بد ہوگا [illegible]
رکتی نظر آتی نہیں دنیا کی یہ رفتار
بے شوق ہے جسے کیوں نہ کیا جائے وہ [illegible]
یا ہیٹ و اَور کوٹ ہو یا جبہ و دستار
سن لیجئے سعدی کا یہ ارشاد گہربار

حاجت بہ کلاہِ بُرکی داشتنت نیست	درویش صفت باش و کلاہ تتری دار

۱۸۹۹ء

بہار آئی کھلے گل زیبِ صحن بوستاں ہو کر	عنادل نے مچائی دھوم سرگرم فغاں ہو کر
بچھا فرشِ زمرد اہتمام سبزۂ تر ہیں	چلی مستانہ وش بادِ صبا عنبر فشاں ہو کر
عروجِ نشۂ نشو و نما سے ڈالیاں جھومیں	ترانے گائے مرغانِ چمن نے شادماں ہو کر
بلائیں شاخِ گل کی لیں نسیمِ صبحگاہی نے	ہوئیں کلیاں شگفتہ روئے رنگینِ بتاں ہو کر
جوانانِ چمن نے اپنا اپنا رنگ دکھلایا	کسی نے یاسمن ہو کر کسی نے ارغواں ہو کر
کیا پھولوں نے شبنم سے وضو صحنِ گلستاں میں	صدائے نغمۂ بلبل اُٹھی بانگِ اذاں ہو کر
ہوائے شوق میں شاخیں جھکیں خالق کے سجدے کو	ہوئی تسبیح میں مصروف ہر پتی زباں ہو کر
زبانِ برگِ گل نے کی دعا رنگیں عبارت میں	خدا سر سبز رکھے اس چمن کو مہرباں ہو کر

نگاہیں کاملوں پر پڑ ہی جاتی ہیں زمانے میں
کہیں چھپتا ہے اکبر پھول پتوں میں نہاں ہو کر

قطعہ

میں نے کہا بہت سی زبانیں ہوں جانتا	مدت تک امتحاں دیئے امتحان پر
جرمن فرنچ لیٹن و انگلش پہ ہے عبور	ثابت مرا کمال ہے سارے جہان پر
اک شوخ طبع بس نے دکھائی زباں مجھے	بجلی تھی ابر میں کہ قمر آسمان پر
بدلی رہو گے زیست کی لذت سے بےخبر	قدرت نہ پائی تم نے اگر اس زبان پر
ہوئی جو مجھ سے یہ فرمایشِ بتِ طناز	کہ فنِ شعر میں تو آج ہے بہت ممتاز
لگا دے اس پہ کوئی مصرعۂ حسین و نفیس	زمانہ با تو نسازد تو باز مانہ نساز
کہا یہ میں نے کہ ہے قیدِ حسن و خوبی کی	تو سُن یہ شعر نشاط آور و نگاہ نواز
پہن لے سایہ مری جاں اُتار کر پشواز	زمانہ با تو نسازد تو باز مانہ نساز

ما حصل جو ہوا ہمیں ایسی بے قدری پر
عزت کا تو کچھ بھی تجھ میں باقی نہیں وصف

اک نار سے مسکرا کے بولی وہ مس
افسوس کہ رہ گیا ہے تحقیر کا حس

خدا حافظ مسلمانوں کا اکبر
مجھے تو انکی خوشحالی سے ہے یاس
یہ عاشق شاہد مقصود کے ہیں
نہ جائینگے ولیکن سعی کے پاس
سناؤں تمکو اک فرضی لطیفہ
کیا ہے میں نے جسکو زیب قرطاس
کہا مجنوں سے یہ لیلیٰ کی ماں نے
کہ بیٹا تو اگر کرلے ایم اے پاس
تو فوراً بیاہ دوں لیلیٰ کو تجھ سے
بلا دقت میں بنجاؤں تری ساس
کہا مجنوں نے یہ اچھی سنائی
کجا عاشق کجا کالج کی بکواس
کجا یہ فطرتی جوش طبیعت
کجا ٹھونسی ہوئی چیزوں کا احساس
بڑی بی آپ کو کیا ہو گیا ہے
ہرن پہ لادی جاتی ہے کہیں گھاس
یہ اچھی قدردانی آپ نے کی
مجھے سمجھا ہے کوئی ہرچرن داس
دل اپنا خون کرنے کو ہوں موجود
نہیں منظور مغز سر کا آماس
یہی ٹھہری جو شرط وصل لیلیٰ
تو استعفا مرا با حسرت و یاس

اگرچہ پولیٹیکل بحث میں ہوے ہیں شریک
مگر ہمیں تو ہے بالکل سکوت اس امر میں
رموز مملکت خویش خسرواں دانند

جناب پنڈت جے چند و بابو آشوتوش
سمجھ گئے ہیں یہ مضمون سید دی ہوش
گدائے گوشہ نشینی تو حافظا مخروش

اک مس سیمیں بدن سے کرلیا لندن میں عقد
کوئی کہتا ہے کہ بس اسنے بگاڑی نسل قوم
دل میں کچھ انصاف کرتا ہی نہیں کوئی بزرگ
ہوتی تھی تاکید لندن جاؤ انگریزی پڑھو
حکم تھا کہ ہوٹلوں کا جا کے نظارہ کرو

اس خطا پر سن رہا ہوں طعنہ ہائے دلخراش
کوئی کہتا ہے کہ یہ ہے بدخصال و بدمعاش
ہو کے اب مجبور ہوں اس راز کو کرتا ہوں فاش
قوم انگلش سے ملو سیکھو وہی وضع و تراش
سوپ و کاری کے مزے لو چھوڑ کر یخنی و آش

لیڈیوں سے مل کے دیکھو اُنکے انداز و طریق
بادۂ تہذیبِ یورپ کے چڑھاؤ خُم کے خُم
جب عمل اس پر کیا پریوں کا سا یہ ہو گیا
سامنے تھیں لیڈیاں زہرہ وشِ جادو نظر
اِسکی چتون سحر آگیں اُس کی باتیں دل رُبا
وہ فروغِ آتشِ رُخ جسکے آگے آفتاب
جب یہ صورت تھی تو ممکن تھا کہ اک برقِ بلا
دونوں جانب تھا رگوں میں جوشِ خونِ فتنہ زا
بار بار آتا ہے اکبر میرے دل میں یہ خیال

بال میں ناچو کلب میں جا کے کھیلو اُن سے تاش
ایشیا کے شیشۂ تقویٰ کو کر دو پاش پاش
جس سے تھا دل کی حرارت کو سراسر انتعاش
یاں جوانی کی اُمنگ اور اُنکو عاشق کی تلاش
چال اِسکی فتنہ خیز اُسکی نگاہیں برق پاش
اس طرح جیسے کہ پیشِ شمع پروانے کی لاش
وستِ سیمیں کو بڑھاتی اور میں کہتا دور باش
دل ہی تھا آخر نہیں تھی برف کی یہ کوئی قاش
حضرتِ سید سے جا کر عرض کرتا کوئی کاش

در میانِ قعرِ دریا تختہ بندم کردۂ
باز میگوئی کہ دامن تر مکن ہشیار باش

۲۷ اگست ۱۸۹۱ء بمقام کانپور

بٹھائی جائینگی پردے میں بیبیاں کب تک
حرم سرا کی حفاظت کو تیغ ہی نہ رہی
میاں سے بی بی ہیں پردا ہے اُنکو فرض مگر
طبیعتوں کا نمو ہے ہوائے مغرب میں
عوام باندھ لیں دو ہر کو تھرڈ و انٹر میں
جو مُنہ دکھائی کی رسموں پہ ہے مُصر ابلیس

بنے رہو گے تم اس ملک میں میاں کب تک
تو کام دینگی یہ چلمن کی تیلیاں کب تک
میاں کا علم ہی اُٹھا تو پھر میاں کب تک
یہ غیرتیں یہ حرارت یہ گرمیاں کب تک
سکنڈ و فرسٹ کی ہوں بند کھڑکیاں کب تک
چھپینگی حضرتِ حوّا کی بیٹیاں کب تک

جناب حضرتِ اکبر ہیں حامیِ پردہ
مگر وہ کب تک اور اُنکی رباعیاں کب تک

وہ سودی سخنگوئے شیریں مقال
جو انگریزی شاعر تھا اک بے مثال

بفرمایشِ دخترِ باتمیز — کہ رکھتا تھا جسکو وہ دل سے عزیز
لکھی اسنے یہ نظم اک لاجواب — دکھائی ہے شکلِ روانئ آب
جو بہتا ہے پانی میانِ کوہ و دور — اُسی کا دکھایا ہے ستاؤ سے زور
مناسب جو انگلش مصادر سے ملے — مقفےٰ کیے اُسکے سب سلسلے
یہ جمعیت افعال کی خوب کی — کہ درستی بھی ہے اور دلچسپ بھی
یہ اصرار کرتے ہیں بھائی حسن — کہ میں بھی ہوں اس بحر میں غوطہ زن
دکھاؤں روانئ دریا مگر — کہ گوہر شناسوں میں ہو جس کا ذکر
عجب ہے نہیں انکی اسیرِ نظر — کجا میں کجا سودئ نامور
سوا اسکے ہیں اور بھی مشکلیں — نہیں سہل اس راہ کی منزلیں
مرے پاس سرمایہ کافی نہیں — وہ مصدر نہیں وہ قوافی نہیں
زباں میں نہ وسعت نہ ایسا مذاق — ادھر تو ہے کچھ اور ہی طمطراق
اگر ترجمہ ہو تو مطلب ہو خبط — معانی میں پیدا نہ ہو ربط و ضبط
مواقع یہ ہیں جنسے ڈرتا ہوں میں — مگر خیر کچھ فکر کرتا ہوں میں
جو تھیں دقتیں کہہ چکا برملا — غرض دیکھیے اب یہ پانی چلا
اُچھلتا ہوا اور اُبلتا ہوا — اکڑتا ہوا اور مچلتا ہوا
یہ بہتا ہوا اور وہ تھمتا ہوا — ٹپکتا ہوا اور چھپتا ہوا
روانی میں اک شور کرتا ہوا — رکاوٹ میں اک زور کرتا ہوا
پہاڑوں کے روزن میں کرکے مقام — یہ ہے کر رہا ہر طرف اپنا کام
ادھر پھوٹتا اور بھٹکتا ادھر — رخ اس سمت کرتا کھسکتا ادھر
پہاڑوں پہ سر کو پٹکتا ہوا — چٹانوں پہ دامن جھٹکتا ہوا
وہ پہلوئے ساحل دباتا ہوا — یہ سبزہ پہ چادر بچھاتا ہوا

بھٹکتا ہوا غل مچاتا ہوا
وہ گاتا ہوا اور بجاتا ہوا
اِدھر جھومتا اور مٹکتا ہوا
بپھرتا ہوا جوش کھاتا ہوا
وہ اونچے سروں میں تموج کا راگ
سدھرتا ہوا اور سنورتا ہوا
اِدھر گونجتا گنگناتا ہوا
لپٹتا ہوا اور جھپٹتا ہوا
سماتا ہوا اور پلٹتا ہوا
یہ گھٹتا ہوا اور وہ بڑھتا ہوا
یہ ہٹتا ہوا اور وہ بچتا ہوا
پھسلتا ہوا ڈگمگاتا ہوا
وہ روئے زمیں کو چھپاتا ہوا
گُل و خار یکساں سمجھتا ہوا
بہاتا ہوا اور بہتا ہوا
لرزتا ہوا تلملاتا ہوا
بلندی سے گرتا گراتا ہوا
اُچکتا ہوا اور اُڑتا ہوا
وہ کھیتوں میں راہیں کترتا ہوا
یہ تھالوں کے گودوں کو بھرتا ہوا
یہ پھولوں کے گجرے بہاتا ہوا

وہ جل تھل کا عالم رچاتا ہوا
یہ لہروں کو پیہم مچاتا ہوا
اُدھر گھومتا اور اٹکتا ہوا
بگڑ کر وہ کف منہ پہ لاتا ہوا
وہ خود جوش میں آ کے لانا یہ جھاگ
تھرکتا ہوا رقص کرتا ہوا
اُدھر خود بخود بھنبھناتا ہوا
یہ پھٹتا ہوا اور وہ سمٹتا ہوا
سرکتا ہوا اور ملتا ہوا
اُترتا ہوا اور چڑھتا ہوا
دباتا ہوا اور بچتا ہوا
چپکتا ہوا لڑکھڑاتا ہوا
وہ خاکی کو سینچیں بنتا ہوا
ہر اک سے برابر اُلجھتا ہوا
ہوا کے طمانچوں کو سہتا ہوا
بلکتا ہوا بلبلاتا ہوا
نشیبوں میں پھرتا پھراتا ہوا
اٹکتا ہوا اور دھڑتا ہوا
زمینوں کو شاداب کرتا ہوا
وہ دھرتی پہ احسان دھرتا ہوا
وہ چکر میں بجرے پھنساتا ہوا

لپکتا ہوا دندناتا ہوا
آمسلتا ہوا سنسناتا ہوا

چمکتا ہوا اور جھلکتا ہوا
سنبھلتا ہوا اور چھلکتا ہوا

ہواؤں سے موجیں لڑاتا ہوا
حبابوں کی موجیں بڑھاتا ہوا

تڑپتا ہوا جگمگاتا ہوا
شعاعوں کا جوبن دکھاتا ہوا

یونہیں العرض ہو یہ پانی رواں
بس اب دیکھ لیں شاعرِ نکتہ داں

وہ سودے کا سیلانِ آب و گہر دور
یہ بحرِ خیالات اکبر[1] کا دور

برق و بخارات کا زور اے حکیم
کب ہے پئے روح رہِ مستقیم

تار پہ جاتے نہیں اہلِ نظر
ریل سے کھنچتا نہیں قلبِ سلیم

سب جانتے ہیں علم سے ہے زندگی روح
بے علم ہے اگر تو وہ انساں ہے ناتمام

بے علم و بے ہنر ہے جو دنیا میں کوئی قوم
نیچر کا اقتضا ہے رہے بن کے وہ غلام

تعلیم اگر نہیں ہے زمانہ کے حسبِ حال؛
پھر کیا امید دولت و آرام و احترام

سید کے دل میں نقش ہوا اس خیال کا
ڈالی بنائے مدرسہ لے کر خدا کا نام

صدمے اٹھائے رنج سہے گالیاں سنیں
لیکن نہ چھوڑا قوم کے خادم نے اپنا کام

دکھلا دیا زمانہ کو زورِ دل و دماغ
بتلا دیا کہ کرتے ہیں یوں کرنے والے کام

میت ہو کتنی سحیر تو برکت خدا نے دی
کالج ہوا درست بصد شان و احتشام

سرمایہ میں کمی تھی سہارا کوئی نہ تھا
سید کا دل تھا درپئے تکمیلِ انتظام

آخر اٹھا سفر کو وہ مردِ خجستہ پے
احباب چند ساتھ تھے ذی علم و خوش کلام

قسمت کی رہبری سے ملی منزلِ مراد
فرماں روائے ملکِ دکن کو کیا سلام

حالت دکھائی اور ضرورت بیاں کی
خوبی سے التماس کیا قوم کا پیام

رحم آگیا حضور کو حالت یہ قوم کی
پھر کیا تھا موج زن ہوا دریائے فیضِ عام

[1] اصل کھو گئی ہے لڑکوں کے غلط لفظوں کے بعض اجزا ہم پہنچے اُن سے یہ نقل لکھی گئی ۲۶ دسمبر ۱۹ء

ماہانہ وہ ہزار کیا اک ہزار سے
امید سے زیادہ عطا تھی یہ لاکلام

اکبر کی یہ دعا ہے خدا کی جناب میں
تاحشر اس رئیس و ریاست کو ہو قیام

کیا وقت پر ہوئی ہے کہ بے احتیاجِ فکر
تاریخ اپنی آپ ہے فیاضی نظام[۱]

کہا کسی نے یہ سید سے آپ اے حضرت
نہ پیمبر کو نہ کسی پیشوا کو مانتے ہیں

نہ آپ عالمِ برزخ سے مانگتے ہیں مدد
نہ فاتحے کے طریقِ ادا کو مانتے ہیں

نظر تو کیجیے اس بات پر جو ہیں ہندو
بہ صد خلوص ہر اک دیوتا کو مانتے ہیں

بہت وہ ہیں جو عناصر پرست ہیں دل سے
وہ آگ پوجتے ہیں یا ہوا کو مانتے ہیں

کرسچین بھی فدائی ہیں نامِ مریم کے
بہ دل مسیح علیہ الثنا کو مانتے ہیں

خود آپ ہی میں جو ہیں شیعیانِ با تمکیں
وہ اہلِ بیت کو آلِ عبا کو مانتے ہیں

وہ لوگ جو ہیں ملقب بہ صوفیانِ کرام
فدا قبور پہ ہیں اولیا کو مانتے ہیں

مرادیں مانگتے ہیں لوگ پاک روحوں سے
کسی بزرگ کو یا مقتدا کو مانتے ہیں

پھر آپ میں یہ ہوا کیا سما گئی ہے کہ آپ
نہ دستگیر نہ مشکل کشا کو مانتے ہیں

جواب اُنھوں نے دیا ہم ہیں پیروِ قرآں
ادب ہر اک کا ہے لیکن خدا کو مانتے ہیں

سند ہماری ہے ایاک نستعین اے دوست
اُسی یگانۂ حاجت روا کو مانتے ہیں

اُسی کا نام زباں پر ہے حیّ اور قیوم
اُسی کی قدرتِ بے انتہا کو مانتے ہیں

یہ بوئے شرک ہی ہے جنگ و اختلاف کی جڑ
تو عقلمند کب ایسی بلا کو مانتے ہیں

جوابِ حضرتِ سید کا خوب ہے اکبر
ہم اُنکے قولِ درست و بجا کو مانتے ہیں

ولیکن اس نئی تہذیب کے بزرگ اکثر
خدا کو اور نہ طریقِ دعا کو مانتے ہیں

زبانی کہتے ہیں سب کچھ مگر حقیقت میں
وہ صرف قوتِ فرماں روا کو مانتے ہیں

پوچھا پروانے سے کہ اے ناداں
آگ میں گر کے کیوں گنواتا ہے جاں

۱؎ سید صاحب نے انسٹی ٹیوٹ گزٹ میں نظم مندرجہ بالا کی تعریف چھاپی ہے۔

مل کے مولا کو لے خرد دشمن
شعلے سے عالمِ وصال اچھا

شمع سے محو ہے یہ معنیِ روشن
یا اندھیرے میں پائمال اچھا

کیا وجہ ہے قومی جو ترقی نہیں ہوتی
یہ مسئلہ مشکل ہے وہی سمجھیں گے جن کو
اک بات مگر میں نے سنی تھی
اک پیچ ترقی میں تو آدھی ہے یہ مرقہ

ہر چند کہ ہے شور ترقی کی صدا میں
ہے شور تماپولیٹکل آب و ہوا میں
کل رات کو اک انجمنِ فکر خدا میں
لگتا نہیں دل ان کا ترقی کی دعا میں

سارے ملت بگڑ رہی ہے لونیہ پہ جان مر رہے ہیں
ادھر یہ قوم ضعیف مسکین آدھی میں کچھ پرستان میں
کسی رگِ اتحادِ ملت رواں ہو مُنہ خوں دل کی موجیں
صدائے اتحاد اٹھ رہی ہے صدا کی ایلا ڈالا رہی ہے
قفس ہے کم ہمتی پہ کہیں مٹھے میں کچھ دانا سے تیری
اگرچہ یورپ بھی مبتلا ہے وہاں بھی پھیلی یہی بلا ہے
مگر وہاں کی سیاسی ہے میتن رکا ہے ملحد کا آپریشن
یہاں بجائے نماز گپ ہے وہاں وہی عزت بشپ ہے

مگر طلسمی اثر ہے ایسا کہ خوش ہیں گویا ابھر رہے ہیں
یہ اپنی قسمت کو رو رہی ہے وہ بام پر اپنے مٹ رہے ہیں
ہم اسکو سمجھے ہیں آب صافی ہوا ہے ہم نکھر رہے ہیں
دلوں سے فریاد اٹھ رہی ہے کہ دین سے ہم کدھر رہے ہیں
اسی پہ مائل ہے طبع سنا ہے حال یہاں اب یہ رہے ہیں
خیال میٹر کا بڑھ چلا ہے خدا کا انکار کر رہے ہیں
نہیں ہے گم نقطہ سالویشن خدا کے لئے سے علمی قوم رہے ہیں
یہاں مساجد اجڑ رہی ہیں وہاں کلیسا سنور رہے ہیں

حسابِ اکبر سے کوئی کہہ دے کہ لوگ بیٹھے ہیں کس طرح کے
اس انجمن میں ابر ایسی باتیں یہ آپ کیا قہر کر رہے ہیں

چو اشارہ کرد ناصح کہ بیا و بشنو از من
کہ امیر گر بودہ بہ یہودِ عہد یاری
بخدائی عزیزاں ہمہ امتیاز جستی
تنفرے مگن چشم بہ حقارتے سر ویش
ہمہ اول تو دیدم ہمہ آخر تو دیدم

ہمہ طرز حیلہ جستن ہمہ فن ساز کردن
کہ امینِ دیر بودہ بہ حرم نماز کردن
ہمہ داغ غیر بودہ ہمہ عیش و ناز کردن
کہ حرام باد دستے سوئے تو دراز کردن
نہ خوش است شرح احوال و بیانِ راز کردن

تو بہ خویشتن چہ کردی کہ بما کنی نظیری

کیا شک ہے آفتاب کے شان و جلال میں
لیکن نہیں وہ کچھ بھی موثر پس از غروب
ہرچند تم خیال کرو آفتاب کا
پوجو گے اسکو تب بھی وہ پھیرا نہ جائے گا
انساں کا حال بھی مرے نزدیک ہے یہی
کتنا ہی کوئی صاحب اوج و کمال ہو
جب کر گیا جہاں سے وہ ملک عدم کو کوچ
قیوم و حی ذات ہے اللہ کی فقط
سن لو کہ اتباع و ادب اور چیز ہے

بخدا کہ واجب آمد زتو احتراز کردن

روشن تر اس سے کونسی شے ہے خیال میں
لازم ہے غور کیجئے اس مسئلے پہ خوب
گوشہ بھی اٹھ سکے گا نہ شب کی نقاب کا
اسکو پکارنے سے اندھیرا نہ جائے گا
تحقیق کی نظر سے کرو ٹھیک ہے یہی
کتنا ہی با اثر ہو کہ عالی خیال ہو
پھر اس سے کچھ مدد کا تصور ہے ہیچ و پوچ
زندہ ہمیشہ بات ہے اللہ کی فقط
مطلب کی لیکن اسکے طلب اور چیز ہے

آزردہ کوئی شیخ ہو یا برہمن خفا
حقانیت یہی ہے یہی ٹھیک فلسفا

کرچکا کالج میں جب تکمیل فن
گو کہ شہرت ہے تمہاری دور دور
عرض کی میں نے کہ اے روشن ضمیر
آپ نے سیکھا ہے لینے یا پیاسٹ

تب یہ بولے مجھ سے مسٹر ہارسین
مجھ سا تم رکھتے نہیں عقل و شعور
ہے یہی تو جسکو روتا ہے بشیر[1]
اور یہیں سے جو پڑھا وہ آپ سے

یہ طفل ناداں غریق غفلت ہوئے ذلت میں تن رہے ہیں
بہار ہی کے نہیں ہیں واقف خزاں کے ظلموں کو کیا وہ سمجھیں
بنا فلک ہی کے یہ ستارے یہ شوق سے کرتے ہیں نظارے
یہ آخری صف میں آگئے والے بہشت سمجھے ہیں اپنے تھالے
رہے ہیں جو ہر گرہ خس کے خوگر انہیں ہو کیوں خار آنکا منظر

سمجھ نہیں ہے نظر نہیں ہے بنا سے جاتے ہیں بن رہے ہیں
یہ دانت تو میرا انھیں کے دلپر ہے مجتہد گر چمن رہے ہیں
اٹھائی آنکھ جس نے گردشوں کا جو زیر چرخ کہن رہے ہیں
محال حسرت ہیں انکے سینے جو زینت انجمن رہے ہیں
نگاہ تو ہے انھیں کی منہ ہو سبت سرو و سمن رہے ہیں

[1] ایڈیٹر اخبار البشیر نے لکھا تھا کہ مسلمان پروفیسر مقرر ہوں

سخت صفا تھے مسائل دیں کے ہو بہی پر ہماری تھیں
اب انکو منطق منا رہی ہے وہ سر جھکائیں بس رہے ہیں

اگرچہ لفظوں کی بدلیوں میں چھپا ہے معنی کا چاند اکبر
مگر معانی ہیں ایسے روشن کہ نور کی طرح چھن رہے ہیں

مرے کا جشن تھا کل اک خراب خانے میں
کسی نے خوب یہ گایا کسی ترانے میں
خدا کے فضل سے ہم نام کے مسلمان ہیں
وگرنہ چین سے رہتے نہ اس زمانے میں

ہستی کے شجرہ میں جو یہ چاہو کہ چمک جاؤ
کچے نہ رہو بلکہ کسی رنگ میں پک جاؤ
میں نے کہا قائل میں تصوف کا نہیں ہوں
کہنے لگے اس بزم میں آؤ تو تھرک جاؤ
میں نے کہا کچھ خوف کلکٹر کا نہیں ہے
کہنے لگے آ جائیں ابھی وہ تو دبک جاؤ
میں نے کہا ورزش کی کوئی حد بھی ہے آخر
کہنے لگے بس اسکی یہی حد ہے کہ تھک جاؤ
میں نے کہا افکار سے پیچھا نہیں چھٹتا
کہنے لگے تم جانب میخانہ لپک جاؤ

میں نے کہا اکبر میں کوئی رنگ نہیں ہے
کہنے لگے شعر اسکے جو سن لو تو پھڑک جاؤ

کر چکا ختم جب میں اسپیچ
مجھ پہ پڑنے لگی ہر اک کی نگاہ
پوچھا استاد نے کہ سمجھے بھی؟
ان دقائق سے دل میں کی کچھ راہ
کہدیا میں نے اسکا کل مطلب
صاف یہ ہے۔ لا الہ الا اللہ

ماسٹر نے کہا کہ تو کودن ہے
حق پکارا کہ واہ اکبر واہ

سنا کہ چند مسلماں جمع تھے یک جا
خدا پرست خوش اخلاق اور بلند نگاہ
کہا کسی نے یہ اُن سے کہ یہ تو بتلاؤ
تمہاری عزت و وقعت کا کس طرح ہو نباہ
نظر کرو طرف اقتدار اہلِ فرنگ
کہ اُنکے قبضہ میں ہے ملک و مال و جیش و سپاہ
انہیں کا سکہ ہے جاری یہاں سے لندن تک
انہیں کے زیر نگیں ہے ہر اک سفید و سیاہ

کلیں بنائی ہیں وہ وہ کہ دیکھکر جن کو
تمہارے پاس بھی کچھ ہے کہ جسپہ تم کو ہے ناز

زبانِ خلق سے بیساختہ نکلتی ہے واہ
کہا اُنہوں نے کہ ہاں لا الہ الا اللہ

نہ وہ بِک رہ گئے نہ سر سید
ذاتِ محمود سے تسلّی تھی ؛
یہ لی عبرت کہ ہوش میں آؤ
مٹ گیا نقشِ احمد و محمود

دلِ احباب سے نکلتی ہے آہ
لی اُنھوں نے بھی آج خلد کی راہ
اے حریفانِ شان و شوکت و جاہ
رہ گیا لا الہ الا اللہ ٭

بنام ایڈیٹر رسالہ ید بیضا

علمِ اسرار دل چل معمّا داری
تو چہ حاجت بہ جمالِ سخن آمادہ داری

برتر از نظمِ دکن نظم ثریا داری
حسنِ یوسف دمِ عیسیٰ ید بیضا داری

آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری ؛

مسلمانوں میں اب تعلیمِ انگلش رک نہیں سکتی
وہ نزلہ رک نہیں سکتا یہ چھینک رک نہیں سکتی

کسی سے مشرق و مغرب کی سازش رک نہیں سکتی
بڑے بوڑھوں کی لیکن یہ کبھی خواہش رک نہیں سکتی

مذاقِ قوم بیگانہ نہو اللہ اکبر سے
یہ نقشِ جانفزا مٹنے نہ پائے دل کے دفتر سے

اہلِ یورپ کے ساتھ ہوٹل میں
خانساماں نے کان میں یہ کہا
پڑھیئے کوئی دعائے اکلِ طعام
تب یہ اشعارِ حضرتِ سعدی
اے کریمے کہ از خزانۂ غیب

چلکھی سید نے ایک دن کاری ؛
آپ تو علم سے نہیں عاری
دین سے بھی رہے وفا داری
ہوئے اُنکی زبان پر جاری
گبر و ترسا وظیفہ خور داری

دوستاں را کجا کنی محروم
تو کہ با دشمناں نظر داری

۵۱ مطلب یہ ہے کہ ہم کیوں نہ چڈ تنگ اور کاری وغیرہ نعمتیں ہوٹل میں کھائیں۔

نظم مذہبی حسب فرمائش ایڈیٹر دکن ریویو برائے مستقل اہتمام نمبر ۱۹۱۶ء

جو دل کرتے ہیں حق کی پاسبانی ؛ — خدا کا اُن پہ ہے لطفِ نہانی
سمجھتے ہیں جو قرآں کے معانی — سُنا ہے میں نے یہ اُنکی زبانی ؛

ہنوز آں ابرِ رحمت دُر فشان است
خُم و خمخانہ با مُہر و نشان است

سرورِ قلبِ حزیں جاں ہے اسلام — معینِ شاہی و شاہاں ہے اسلام
جہاں میں باسر و ساماں ہے اسلام — ابھی تک حافظِ ایماں ہے اسلام

ہنوز آں ابرِ رحمت دُر فشان است
خُم و خمخانہ با مُہر و نشان است

مساجد میں وہی شورِ اذاں ہے — وہی اللہ اکبر بر زباں ہے
وہی جوشِ دلِ اسلامیاں ہے — وہی مدت ہے وہی امتحاں ہے

ہنوز آں ابرِ رحمت دُر فشان است
خُم و خمخانہ با مُہر و نشان است

دلوں میں ہے خدا کی یاد اب تک — طبیعت ذکر سے ہے شاد اب تک
بہت ہیں صاحبِ ارشاد اب تک — بہت ہیں بلخِ دیں آباد اب تک

ہنوز آں ابرِ رحمت دُر فشان است
خُم و خمخانہ با مُہر و نشان است

عیاں ہے پرتوِ روئے محمد — مشامِ جاں میں ہے بوئے محمد
رواں ہیں قافلے سوئے محمد — وہی ہے رونقِ کوئے محمد

ہنوز آں ابرِ رحمت دُر فشان است
خُم و خمخانہ با مُہر و نشان است

دلوں میں کیوں تمہارے ہے یہ خامی
ابھی تک یاد حق ہو دل کی حامی
نہیں فطرت میں کچھ بد انتظامی
سنو یہ نغمۂ استادِ جامی

ہنوز آں ابرِ رحمت دُر فشان است
خم و خمخانہ با مہر و نشان است

برٹش سلطنت کے ہیں عواطف
تو کیوں ہوتے نہیں تم اس سے واقف
کہ مذہب کی نہیں ہے وہ مخالف
کہ کہتی ہے نگاہِ چشمِ عارف

ہنوز آں ابرِ رحمت دُر فشان است
خم و خمخانہ با مہر و نشان است

رسول اللہ کو دنیا نے مانا
نہیں اسلام سے خالی زمانہ
زبانوں میں ہے ابتک وہ فسانہ
سنو اکبر کا یہ قومی ترانا

ہنوز آں ابرِ رحمت دُر فشان است
خم و خمخانہ با مہر و نشان است

خدا علی گڈھ کے مدرسے کو تمام امراض سے شفا دے
بھرے ہوئے ہیں رئیس زادے امیر زادے شریف زادے

لطیف خوش وضع چست و چالاک و صاف پاکیزہ شاد و خرم
طبیعتوں میں ہے انکی جودت تو ہمتیں انکے ہیں نیک ارادے

کمال محنت سے پڑھ رہے ہیں کمال غیرت سے بڑھ رہے ہیں
سوار مشرق کی راہ میں ہیں تو مغربی راہ میں پیادے

ہر اک ہے انمیں کا بیشک ایسا کہ آپ اُسے چاہتے ہیں جیسا
دکھائے محفل میں قدِ رعنا جو آپ آئیں تو سر جھکا دے

فقیر مانگے تو صاف کہدیں کہ تو ہے مضبوط جا کما کھا
قبول فرمائیں آپ دعوت تو اپنا سرمایہ کل کھلا دے

بتوں سے انکو نہیں لگاوٹ مسوں کی لیتے نہیں وہ آہٹ
تمام قوت ہے صرفِ خواندن نظر کے بھولے ہیں دل کے سادے

نظر بھی آئے جو زلفِ پیچاں تو سمجھیں یہ کوئی پالسی ہے
الکٹرک لائٹ انکو سمجھیں جو برق وش کوئی مسکرا دے

نکلتے ہیں کر کے غول بندی بنام تہذیب و درد مندی
یہ کہکے لیتے ہیں سب سے چندے ہمیں جو تم دو تمہیں خدا دے

انھیں اسی بات پر یقیں ہے کہ بس یہی اصلِ کار دیں ہے
اسی سے ہوگا فروغ قومی اسی سے چمکینگے باپ دادے

مکان کالج کے سب مکیں ہیں ابھی انہیں تجربے نہیں ہیں	خبر نہیں ہے کہ آگے چل کر ہے کیسی منزل ہیں کیسے جادے
دلوں میں ان کے ہے نور ایماں قوی نہیں ہے مگر نگہباں	ہوائے منطق ادائے طفلی یہ شمع ایسا نہ ہو بجھا دے
فریب دیکر نکالے مطلب سکھائے تحقیر دین و مذہب	مٹا دے آخر کو وضع ملت نمود ذاتی کو گو بڑھا دے

یہی بس اکبر کی التجا ہے جناب باری میں یہ دعا ہے
علوم و حکمت کا درس انکو پروفیسر دیں سمجھ خدا دے

سنہ ۱۸۹ء

ترجمہ قول یکے از اکابر یورپ

"Religion without power is but a Philosophy"

یہ شیخ اکبر سے اتنا کیوں خفا ہے	یہ کیوں بپادِ غضب ہو رہا ہے
نہیں ہے اسمیں جھگڑے کی کوئی بات	یہ اک قولِ حکیم باصفا ہے
نہ ہو مذہب میں جب زورِ حکومت	تو وہ کیا ہے فقط اک فلسفا ہے
تنزل میں ہیں آج ہم چمستان کمپ کے	پروانہ کل بنیں گے کلیسا کے لیمپ کے
فکر بہشت و کوثر و تسنیم ہو چکی	اب پارک کا خیال ہے چرچے ہیں کیمپ کے
رکھتے تھے جو بزرگ قدم پھونک پھونک کر	خوگر ہوئے ہیں لیکچر کے اسٹمپ کے
نہ نماز ہے نہ روزہ نہ زکوٰۃ ہے نہ حج ہے	تو خوشی پھر اسکی کیا ہے کوئی جنٹ کوئی جج ہے
جو خیال ہیں ہر اک کے تو مذاق ہیں الو کے	نہ وہ وضع قوم کی ہے نہ وہ شان ہے نہ دھج ہے
کوئی انمیں ہے جو ایسا کہ جو دون کی ہے لیتا	جو اُسے بھی چھیڑ دیکھا تو وہ کمتر از کھرچ ہے
جو کر آئے سیر لندن ہیں اسیر کبر و فیشن	جو ہیں گئے ہیں بن ٹھن انھیں پائیڈ ہے گرج ہے
نہیں کوئی صاف سینہ ہم انمیں بھی ہے کینہ	یہ انھیں کہیں کمینہ وہ انھیں کہیں اپچ ہے
کہیں میم کا ہے سودا کوئی دخت رز کا شیدا	ہے پھر اسپہ ناز و خندہ کہ دل انمیں کیا حرج ہے
پاتی ہیں قومیں تجارت سے عروج	بس یہی اُنکے لئے معراج ہے

سبب ہے تجارت واقعی اک سلطنت
زور یورپ کو اسی کا آج ہے

لفظ تاجر خود ہے اے اکبر ثبوت
دیکھ لو تاجر کے سر پہ تاج ہے

تمہاری اصل خدا کا کلام واضح ہے
عبث یہ ولولۂ نقلِ قومِ فاتح ہے

سنو یہ بات جو مجموعۂ نصائح ہے
وہی ہے باعثِ عزت عمل جو صالح ہے

نہ ہو جو مذہب و ملت کے ساتھ ہمدردی
زمانہ صاف کہے گا کہ ہے یہ نامردی

اُنھیں کے واسطے مے کا سرور زیبا ہے
اُنھیں کے دل میں طرب کا وفور زیبا ہے

اُنھیں کو روئے زمیں پر غرور زیبا ہے
مرے لئے فقط امیدِ حور زیبا ہے

اسی امید میں ساری ترقیاں سمجھیں
جو آپ حور کے معنی کی خوبیاں سمجھیں

کرزن سبھا

سبھا میں دوستو کرزن کی آمد آمد ہے
گلوں میں غیرتِ گلشن کی آمد آمد ہے

رئیس و راجہ و نواب منتظر ہیں بہ شوق
کہ نائبِ شہِ لندن کی آمد آمد ہے

وہ ہو کے آتے ہیں قائم مقامِ قیصرِ ہند
ستاروں میں مہِ روشن کی آمد آمد ہے

ہیں اُنکے ساتھ میں اتنے اکابرِ یورپ
کہ گویا دہلی میں لندن کی آمد آمد ہے

غرض یہ ہے کہ ہو تکمیلِ زینت و رونق
ہر ایک علم کی ہر فن کی آمد آمد ہے

کمر بندھی نظر آتی ہے آب و آتش کی
ادھر سے کل ادھر انجن کی آمد آمد ہے

دکھا رہے ہیں ہنرمند خوابِ مقناطیس
دلوں میں حالتِ روشن کی آمد آمد ہے

اُمنڈ رہی ہے ہر اک سمت سے فراوانی
ہر ایک جنس کے خرمن کی آمد آمد ہے

ورودِ فوج سے ہے زرق برق کا عالم
جدھر کو دیکھئے پلٹن کی آمد آمد ہے

چمک ہے کرچ کی ہر سو گمک ہے توپوں کی
چھما چھم اور دنادن کی آمد آمد ہے

چہل پہل ہے اُمنگیں ہیں جوشِ مستی ہے
بہارِ عیش پہ جوبن کی آمد آمد ہے

جو پیر ہیں اُنھیں ہیں ولولے جوانی کے
جوان ہیں تو لڑکپن کی آمد آمد ہے

تمام مذہب و ملت میں ہے کشش پیدا
معاد و مسیح و برہمن کی آمد آمد ہے

گرہ میں زر ہیں اور تعلیم تام لازم و فرض
اسی سبب سے مہاجن کی آمد آمد ہے

اُبھار سے رکھتا ہے اکبر کے دل کو نفسِ کسل
اگرچہ پیری و سستی کی آمد آمد ہے

آمد اقبال پری

اقبال پری آئی جو ادبار بدلکر
دُنیا کی ہوا ساتھ ہوئی ساز بدلکر

غزل سرائی اقبال پری

ہوں نار سے معمور حکومت سے بھری ہوں
زریں مراد امن ہے میں اقبال پری ہوں

ہر شعلہ مقابل مرے چہرے کے ہے بے نور
کہتا ہے کہ ہوں بھی تو چراغ سحری ہوں

ہر ڈھنگ سے دکھلاتی ہوں شان اپنی جہاں کو
ہر رنگ میں ہیں مست مے جلوہ گری ہوں

انگلینڈ پہ ہوں سایہ فگن حکمِ خدا سے
شاہنشہ اڈورڈ کی صورت پہ مری ہوں

مبارکباد پنچ کی طرف سے

قوم انگلش کو یہ دربار مبارک ہووے
لارڈ کرزن سا یہ سردار مبارک ہووے

ہو مبارک شہِ انگلینڈ کو تخت و دیہیم
مجھکو یہ پنچ گہر بار مبارک ہووے

نصیحت اخلاقی

بیٹے کو لوگ کہتے ہیں آنکھوں کا نور ہے
ہے زندگی کا لطف تو دل کا سرور ہے

گھر میں اسی کے دم سے ہے ہر سمت روشنی
نازاں ہے اُس پہ باپ تو ماں کو غرور ہے

خوش قسمتی کی اسکو نشانی سمجھتے ہیں
کہتے ہیں یہ خدا کے کرم کا ظہور ہے

اکبر بھی اس خیال سے کرتا ہے اتفاق
اسکا بھی ہے یہ قول کہ ایسا ضرور ہے

البتہ شرط یہ ہے کہ بیٹا ہو ہونہار
مائل ہے نیکیوں پہ بُرائی سے دور ہے

سنتا ہے دل لگا کے بزرگوں کی پند کو
وقتِ کلام لب پہ جناب و حضور ہے

برتاؤ اسکا صدق و محبت سے ہے بھرا
اسمیں نہ ہے فریب نہ کچھ مکر و زور ہے

افکارِ والدین میں ہے دل سے وہ شریک
ہمدرد ہے معین ہے اہلِ شعور ہے

راضی ہے اُسپہ باپ کی جو کچھ ہو مصلحت
صابر ہے باادب ہے عقیل و غیور ہے

رکھتا ہے خاندان کی عزت کا وہ خیال
نیکوں کا دوست صحبتِ بد سے نفور ہے

کسبِ کمال کی ہے شب و روز اسکو دھن
علم و ہنر کے شوق کا دل میں وفور ہے

لیکن جو اِن صفات کا مطلق نہیں پتا
اور کچھ بھی ہے خوشی تو خوشی کا قصور ہے

نظمِ قومی حسب فرمائش نواب محسن الملک بہادر

مسلمانو بتاؤ تو تمہیں اپنی خبر کچھ ہے
تمہارے کیا اداے رہ گئے اسپر نظر کچھ ہے

اگر کچھ ہے تو سوچو دل میں بھی اسکا اثر کچھ ہے
حریفوں کی تعلی باعثِ سوزِ جگر کچھ ہے

تمہیں معلوم ہے کچھ رہ گئے ہو کیا سے کیا ہو کر
کدھر آ نکلے ہو راہِ ترقی سے جدا ہو کر

کوئی آگے نہ تھا تم سے ترقی کی تگ و دو میں
کوئی دس میں چمکتا تھا تو تم ممتاز تھے سو میں

تمہیں نے فرق بتلایا تھا سب کو گندم و جو میں
تمہیں سے سیکھ کر بنتی تھیں عالم مغربی قومیں

شرف پایا تھا تم نے امتیازِ حق و باطل سے
مخالف بھی تمہاری قدر دانی کرتے تھے دل سے

تمہاری عزتیں تھیں اوج تھا رتبہ تھا شانیں تھیں
تمہاری بات تھی احکام تھے کہنا تھا آنیں تھیں

تمہارے ذکر میں سرگرم دنیا کی زبانیں تھیں
تمہیں تم تھے زمانے میں تمہاری داستانیں تھیں

غرور و ناز کم کرنا پڑا تھا ایک عالم کو
سرِ تسلیم خم کرنا پڑا تھا ایک عالم کو

تمہارا اتفاق اک باہمی دیوارِ آہن تھا
مخالف ایک کا جو تھا وہ گویا سب کا دشمن تھا

تمہاری ہمتوں کا عرشِ اعظم پر نشیمن تھا
تمہارے ہاتھ میں آفاق کا ہر علم ہر فن تھا

تم اپنی حق پرستی سے دبا لیتے تھے دنیا کو
خدا کے سامنے جھک کر جھکا دیتے تھے اعدا کو

نہ یہ آپس کے جھگڑے تھے نہ یہ ناحق پرستی تھی
نہ دل میں بدگمانی تھی نہ ہمت میں یہ پستی تھی
طبیعت پر نہ دیو نفس کی یہ چیرہ دستی تھی
نظر میں سطحِ نورِ حقیقت ساری ہستی تھی

تمہاری وضع دلکش تھی تمہاری شان عالی تھی
خوش اخلاقی تمہاری سطوتِ شانِ جمالی تھی

نہیں ہے اب افسوس اب تمہارا وہ چلن باقی
نہ وہ ذوقِ ہنرمندی نہ شوقِ علم و فن باقی
نہ وہ حسنِ عمل باقی نہ اب وہ حسنِ ظن باقی
نہ دل میں ہے وہ جوشِ حبِ یارانِ وطن باقی

جو فکریں ہیں تو اپنے نفس کو راحت رسانی کی
توقع کیا اسی پر ہے خدا کی مہربانی کی

غضب ہے جوشِ اسلامی سے خالی سب کا سینا ہے
بس اپنے ہی مزے کے واسطے ہر اک کا جینا ہے
حسد ہر ناتواں میں ہے بے مہری ہے کینا ہے
یہی قومی ترقی کا ذرا سوچو تو زینا ہے

کہاں ہے اب مسلمانوں میں باہم شعرِ الفت
جو باقی شاعروں میں ہو تو ہو وہ اک غرضِ الفت

میں تم سے کیا کہوں اس وقت دل پر کیا گزرتی ہے
طبیعت بات کرنے کو بھی مشکل سے ٹھہرتی ہے
تصور دل میں آتا ہے تو آنکھ اشکوں سے بھرتی ہے
خلش سینے میں ایسی ہے کہ وہ چھپ ہی کرتی ہے

مرا دردیست اندر دل اگر گویم زباں سوزد
وگر دم درکشم ترسم کہ مغزِ استخواں سوزد

وہ باتیں جنسے قومیں ہو رہی ہیں نامور سیکھو
بڑھاؤ تجربے اطراف دنیا میں سفر سیکھو
اٹھو تہذیب سیکھو صنعتیں سیکھو ہنر سیکھو
خواصِ خشک و تر سیکھو علومِ بحر و بر سیکھو

خدا کے واسطے لوگو اٹھو ہوش میں آؤ

دلوں میں اپنے غیرت کو جگہ دو جوش میں آؤ

سخن معقول و موزوں ہو تو سب کا دل بہلتا ہے
زباں سے نعرۂ مدح و ثنا ہر دم نکلتا ہے

کلامِ خوش کلاماں رنگ با معنی بدلتا ہے
مگر شوقِ عمل ہو واقعی تب کام چلتا ہے

توجہ گر نہ ہو دل سے تو پھر تاثیر کیونکر ہو
کلامِ دلکشِ **اکبر** ہو یا مہدی کا لکچر ہو

ڈارون صاحب حقیقت سے نہایت دور تھے
اپنی حالت کے مطابق چاہئے طرزِ عمل
اس تقریب پر ہمیں کچھ فخر کا موقع نہیں

میں نہ مانوں گا کہ مورث آپ کے لنگور تھے
اس سے کیا ہوتا ہے دادا قیصر و فغفور تھے
پاس گو بیٹھے تھے لیکن انکے دل سے دور تھے

ہوائے الحاد رنگِ ملت کو ہر روش پر بدل رہی ہے
ہمیں نے در اس ہوا پہ کھولا کیا اُسے چُپ جو کوئی بولا
نہ عاقبت کا کسی کو ڈر ہے نہ عزتِ قوم پر نظر ہے
جو پیشوا خود ہوں نذرِ مشربِ تو کیا جمے رنگِ وعظِ مذہب
کریں یہ باخبر ہیں ہر جا نہیں ہے چرچوں میں اسکا چرچا
جو قوم ہمسایہ ہے ہماری نہیں ہے اُس پر بلا یہ طاری
ہم اپنی صورت بگاڑتے ہیں بنا رہی ہے وہ اپنے گھر کو
خدا کی ساعت ہیں یاں کی صدیاں چھپی نہیں ہے ہماری بہار یاں

جو بات بگڑی بنے وہ کیونکر چل گئی ہے وہ چل رہی ہے
ہمیں ہے خود اب تردد اسکا طبیعت اب ہاتھ مل رہی ہے
سرو نہیں سودا سمار ہا ہے دلوں سے غیرت نکل رہی ہے
قلوب شیطاں کے متبع ہیں زبان قرآں پہ چل رہی ہے
ہمیں نے سمجھا ہے عہد اسکو ابھی یہاں اب نسل پل رہی ہے
ہم اپنی مستی میں گر رہے ہیں وہ ہوش میں ہر سنبھل رہی ہے
ہم اپنا نقشہ مٹا رہے ہیں وہ اپنے سانچے میں ڈھل رہی ہے
بلائیں آئیں اور آرہی ہیں کوئی گھڑی ہے کہ ٹل رہی ہے

زباں پہ **اکبر** میں کب یہ قدرت کہ کہہ سکے رازِ سوزِ حسرت
وہ شمع اسکو بیاں کرے گی جو گورِ سید پہ جل رہی ہے

چاہا جو ہمیں نے اُن سے طریقِ عمل یہ عظ
پیدا ہوئے ہیں ہند میں اس عہد میں جو آپ
سے انتہا مفید ہیں یہ مغربی علوم

بولے کہ نظم ذیل کو ارقام کیجئے
خالق کا شکر کیجئے آرام کیجئے
تحصیل انکی بھی سحر و شام کیجئے

حالی کی تحقیق و تصنیف علمائے یورپ با تخصیص ارنسان [illegible]

یورپ میں پھرئیے پیرس و لندن کو دیکھیے — تحقیقِ ملک کا سحر و شام کیجیے
ہو جائیے طریقۂ مغرب پہ مطمئن — خاطر سے محو خطرۂ انجام کیجیے
پیران سے فروغ کا گل ہو چکا چراغ — ناحق نہ دل کو تابعِ اوہام کیجیے
رکھیے نہ دل کو دیر و کلیسا سے منحرف — متروک قیدِ جامۂ احرام کیجیے
انصاف کفر و فسق کو بس بھول جائیے — ہر ملت و طریق کا اکرام کیجیے
سب ہے جہاں میں وسعتِ مشرب سے نیک نام — مجھکو مرید ہندوؤں کو رام کیجیے
رکھیے غرور و شہرت و اعزاز پر نظر — دولت کو صرف کیجیے اور نام کیجیے
سامان جمع کیجیے کوٹھی سجائیے — با صد خلوص دعوتِ حکام کیجیے
آرائشوں سے گھر کو مہذب بنائیے — تزئینِ طاق و سقف و در و بام کیجیے
یارانِ ہم مذاق سے ہمدم ہو جیے — موقع ملے تو شغلِ مے و جام کیجیے
چشم و لبِ بتاں سے بھی غافل نہ ہوجیے — تکمیلِ شوق پستہ و بادام کیجیے
نظارۂ بتاں سے تر و تازہ رکھیے آنکھ — تفریحِ پارک میں سحر و شام کیجیے
مذہب کا نام لیجیے عامل ہو جیے — جو متفق نہ ہو اسے بدنام کیجیے
طرزِ قدیم پر جو نظر آئیں مولوی — پبلک میں انکو موردِ الزام کیجیے
زنجیرِ فقہ توڑیے کہکر خلافِ شرع — مضموں لکھئے دعوئ الہام کیجیے
ممنوع ہے تعددِ ازواج خاصکر — یوں گھوم پھیر کے تنقیۂ عام کیجیے
قومی ترقیوں کے مشاغل بھی ہیں ضرور — اس ضمن میں بھی ضرور کوئی کام کیجیے
لڑکے نہوں تو ہو نہیں سکتی چہل پہل — ملکر پئے وظیفہ و انعام کیجیے
تحصیل چندہ کیجیے لڑکوں کو بھیجکر — سارا علاقہ ہند کا اب رام کیجیے
بے رونقی سے کاٹیے کیوں اپنی عمر کو — کیوں انتظارِ گردشِ ایام کیجیے
ہو جائیے وہ جیسے کہ اس میں ضرور ہے — ہر انجمن میں دعوئ اسلام کیجیے

لیکن نہ بن پڑیں جو یہ باتیں حضور سے
مُردوں کے ساتھ قبر میں آرام کیجئے

میں دیکھتا ہوں صلح و محبت ہے اُٹھ گئی
ہر دل سے ہر گروہ سے ہر خاندان سے
اسکا سبب نہیں ہے سوا اسکے اور کچھ
یعنی کہ اُٹھ گیا ہے خدا درمیان سے

تعجب سے کہنے لگے بابو صاحب
گورنمنٹ سید پہ کیوں مہرباں ہے
اُسے کیوں ہوئی اسقدر کامیابی
کہ ہر بزم میں بس یہی داستاں ہے
کبھی لاٹ صاحب ہیں مہماں اُسکے
کبھی لاٹ صاحب کا وہ میہماں ہے
نہیں ہے ہمارے برابر وہ ہرگز
دیا ہم نے ہر صیغے کا امتحاں ہے
وہ انگریزی سے کچھ بھی واقف نہیں ہے
یہاں جتنی انگلش ہے سب بر زباں ہے
کہا ہنس کے **اکبر** نے اے بابو صاحب
سنو مجھ سے جو رمز اسمیں نہاں ہے
نہیں ہے تمہیں کچھ بھی سید سے نسبت
تم انگریزی داں ہو وہ انگریز داں ہے

طبع سمجھی کہ بلندی میں بڑھی جاتی ہے
زلف خوش ہے کہ یہ پھانسی پہ چڑھی جاتی ہے
وہ ہے نافہم یہ عیار محل ہے نازک
اہل بینش میں یہ اک نظم پڑھی جاتی ہے

دار و آں آفتِ جاں حسن و جمالِ عجبے
چشم مستِ عجبے دارد و خالِ عجبے
او بتاراجِ دلم مائل و من مائلِ او
او بہ فکرِ عجبے من بہ خیالِ عجبے

۱۸۸۶ء کے ایک گم شدہ مضمون کے چند اشعار

اک رنگ پہ پھریاں کوئی شے رہ نہیں جاتی
وہ شوکت و شانِ جم و کے رہ نہیں جاتی
یورپ کے ترقی کا چمکتا ہے ستارا
توقیرِ عرب عظمتِ رے رہ نہیں جاتی
دلکش نظر آتا ہے بہت نقطِ نو سبزہ
تزئینِ رُخِ بہمن و دے رہ نہیں جاتی
گڈ بائی کا غل مچتا ہے اطرافِ جہاں میں
تسلیم نہیں رہتی ہے جے رہ نہیں جاتی
عالم کو لبھاتی ہیں پیانو کی صدائیں
بلبل کے ترانوں میں وہ لے رہ نہیں جاتی
آہنگ طرب کے لئے چھڑتے ہیں نئے ساز
دمسازیٔ احباب کو نے رہ نہیں جاتی

پردوں سے بدل جاتی ہیں ساقی کی نگاہیں | | وہ گھر کہ بس پیمانہ دہ سے رہ گئیں جاتی

ہوتی ہے بہت سخت یہ منزل مگر اے صبر
ہمّت ہو تو پھر ناحیہ طے رہ ہیں حالی

— ⁂ —

مواقع خاص

سنہ ۱۹۰۷ء حسب فرمایش تاریخ

زمزمہ اوجِ فلک پر ہے یہی بیر بر[۵۱] ڈ کا — سب ہے یہی مژدہ روئے ارض پر بروڈ[۵۲] کا
زینتِ گیتی ہے ملکِ اعظمِ برطانیہ — سکہ بیٹھا ہے دلوں میں حضرتِ اڈورڈ کا

راجہ صاحب سے شیخ جی نے کہا — اب بھروسا حضور پر نہ رہا
مجھکو چھوڑا امام باڑے میں — پہونچے خود نیچری اکھاڑے میں
جیب خالی پھرا کیا بندہ — لے گئے غیر اس قدر چندہ
راجہ صاحب نے ہنس کے فرمایا — کیوں مزاج آپ کا ہے گرمایا
بزم قومی میں میں شریک ہوا — جو ہوا ہر طرح سے ٹھیک ہوا
آپ پر بار صرف ڈاڑھی ہے — یاں ریاست کی فکر گاڑھی ہے
جب حکومت کرے خود اُسکا ڈفنس — کیوں نہ ہوں میں شریک کانفرنس
مجھکو ہے شوق علم و دانش سے — کیوں میں رکتا پھر اپنی خواہش سے
نہ ہو سکیں وہ جو یہ توضیح — تو میں کردوں گا دوسری تشریح
مجھ پہ کرتا تھا اعتراض خبیث — دل میں آیا مرے یہ شعر لطیف
دفترِ اعتراض سوختہ بہ — ذہن او بہ چشم دوختہ بہ

سُن رہے تھے سماع مولانا[۵۳] — اُسی حالت میں انتقال ہوا
واہ کیا خوش نصیب تھے حضرت — عالمِ وجد میں وصال ہوا
ہزار و نہ صد و شش از جہاں رفت — بیامد یک ہزار و نہ صد و ہفت

ممدوح خاص و عام ہیں **لالہ نہال چند** — در اُنکے فیض کا کبھی رہتا نہیں ہے بند

---

۵۱ طائر ۵۲ نفرا ۵۳ مولانا محمد حسین صاحب سنہ ۱۹۰۶ء

چندے وصول کرنے کو ہیں پیشوا بہت
سب کرتے ہیں مباحثِ قرآں و وید تند

لیکن دقیق و سخت جو ہوتا ہے کوئی کام
اُس وقت میں حباب ہی ہوتے ہیں دردمند

حکام کے حضور میں کرتے ہیں التماس
قانون سے جو ہوتا ہے کچھ شبہ گزند

تقریر رنٹ بل پہ جو کی ملک بول اُٹھا
ایں کار از تو آید و مرداں چنیں کنند ۱۹۱۶ء

۱۹۱۶ء آغازِ تشریف آوری میں کہا گیا تھا

علامانِ حق چو حریفاں ز راہ میگردند
ز فیضِ حکمتِ او ز براہ میگردند

کرم است بہ ہندوستاں شہِ کابل
تاں گرد حبیبِ الٰہ میگردند

موت چلدی میری شکستہ استخواں کو سونگھ کر
چونک اُٹھا اکبر مرض جوابِ گراں سے اونگھ کر

یہ سمجھنا چاہیے خالق نے جو صحت یہ دی
بہر استغفار اپنے فضل سے مہلت یہ دی

بہ علالت ۱۹۱۵ء

حضرت کی وفات سے ہی ہر اک دل ریش
رکھتے تھے عزیز انکو بیگانہ و خویش

کیا کیا صفتیں تھیں جمع ان میں اکبر
حافظ و حاجی و طبیب و عالم درویش

طفلِ غنچہ چوں فرستادی ز راہِ لطف و مہر
گوش بردار دل سرور و لطفہا اندوختم

مسکرِ شوقِ دعوت و اپیچ در دل آتشم
مغزِ ترتیب دادم شمعہا افروختم

خادمِ خاصِ اپنے آمد بہ نیت زود ریل
نصفِ شب را استعارت بہر دیدہ دوختم

چوں شنیدم مسح کردی عزم در فتح پور
شمع را خاموش کردم خود سراپا سوختم

سید جلال الدین طہرانی ایڈیٹر حبل المتین

تھا باعثِ الم مرض جانگزائے قوم
مدت سے سن رہے تھے علیگڑھ میں ہائے قوم

آخر اودھ نے کالج طبی بنا لیا
شکر خدا کہ ہو گئی پیدا دوائے قوم

جلال کا تو محل اے حضور کچھ بھی نہیں
خدا گواہ ہے میرا قصور کچھ بھی نہیں

براہِ لطف و کرم لائے یہاں تشریف
الہ آباد علیگڑھ سے دور کچھ بھی نہیں

محبت آپکی ہے میرے دل میں مستحکم
میں صاف لکھتا ہوں مگر وہ زور کچھ بھی نہیں
وہ امر آپکی جانب سے میں نہ سمجھا تھا
یہ چاہیے کہنے کہ تجھ کو شعور کچھ بھی نہیں

بوڈ نیشن کے تصنع سے مجھے ساز نہیں
ہے دل جو سیرِ تشغل تو اکبر یہ کوئی راز نہیں
گو اب آزاد ہوں لیکن مری صحت ہے خراب
پر کھلے ہیں مگر اب طاقتِ پرواز نہیں

ڈپوٹیشن کی سرسبزی جو دیکھی اُسنے تسلے میں
برہمن نے کہا یہ شاخِ بید اور ایسے گملے میں
کہا مہدی نے بھائی تمکو کیوں اس درجہ حیرت ہے
تمہارے واسطے یہ کیا محلِ رشک و غیرت ہے
تعجب کیا ہے ہم اُس بت کے پہلو میں جو لیٹے ہیں
حرم کے محترم کیا دیر کے خادم سے بیٹھے ہیں
برہمن نے کہا بس آپ کی باتیں ہی باتیں ہیں
اجی یہ وصل کی راتیں نہیں ہیں اُلٹی گھاتیں ہیں
کہا مہدی نے ہمکو تو مزے سے اپنے مطلب ہے
محبت ہو نہ ہو اُنکو امید اسکی یہاں کب ہے
برہمن نے کہا ایسا مزا اعضا کا مضعف ہے
کہا مہدی نے ہاں اس بات سے بندہ بھی واقف ہے

وفات سرسید مرحوم

ہماری باتیں ہی باتیں ہیں سید کام کرتا تھا
نہ بھولو فرق جو ہے کہنے والے کرنیوالے میں
کہے جو چاہے کوئی میں تو یہ کہتا ہوں اے اکبر
خدا بخشے بہت سی خوبیاں تھیں مرنیوالے میں

سنہ ۱۹۰۶ء

دیکھی جو نمائشِ چکاگو
دل نے کہا دین سے کہ بھاگو
اتنے میں اجل پکاری سر پہ
بس ہو چکا خوابِ زیست جاگو

شروع سنہ میں آپ ہونگے وہاں تم اپنی ہاں کو یہ لکھ چکے ہو
تو دیر پھر کیوں لگا رہے ہو یہ کیا تامل ہے کیوں رکے ہو
مجھی کو سمجھو تم اپنا قبلہ سرِ ادب کو یہیں کرو خم
وہاں کے چرچوں میں لطف کیا ہے جبے اُٹھانیکو تم جھکے ہو

علمِ باری میں یہ تپ موت کی تمہید نہ تھی
ورنہ ظاہر میں تو کچھ زیست کی امید نہ تھی

(سنہ ۱۹۰۵ء میں مصنف کو باری سے تپ آئی تھی)

مولوی محمد کریم صاحب تحصیلدار سیکا ضلع الہ آباد ۲۰ دسمبر [illegible]

عمدہ پھپلی شلغم و حسام ملی — تحفہ پایا مرادِ حسام ملی
ممنون کریم کیوں نہ ہوں اکبر — وہ دام میں لائے مجھکو سے دام ملی

اک دوست ہمارے ہیں تپ انکو شدید آئی — چیلا گئے بیماری موت میں شفا پائی
لاہور کے جلسے میں شرکت کو میں اب جاتے — حالانکہ ابھی قوت پاؤں میں نہیں پاتے
میں کہتا ہوں جاتے ہو لاہور بلا قوت — وہ اسکو سمجھتے ہیں لاحول ولا قوۃ کو
یہ میری غلط بندش وہ اُن کی غلط فہمی — میں حد سے بڑھا شاعر وہ حد سے سوا وہمی

اچھا نہیں مجھ کو قصہ قبلی — بس صاف یہ ہے کہ بھائی شبلی
تکلیف اُٹھاؤ آج کی رات — کھانا یہیں کھاؤ آج کی رات
حاضر جو کچھ ہو دال دلیا — بھجوا اسکو پلاؤ قلیا

شبلی کا قدم علم کی منزل پہ جما ہے — رفتار پہ آکر کے قلم اسکا تھما ہے
چمکی ہوئی ہے رم سلف انکے بیاں سے — روشن ہیں یہ معنی کہ وہ شمس العلما ہے

یہ کیا سبب ہے جو دھڑکے کی بھر آتا ہے — یہ کیا ہوا جو مجھے شمر کاٹے کھاتا ہے
یہ خون ہو گئی کیوں میرے دل کی رنگینی — یہ داغ دیتے لگی کیوں چمن کی گل چینی
اداس ہو گئی کیوں روح خانہ تن سے — اُچاٹ ہو گئیں کیوں بلبلیں یہ گلشن سے

بحمد اللہ کہ حاصل آپ کو ہر ایک نعمت ہے — ذہانت ہے سعادت ہے شرافت ہے لیاقت ہے
علوم مغربی میں سب سے اول آپ کا آیا — عزیز و دوست جو ہیں سب کو اس سے اک مسرت ہے
گورنمنٹ آپ کی مداح ہے اس قابلیت پر — اکابر قوم کے جوش میں ہر اک کو فخر و عزت ہے
پئے تکمیلِ دانش قصد ہے اب ملکِ مغرب کا — مبارک ہو کہ لندن کا سفر ہے وقتِ رخصت ہے
مبارک آپ کے احباب کو یہ جلسۂ رخصت — حقیقت میں مبارک وقت ہے اور عمدہ ساعت ہے
بخیر و کامیابی آپ واپس آئیں لندن سے — یہی سب کی دعا اس دم بصد جوش طبیعت ہے

زباں پر سب کی جاری ہے یہ شعرِ حضرتِ اکبر ۔۔۔ کہ جنکی نظم پر نظمِ ثریا کو بھی حیرت ہے

عطا کر قسمتِ تصنیفِ سعدی یا رب اُس گل کو
پھلے پھولے زمانے میں گلستاں بوستاں ہوکر

گو دلِ بیتاب امیدِ وطن پر شاد ہے ۔۔۔ مشتاق لیکن فرقتِ منشی جگن پرشاد ہے

سنہ ۱۹۰۲ء

خوش پھر رہی ہے خلقِ خدا صبحِ عید ہے ۔۔۔ ہر سمت زیب و زینتِ دُنیا کی دید ہے
ہے جشنِ تاجپوشیِ قیصر بھی آج ہی ۔۔۔ یہ اتفاق باعثِ لطفِ مزید ہے
بازارِ دھر پُر ہے متاعِ سرور سے ۔۔۔ با منفعت فروخت ہے دلکش خرید ہے
کشتہ ہے کوئی طرزِ مسِ خوشخرام کا ۔۔۔ کوئی نگاہِ نازِ بتاں کا شہید ہے
صوفی کے انجمن میں بھی شاہی کا ہے سماں ۔۔۔ لطفِ نوائے مطرب و نذرِ مرید ہے
مست اپنے رنگ میں ہیں نئی روشنی کے دوست ۔۔۔ اظہار جوشِ طبع بہ طرزِ جدید ہے
ڈالی کسی نے بھیجی ہے حکام کے حضور ۔۔۔ بیتاب دل میں شوقِ صدورِ رسید ہے
جنکے سبو سے دل میں ہے کچھ مایۂ نشاط ۔۔۔ اُس سے شرابِ طولِ امل کی کشید ہے
مجھکو خموش دیکھ کے پوچھا یہ چرخ نے ۔۔۔ تو بھی اس آب و رنگ سے کچھ مستفید ہے
میں نے کہا کہ حالتِ عشاق ہے کچھ اور ۔۔۔ پروانہ ہو وفا کی یہ اُن سے بعید ہے
پیشِ نظر ہمارے ہے شامِ شبِ فراق ۔۔۔ اس کی جو ہو سحر تو ہماری بھی عید ہے

لندن کو چھوڑ لڑکے اب ہند کی خبر لے ۔۔۔ بنتی رہینگی باتیں آباد گھر تو کر لے
راہ اپنی اب بدل دے بس پاس کرکے چلدے ۔۔۔ اپنے وطن کا رُخ کر اور رخصتِ سفر لے
انگلش کی کرکے کاپی دُنیا کی راہ ناپی ۔۔۔ دینی طریق میں بھی اپنے قدم کو دھر لے
نیچر پکارتا ہے ہے اصل نسل تیری ۔۔۔ کہتی ہے مسٹری بھی بس جاؤ اپنا گھر لے
واپس نہیں جو آتا کیا منتظر ہے اس کا ۔۔۔ ماں خستہ حال ہو لے بیچارہ باپ مر لے

سرب کے مرشدوں سے تو پڑھ چکا مست کچھ
پیرانِ مترقی سے اب فیض کی نظر لے

میں بھی ہوں اک سمندر آ سن کلامِ اکبر
ان موتیوں سے آ کر دامن کو اپنے بھر لے

کانفرنس احباب سے پُر ہے
سب کو یادِ استاد کا گُر ہے

جو صدر ہے وہ سالکِ دُنہ ہے
دلکش بہر اسپیچ کا سر ہے

قومی ترقی کی رادھا پیاری
رومن میل کی مگر ہے طاری

بیٹھی ہیں پہنے جوڑا اٹھاری
چندے کی تفصیل ہے جاری

قوم پہ غالب کورٹ کے عملے
پھر یہ چندہ کیونکر دم لے

عملے ٹھہرے پارک کے گملے
کتنا ہی لے کوئی پھر بھی کم لے

لالی ہے سکھیاں بھر کر جھولی
رنگ میں ڈوبی ہے سب کی چولی

خوب کھلی ہے سچ میں ہولی
سب نے زباں اس گیت پہ کھولی

شیخ کو الفت ہو گئی مِس کی
اگلی دنیا دھر سے کھسکی

خوب پئے اب شوق سے وہسکی
بیٹھا کوں ہے شرم ہے کسکی

جمع ہیں ممبر بھولے بھالے
آنکھیں پھاڑے دانت نکالے

جاڑوں کا موسم بھولے بھالے
چندہ دیکر ٹھنٹے والے

بعض ہیں بادہ و جام کے خواہاں
بعض فقط آرام کے خواہاں

بعض نمود و نام کے خواہاں
کم ہیں فیض عام کے خواہاں

وعیانِ رونق دیں ہیں
واقف فن و ہنر سے نہیں ہیں

لیکن باہم برسرِ کیں ہیں
کم ہیں اُن میں جو آخر بیں ہیں

سردم قوم کا رونا کیا ہے
مفت میں روپیہ[1] کھونا کیا ہے

ان باتوں سے ہونا کیا ہے
شور زمیں میں بونا کیا ہے

[1] میں نے قصداً اصلی تلفظ سے رجوع کیا ہے

دیکھو کے اک با مینا بطلہ ٹھپکی
آپا نے سب کی دولت ہپ کی

دُنیا آپ کی جب انب لپکی
بزم جمالی خالی گپ کی

یہ وادی ہے طور سے خالی
یہ جنّت ہے حور سے خالی

یہ محفل ہے نور سے خالی
پاس سے خالی دور سے خالی

دیکھتا ہے اک عمر سے بندا
ہوتا ہے کچھ کام نہ دھندا

بس یہی باتیں اور یہی پھندا
لاؤ چندا لاؤ چندا

سیّد کا جو عہد مشن تھا
حسب ضرورت طرزِ سخن تھا

اُس سکے کا ٹھیک چلن تھا
وقت وہ اور تھا اور ہی سن تھا

بگڑا دیکھا بیٹا بھتیجا
دل کہتا ہے بات کو پہچا

ایک کا چہلم ایک کا تیجا
ساکت ہو دکھلا کے نتیجا

بھائیوں پر منہ آئے جانا
اگلا قصہ سنائے جانا

گائے گیت کو گائے جانا
اُترا ڈھول بجائے جانا

بیٹھے روتے ہیں جنگے ہیں لڑکے
دل میں یہی رہتے ہیں دھڑکے

دوڑتے ہیں بنگلوں پر تڑکے
مار نہ بیٹھے کوئی بگڑ کے

کیوں رنگِ حق پوش میں آؤ
مذہب کے آغوش میں آؤ

غیرت پکڑو جوش میں آؤ
غافل بندو ہوش میں آؤ

اک انگریز نے بات یہ کہدی
اُس بازی کی ہمیں نے شہ دی

جس نے ترقی وہ دی یہ دی
کیسے سیّد کیسے مہدی

گرمیوں میں بچوں کو تھکانا
اور اُس پر یہ بات بنانا

شہروں شہروں بھیک منگانا
مفلس لڑکوں کا ہو گا ٹھکانا

آپ کہیں معیوب نہیں ہے

ہم کو تو مرغوب نہیں ہے

عمدہ یہ اسلوب نہیں ہے
ہاں یہ طریقہ خوب نہیں ہے

اس سے بگڑتی ہے قومی حالت
کہتے ہو ہوگی جو یہ جمعیت
جاتی رہتی ہے شرم کی خصلت
ہوگا سبیل بڑھے گی الفت

تڑپو گے جتنا جال کے اندر
کیا ہو آئیں ہی سال کے اندر
جال گھسے گا کھال کے اندر
غور کرو اس حال کے اندر

کام ست ہیں توکل و دالی
مفت میں بچوں کو کر کے راجی
اُن کی فکر تو کی نہیں حاجی
قوم کی گاتے ہیں بھائی و حاجی

کینہ ہم کو ہے نہ حسد ہے
لیکن یہ ارشادِ خرد ہے
دل میں صدمہ ہے کوئی کد ہے
بھائی بہرتے کی اک حد ہے

آزادی کی لی کے رانڈ ہی
گاتا ہے قومی کشتی کا ٹانڈی
آپ چلاتے ہیں ڈنڈا ماڈی
مکتب گرم ہے سرد ہے ہانڈی

بزمِ عزا میں کیوں نہ ہو شرکت
صوفیوں کی کیوں ڈھونڈیں نہ صحبت
جس سے ہو دل میں پیدا عبرت
قلب کو جس سے پہونچے فرحت

یہ بے معنی مجلس کیسی
یہ بے حکم کی آفس کیسی
یہ ناحق کی گھِس گھِس کیسی
بات یہ سٹرم پوئیں کیسی

ہوگیا عقل میں کون اضافہ
دیکھ لیا یاروں کا قیافہ
خوشبو پھیلی نہ دیکھا نافہ
پایا بس خوشترنگ لفافہ

قوم سے اسکی گاڑھی کمائی
اور وہ یوں بے سود گنوائی
آپ نے فقرہ دے کے اڑائی
شاہِ لندن تیری دہائی

دوڑاؤ تدبیر کے ریشے
صناعی کے چلاؤ تیشے
قوم میں پھیلیں فن اور پیشے
تاکہ کٹیں افلاس کے ریشے

تم ہو فکرِ جاہ میں اُلجھے
نافہموں کی واہ میں اُلجھے
شہرت و شان کی چاہ میں اُلجھے
دل کیونکر اللہ میں اُلجھے

خالق کی توحید سکھاؤ
ملحد کی تردید سکھاؤ
عقبیٰ کی تمہید سکھاؤ
روحانی امید سکھاؤ

مذہب کی تعلیم زبانی
تاآں خود جو نہ ہو حقانی
طوطا مینا کی ہے کہانی
پھر تو مکتب ہے شیطانی

جب ہوں گرو جی خود البیلے
راہ پہ آئیں کیونکر چیلے
خوب رچائیں میلے ٹھیلے
مندر میں کیوں جائیں اکیلے

اگوا خود جب حق سے ہو غافل
ساتھی کیوں نہ چلیں رہِ باطل
دنیا ہی دنیا دل میں ہو داخل
کیونکر دیں ہو اُن کو حاصل

جس نے خیمہ یہاں پر گاڑا
لیکن قوم کو کیوں ہے پچھاڑا
اُس کو مبارک ہو یہ اکھاڑا
اس نغمے پہ گلا کیوں پھاڑا

عشرتِ گھر کی محبت کا مزا بھول گئے
کھا کے لندن کی ہوا عہدِ وفا بھول گئے

پہونچے ہوٹل میں تو پھر عید کی پروا نہ رہی
کیک کو چکھ کے سویوں کا مزا بھول گئے

بھولے ماں باپ کو اغیار کے چرچوں میں وہاں
سایۂ کفر پڑا نورِ خدا بھول گئے

موم کی پتلیوں پر ایسی طبیعت پگھلی
چمنِ ہند کی پریوں کی ادا بھول گئے

کیسے کیسے دلِ نازک کو دکھایا تم نے
خبرِ فیصلۂ روزِ جزا بھول گئے

بخل ہے اہلِ وطن سے جو وفا میں تم کو
کیا بزرگوں کی وہ سب جود و عطا بھول گئے

نقلِ مغرب کی ترنگ آئی تمھارے دل میں
اور یہ نکتہ کہ مری اصل ہے کیا بھول گئے

کیا تعجب ہے جو لڑکوں نے بھلایا گھر کو
جبکہ بوڑھے روشِ دینِ خدا بھول گئے

نام منشی نثار حسین صاحب مہتمم پیام یار لکھنؤ

نامہ کوئی نہ یار کا پیام بھیجئے ۔ اس فصل میں جو بھیجئے بس آم بھیجئے
ایسے ضرور ہوں کہ انہیں رکھکے کھا سکوں ۔ پختہ اگر ہوں بیس تو دس خام بھیجئے
معلوم ہی ہے آپ کو بندے کا ایڈرس ۔ سیدھے الہ آباد مرے نام بھیجئے
ایسا نہ ہو کہ آپ یہ لکھیں جواب میں ۔ تعمیل ہوگی پہلے مگر دام بھیجئے

مرثیہ

دھر سہو رنج کیوں اس دم وقتِ حسرت و غم ہے ۔ یہ کیا باعث کہ برپا ہر طرف اک شور ماتم ہے
الٰہی کیا قیامت آگئی ہے کیا یہ عالم ہے جو ۔ کہ جسکو دیکھئے مغموم ہے با چشم پرنم ہے
یہ ماتم ہو رہا ہے کس کی مرگِ ناگہانی پر جو ۔ گری برق اجل سے وقت کسکی جوانی پر
کنور عبد العزیز اک نوجوان باپ کا پیارا ۔ گل باغ ریاست اور ہر اک کے آنکھ کا تارا
اسے دہرِ فلک سے ناگہاں تیرِ اجل مارا ۔ کسی کا بس نہیں اللہ کی مرضی میں کیا چارا
تلاطم ہے ریاست میں عزیزوں کا جگر خوں ہے ۔ ہوا خواہوں کو صدمہ ہے ہر اک احباب محزوں ہے
تماشے دیکھتے ہیں آپ اس دنیائے فانی کے ۔ ابھی سے بات کل کی غلغلے تھے شادمانی کے
امنگیں تھیں منے تھے ولولے تھے نوجوانی کے ۔ عیاں تھے ہر طرف اسباب عیش و کامرانی کے
ابھی یہ دیکھئے آہ و بکا ہے شور و شیون ہے ۔ جنازہ اٹھ رہا ہے اہتمام گور و مدفن ہے
رہو خاموش اکبر شور و فریاد و فغاں تا کے ۔ یہ آہِ آتشیں یہ قصۂ سوزِ نہاں تا کے
سمجھ لو خود تمہیں کہتک یہ غم کی داستاں تا کے ۔ اگر سارا جہاں بھی ہو تو پھر سارا جہاں تا کے

اگر تاریخ رحلت تم کو لکھنی ہے صفائی سے
رہو ساکت ملا دو صبر کو داغِ جدائی سے
۲۹۲ ۱۲۳ سنہ ۱۳۱۵ھ

قصیدہ مبارکباد جشن جوبلی ملکہ معظمہ قیصرہ ہند دام اقبالہا حسب ایمائے مسٹر ہاول صاحب جج ۱۸۸۷ء

زمانے میں خوشی کا دور ہے عشرت کا ساماں ہے
برنگ گل ہر اک باغ جہاں میں آج خنداں ہے

کوئن وکٹوریہ کی جوبلی کی دھوم ہے ہر سو
ادھر ہے نغمۂ عشرت ادھر نور چراغاں ہے

جدھر دیکھو کھلی پڑتی ہیں کلیاں صحن گلشن میں
بھرا جوش مسرت سے ہر اک مرغ خوش الحاں ہے

بسان بوئے گل ہر اک ہے باہر اپنے جامے سے
نسیم گلشن عیش و مسرت عطر افشاں ہے

چمک کر ہو گیا زیر فلک رشک قمر ہر گھر
یہی شب ہے کہ جسکا نور رشک مہر تاباں ہے

فروغ اپنا جو دکھلاتی ہیں آتشبازیاں ہر سو
کواکب مضمحل ہیں دیدۂ افلاک حیراں ہے

کہیں ہے رقص کی محفل کہیں ہے جلسۂ دعوت
کہیں تصویر بنتی ہے کہیں سرو چراغاں ہے

کہیں خیرات خانے جاری ہوتے ہیں کہیں مکتب
کہیں تقسیم کپڑوں کی پئے فصل زمستاں ہے

اثر جوش مسرت کا ہے ہر ادنیٰ و اعلیٰ پر
کوئی فرمانروا ہے یا کوئی کم مایہ دہقاں ہے

کوئی ہے محو آسایش کوئی مصروف آرایش
شگفتہ مثل گل چہرہ ہے دل شاداں و فرحاں ہے

تعجب کیا اگر ایسی خوشی ہے اہل عالم کو
یہ حیرت کیا جو قیصر کا ہر اک دل سے ثنا خواں ہے

سریر آرائے پنجاہ سالہ خیر و خوبی سے
محل لطف باری ہے مقام شکر یزداں ہے

یہی ہندوستاں سب کہتے ہیں جنت نشاں جسکو
کوئین وکٹوریہ کے عہد میں رشک گلستاں ہے

رئیس امن و اماں سے ناظر حال ریاست میں
ہری کھیتی زمینداروں کی ہے سرسبز دہقاں ہے

کمی بدلی کرے گر قطرہ افشانی میں کیا پروا
کہ فیض نہر دامان زمیں پر گوہر افشاں ہے

نظر سلطان کی ہے خاص تعلیم رعایا پر
اشاعت علم کی یہ ہے کہ سب کی عقل حیراں ہے

ہزاروں مدرسے قائم ہوئے ہیں سیکڑوں کالج
جہاں فکر ارسطو بھی بس اک طفل دبستاں ہے

جہاں چلتا نہ تھا کچھ زور واں اب ریل چلتی ہے
میسر خاکساروں کو بھی اب تخت سلیماں ہے

نہ کچھ کھٹکا ہے چوروں کا نہ قزاقوں کی ہے دہشت
رواں بے زحمت و خوف و خطر ہر سمت انساں ہے

تجارت کی بھی ایسی ہو رہی ہے گرم بازاری
کہ سامانِ معیشت جس دل سے بھی ارزاں ہے

طلسمِ تازہ دیکھا کارخانہ تارِ برقی کا
زبانِ تار پہ وہ بات ہے جو دل میں نہاں ہے

شعاعِ تیرہ میں بھی وہ نور ہے اقبالِ قیصر کا
کہ ہر ذرہ نگاہِ قدر میں مہرِ درخشاں ہے

رعایا کے حقوق اب ہر طرح محفوظ رہتے ہیں
ادھر قانون حامی ہے ادھر حاکم نگہباں ہے

محبت بڑھ رہی ہے فاتح و مفتوح میں باہم
گرہ جو دل میں تھی وہ اشتباہِ غلطاں ہے

پریس کو بھی ہے عہدِ امپرس میں کامل آزادی
زبانِ خامۂ مضموں نگاراں سیفِ براں ہے

توجہ ہے مفیدِ عام کاموں کی طرف سب کی
کوئی ہے علم کا طالب ہنر کا کوئی خواہاں ہے

شفاخانوں نے ثابت کر دیا ہے اس مقولے کو
پئے ہر رنج راحت ہے پئے ہر درد درماں ہے

خلوص و صدقِ دل سے ہے دعا ہندو مسلماں کی
کہ یا رب جب تلک یہ گردشِ گردونِ گرداں ہے

فروغِ مہر و مہ ہے جب تلک ہے زینتِ عالم
فضا انگیز جب تک انتظامِ باد و باراں ہے

دلِ اہلِ جہاں سے جب تلک مرکز تمنا کا
ہوائے آرزو جب تک محیطِ قلبِ انساں ہے

خدا کے نام کی عزت ہے جب تک اہلِ دانش میں
تجلی علم کی جب تک چراغِ راہِ عرفاں ہے

ہماری حضرتِ قیصر رہیں اقبال و صحت سے
کہ جن کا آفتابِ عدل اس کشور پہ تاباں ہے

خدا اے عشرتی تم کو ہمیشہ شادماں رکھے
خلائق سے تمہیں خوش اور تم کو مہرباں رکھے

کرے مملو تمہاری طبع کو رنگیں خیالی سے
تمہارے دفترِ دل کو گلستاں بوستاں رکھے

ہند میں میں ہوں مرا لیڈر نظر لندن میں ہے
سینۂ پر غم ہے یاں لختِ جگر لندن میں ہے

دفترِ تدبیر تو کھولا گیا ہے ہند میں
فیصلہ قسمت کا اے اکبر مگر لندن میں ہے

آں تو سالِ خوبی ماہِ دو ہفتۂ من
در نو بہارِ عمرش رخت از فضائے ہستی

پیمانۂ مئے غم سرشار و بیہشم کرد
رفتم بسرِ مزارش در بے خودی و مستی

آہے ز دل کشیدم گفتم کہ اے مہِ من
با ایں کمال و رفعت حیف است میلِ پستی

آخر چہ پیش آمد اے شمع محفلِ من	در گوشۂ نشستی وز انجمن گسستی
آخر چہ شد کہ رفتی اے رونقِ گلستاں	در موسم بہاراں رنگِ چمن شکستی
اے برق وش چہ داری نسبت بگو تیرہ	اے شعلہ رو بخاکِ تربت چہ نشستی
اے خوش نگاہ واکن چشماں سحر آگیں	چیزے بگو بہ عاشق لبہا چرا بہ بستی
ناگہ ندا سے از غیب آمد بگوشِ جانم	کاے بیخبر زاپیاں اے محوِ بت پرستی
آنرا کہ شعلہ خوانی واترا کہ برق دانی	آں جملہ بود در رنگِ نقشِ طلسمِ ہستی
آں رنگہا پدید و بویش بماند رازے	رازے کہ کس نداند در بندِ خود پرستی
عبرت کشود چشم حیرت بہ ہوشم آورد	در سینہ دفن کردم جوش و خروش ہستی

تاریخ فوت گفتم در صنعت عجیبے

بوٹا بروں شد اکبر از گردِ باغِ ہستی

۴۰۹ — ۹۸۲ — سنہ ۱۳۹۱ھ

بیکار جگر ہے مضمحل گردہ ہے	جس دوست کو دیکھئے وہ افسردہ ہے
گو نبض زباں سے زندگی ہے ظاہر	دل کو جو ٹٹولئے تو وہ مردہ ہے
بہتر ہے یہی کہ اب علیگڑھ سے چلئے	رکئے نہ کسی کیواسطے بڑھ چلئے
جس فن کا ہو درس ہوجیے اسمیں شریک	جو پیش آئے سبق اسے پڑھ چلئے
مہدی سا بزرگ صاحب جاہ تو ہے	سنجیدہ کلام کیلئے واہ تو ہے
منزل کا اگر پتا نہیں ہے نہ سہی	دلکش روشیں ہیں دلکشا راہ تو ہے

یہ نظم ایک لمبی تمہید و تحسین کے ساتھ ۱۶ مئی سنہ ۱۹۰۴ء کے انسٹیٹیوٹ گزٹ میں چھاپی گئی

میں نے پرائیوٹ خط لکھا تھا

مولانا سے گڑھوی

پھرے اک مولوی صاحب جو کل دربار دہلی سے	یہ پوچھا میں نے کچھ لائے بھی تم سرکار دہلی سے

وہ بولے ہنس کے اے اکبر کہوں کیا تجھ سے حال اپنا
اسی مطلع سے بس کرتا ہوں اظہار خیال اپنا
اُدھر سرخی مئے گلگوں کی تھی اٹھنے کی مدّی تھی
ادھر ریش سپید ابھی تھی ادھر شدّت سے سردی تھی

مولانا[1] محو عشق یزدانی تھے
بیشک اس عہد میں وہ لاثانی تھے
بھولیں نہ کبھی انھیں محبانِ رسول
یعنی رجبی شریف کے بانی تھے

مقام آگرہ

ڈپٹی صاحب جو یہ ہیں زینتِ عقاد جہاں
پختہ وضع کے ہیں اعادہ دکھانے والے
لو تو پتہ سے الگ اور روائد سے بری
بس مصلے ہی یہ ہیں چھاؤنی چھانے والے
سارے ہاتھ پڑا اور ہوئے رخصت آپ
رہ گئے کھول کے منہ بین بجانے والے
انسپکٹر ہیں جو یہ خان بہادر صاحب
رعبِ حاکم دلِ دنیا پہ بٹھانے والے
بزم کے جلسوں میں بھی تہذیب کی تصویر ہیں آپ
اگلے اسلام کے ہیں یاد دلانے والے
دوستوں کے لئے بازو کا ہیں تعویذ جناب
رہبروں کو یہ ہیں سولی پہ چڑھانے والے
شان اللہ کی ہیں برکت[2] و اسرار[3] و محمد[4]
اُنکے اخلاق کے قائل ہیں رلانے والے
فیض اُن کا سببِ رونقِ عیشِ احباب
تاج زریں سرِ عشرت[5] پہ اُڑھانے والے

[1] خان بہادر مولانا شاہ محمد حسین صاحب [2] مولوی برکت اللہ صاحب رئیس خان بہادر سید [3] اسرار حسین خان صاحب مدار المہام ریاست بھوپال [4] خان بہادر عبد الحمید خاں صاحب مرحوم [5] سید عشرت حسین

متفرقات

الف

ترے پرتو سے اے جانِ جہاں ظلمت میں نور آیا
ترے فیضِ تجلّی سے یہ ذرّوں میں شعور آیا

لطافت کو نہ چھوڑے رنگ تیری شادی و غم کا
ہنسی آئے تو پھولوں کی جو رونا ہو تو شبنم کا

ترا چہرہ ہے منظر چشمِ شوقِ نورِ عرفاں کا
ترا عشوہ ہے مصدر جلوہ ہائے فیضِ یزداں کا

شبابِ عمر نے کھویا طمع نے دین لیا
فلک نے ہم سے بڑی نعمتوں کو چھین لیا

ہوا لے دے بھی ہے عنبر افشاں عروج بھی ہے سر میں کا
نثار ہونے کی دو اجازت محل نہیں ہے نہیں نہیں کا

تا چند پرستی اے خرد ایں از کجا ویں از کجا
تو از کجائی ایں بگو تا گویمت دیں از کجا

مزے سے زندگی کٹتی جو دل قابو میں آجاتا
مگر ایسا تو جب ہوتا کہ وہ پہلو میں آجاتا

مرتبہ اس سے بھی دنیا میں سوا ہو آپ کا
یاد رکھیے گا کہ میں بھی ہوں دعاگو آپ کا

نہ ہو یادِ خدا تو نورِ باطن ہو نہیں سکتا
نہ ہو طالع اگر خورشید تو دن ہو نہیں سکتا

بنگالی ہاتھ میں قلم لے تو کیا
مسلم جو مثالِ بزمِ جم لے تو کیا
ہندی کی نجات ہے نہایت مشکل
سو مرتبہ مر کے وہ جنم لے تو کیا

نہیں ہے رحم قاتل میں یہی ہوتا تو پھر کیا تھا
کہاں ہے صبر یاں دل میں یہی ہوتا تو پھر کیا تھا

ہجومِ بلبل ہوا چمن میں کیا جو گل نے جمال پیدا
کمی نہیں قدرداں کی اکبر کرے تو کوئی کمال پیدا

آپ کا برتاؤ موسم کے موافق تھا حضور
واقعی اسکے اثر سے دل بخوبی پک گیا

کدھر ہے رنگِ مخالفت اب زمانہ بالاتفاق بدلا
خود اپنے نورِ نظر کو دیکھو نگاہ بدلی مذاق بدلا

تری ترچھی نظر سے ہم کو ڈر کیا
محبّت کی تو پھر دل کیا جگر کیا

اک فلسفہ ہے تیغ کا اور اک سکوت کا
باقی جو ہے وہ تار ہے بس عنکبوت کا

باہم شب وصال غلط فہمیاں ہوئیں
مجھکو پری کا شبہ ہوا اُن کو بھوت کا

ہنگامِ نزع ہوش جو غائب ہوئے تو کیا
اسوقت وہ غرور سے تائب ہوئے تو کیا

مناسب ہے یہی دلبر جو کچھ گذرے اُسے سہنا
نہ کچھ قصہ نہ کچھ جھگڑا نہ کچھ سُننا نہ کچھ کہنا

تماشا دیکھ اکبر دیدۂ عبرت سے دنیا کا
اجل کی نیند جب آئے لحد میں جاکے سو رہنا

بُت نہ کہتے ہوں جسے ہے یہ ہمارا بندا
ہے بھی ایسا کوئی اللہ کا پیارا بندا

انھیں نغموں میں آساں ہے معانی کا ادا کرنا
مجھے لفظوں میں مشکل ہے بیانِ مدعا کرنا

عشوہ و ناز و ادا سے مسکرانا آگیا
چشم بد دور آپ کو بجلی گرانا آگیا

سراسر جلوۂ حسن متاعِ زلف لیلےٰ تھا
محلِ رشک اس بازار میں مجنوں کا سودا تھا

سمجھے تھے لوگ جسکو ہمارا انھیں کا تھا
کچھ غل مچا تو یہ بھی اشارہ انھیں کا تھا

اب سانس بھی نہ لینگے دبائیں گلا وہ کیوں
ہمکو تو زندگی میں سہارا انھیں کا تھا

اُٹھنے دیا نہ کیوں مرے وارثِ خاک کو
لے پہنچ اوج پر تو ستارا انھیں کا تھا

آزادیوں کے شوق میں اُبھرا تھا دل اگر
اسکی خطا نہ تھی وہ اُبھارا انھیں کا تھا

خضر سمجھے ہو جسے غول بیاباں ہے
غلط امید کے جنگل میں بھٹکا ماریگا
عاشقی میں نہ چھوڑیگا دقیقہ باقی
دلستانی کے لئے لافِ وفا ماریگا

کفر ہے معنی میں تیرے لفظ سے اسلام کا
نفس نے اک حیلہ پایا ہے خدا کے نام کا

کہتے ہیں منکر ہے اکبر خیالِ حور سے
کہدو یہ بہتر ہے جھوٹے بسکٹوں کے چور سے

راہِ وحشت میں اگر قیس سے تعرّض ہو جائے
حیاتِ لیلیٰ پہ جو آمادۂ کاوش ہو جائے

وہ دست درازیوں سے کب ہے تائب
ہے حافظ دیں یہ شمع فکر صائب

رخصت ہو جو علم دیں تو پھر دین بھی جائے
گل ہو جو چراغ ابھی ہو بگڑی جائے

معمور کن یارب اگر تقوی نماند برقرار
دل بہ پہلو ہست و کارم با شتابے افتادہ است

چراغ دیر بھی دلکش حرم کی شمع بھی دوست
اسی سے چشم بصیرت نے کہدیا ہمہ اوست

ہیں توس دماغ میں مرے سہم بہت
سنئے یہ خیال جس میں ہے وہم بہت
قومی مجلس میں اب سخن فہم ہیں کم
دربار میں گو کہ ہیں گزشتہ فہم بہت

دیکھ کاریگری لے حضرت سید اے شیخ
دیکھئے لوچ وہ مذہب میں کمانی کی طرح
بحر ہستی کا یہی دور چلا جاتا ہے
برف کی طرح جمے یہ گئے پانی کی طرح

بھروسا اُنپہ کرکے مجھ کو پچتانا پڑا آخر
بڑا دعویٰ کیا تھا میں نے شرمانا پڑا آخر

ولولے اُٹھتے ہیں دل میں دیکھکر اُنکا جمال
حوصلے ہوتے ہیں پست اُنکی نظر کو دیکھکر

مقابل کفر کے تھی وہ نمود اسلام کی اکبر
مگر اب انقلاب دہر سے باقی کہاں کافر
نصاریٰ قبلۂ مقصود ہیں ہندو برادر ہیں
زمین شعر ہی میں رہ گئی زلف بتاں کافر

زن زمیں زر تیسے ہے فساد کا گھر
لیکن اتنا کہونگا اے اکبر
زن منکوحہ شریف و غریب
کیا عجب ہے کرے جو امن نصیب
ہو جو بس آمد زر تنخواہ
تو نہیں حاجت وکیل و گواہ
ہو جو تھوڑی سی باغ ہی کی زمیں
تو کلکٹر کا ڈر زیادہ نہیں

شراب دولت سے مست ہیں وہ مئے قناعت سے ہم ہیں سرخوش
نہیں ہے کچھ باہمی تعلق وہ اپنے گھر خوش ہم اپنے گھر خوش

سخن شناس سے میں چاہتا ہوں داد سخن
خوشی کے واسطے کافی ہے مجھکو واہ فقط
سو سائٹی نہیں ملتی کہ جس سے دل بہلے
جو کوئی مونس و ہمدم ہے اب تو آہ فقط
شروع بیجئے پیرسٹری سے جنکو یہاں
مقدموں ہی کی وہ دیکھتے ہیں راہ فقط
بیاض شعر سے مطلب نہیں کلرکوں کو
رجسٹروں ہی کو کرتے ہیں وہ سیاہ فقط

رزق نامحتاج جب دیدے تجھے اللہ پاک
کر عبادت میں بسر اور سر کو رکھ بالائے خاک
پالیسی مسلم کی دیکھی اور ہندو کی ترنگ
اُسمیں ہے اکثر کا کٹ یہ بھی اکثر خوفناک

بیٹھا رہا میں صبح سے اُس در پہ شام تک
افسوس ہے ہوا نہ میسر سلام تک

دلوں پہ مارے جاتے ہیں چھاپہ شکسپیر
پڑھو گے حضرت سعدی کی بوستاں کب تک

تمھیں سے اٹھ گیا پردہ کی شرم کا پردہ
اس انقلاب کا اب انقلاب سے دشوار

تو پھر رہوگے حجابِ رخِ زناں کب تک
رہوگے منتظرِ مہرِ آسماں کب تک

نہ ترے اونٹ ہو نہ ہو بلڈاگ
چال ہے اعتدال کی اچھی

نہ تو مٹی ہی ہو نہ تم ہو آگ
سارِ حکمت کا جوڑ ہے یہ راگ

حسن سے دیکھا ہو گیا عاشق

واہ رے صورت واہ رے خالق

مِس کالج سے جوانی رہ گئی بالائے طاق
وہ چراغوں سے ہیں جلتے ایسے ہیں روشن ضمیر

امتحاں پیشِ نظر اور عاشقی بالائے طاق
کہتے ہیں رکھ گئے ہیں اپنی روشنی بالائے طاق

اپنی زباں میں شمع یہ کہتی ہے رازِ دل

روشن نفس نہیں ہو جس میں گدازِ دل

کیوں کرنے لگے وہ مجھ گدا سے باتیں
میں سجدہ میں کہہ رہا ہوں سبحان اللہ

ذروں سے یہ ہیں کرتے ہیں ہوا سے باتیں
ٹیلیفون میں وہ کریں خدا سے باتیں

یہی کافی ہے مجھ کو اہلِ ایماں باصفا سمجھیں

نہیں پروا منافق گر کہیں مرتد برا سمجھیں

رقیبوں نے بہت نظمیں پڑھیں اور منہ کی کھائی کی

مری خشک آنکھوں میں بھر لایا ملا خولی کو کہتے ہیں

کوئی کہتا نہیں سیاح ہوں فطرت کا ماہر ہوں
میں اپنے نوکروں کو ڈھونڈھتا پھرتا ہوں جنگل میں

یہیں تک فخر کی حد ہے میں پہنچا ہوں میں حاضر ہوں
کوئی ہے۔ لاؤ کھانے کون کہتا ہے کہ حاضر ہوں

جو محو ہیں زینت کے حقیقی وہ خدا سے غافل ہیں

اربابِ بصیرت کے آگے حضرات اکابر میں شامل ہیں

ممکن نہیں ہم ان کی کوئی بات ٹال دیں

دیں حکم اگر تو سینے سے دل کو نکال دیں

طاعتِ حق پر وہ میلانِ دلِ قوم اب کہاں

وہ نمازِ صبح دم خیر من النوم اب کہاں

پتا میرا یہی ہے منزلِ ہستی میں اے اکبر

مریدِ حضرتِ دل ہوں مقیمِ خانۂ تن ہوں

بصارت لے گئی اسقاطِ عمر میں اکبر

بصیرت سے تو آنکھیں مجھ سے اب آنکھیں چرائی ہیں

مرے سازِ سخن سے پست فطرت کو تنفر ہے

پیانو سے سر اٹھا گیا بزمِ شغالاں میں

جو بات مناسب ہے وہ حاصل نہیں کرتے

جو اپنی گرہ میں ہے اسے کھو بھی رہے ہیں

بے علم بھی ہم لوگ ہیں غفلت بھی ہے طاری
افسوس کہ اندھے بھی ہیں اور سو بھی رہے ہیں

چہرۂ یورپ کا میں پروانہ ہوں
اُسکی ہر اک بات کا دیوانہ ہوں
شب میں پیدائش ہوئی پیش شمع
جلوۂ خورشید سے بیگانہ ہوں

جو حسرتِ دل ہے وہ نکلنے کی نہیں
جو بات ہے کام کی وہ چلنے کی نہیں
یہ بھی ہے بہت کہ دل سنبھالے رہئے
قومی حالت یہاں سنبھلنے کی نہیں

حواس و فہم میں اُلجھے ہوئے ہیں
برات و سہم میں اُلجھے ہوئے ہیں
خدا تک ہے رسائی سخت دشوار
سب اپنے وہم میں اُلجھے ہوئے ہیں

۱۸۷۵ء

دینی پہلو کو اے برادر دیکھو
کانٹوں سے ہو محترز گلِ تر دیکھو
نظم اکبر ہوئی ہے نقوشِ قلوب
آنکھیں ہوں اگر خدا کا دفتر دیکھو

قرآں سے نہ واقف ہیں نہ انجیل کے پیرو
با ایں ہمہ ہے شوقِ ترقی میں تگ و دو

ادبار کے ہیں یہ دن او لو لعزم نہ ہو
ہوتی ہے شکست مائلِ رزم نہ ہو
رونق محفل کی اب نہیں ہے تجھ سے
گوشے ہی میں بیٹھ عازمِ بزم نہ ہو

خدا رکھے سلامت اُس نظر کو
کہ جس نے سیم کو چھوڑا نہ زر کو

مرشد نے کہا اُٹھئے حضرت معنی نہ سہی صورت تو ہو
گھر چھوڑ کے بسئے بنگلے میں طاقت نہ سہی نیت تو ہو
اس نقش کی کر دو خانہ پُری تقدیر رہیگی پھر نہ بُری
راس آئیگی تم کو بادہ خوری مجلس تو ہو صحبت تو ہو

تصدیق ادھر بشوق اُدھر بالارادہ جھوٹھ
اس سے زیادہ مکر نہ اُس سے زیادہ جھوٹھ
عارض نہ اُنکا گل ہے نہ دل میرا آئینہ
رنگیں جھوٹھ وہ ہے اگر یہ ہے سادہ جھوٹھ

ہوا ہوں میں منحنی نہایت دبا رہا ہے فلک کا غمزہ
عرب تصرف کرے تو شاید الف کی صورت میں آئے ہمزہ

ملکی ترقیوں میں دو والے نکالئے
پلٹن نہیں تو خیر رسالے نکالئے
کافی ہے بہر شغل کلیسائے فکر رزق
اب دل سے مسجد اور شوالے نکالئے

سراسر لفظ تقوی سایہ پر قربان کر آئے
یہ کیا اچھا کیا تم نے اگر زلفوں کے بس بلائے

عرق کیا واعظ و عاشق میں بتائیں تم سے
اسکی ہمت میں کٹی اسکی محبت میں کٹی

جینے حوصلے سمجھ ہے کہ ہم بھی ہوئیں آگے
ملائیں کس طرح سر صد پر ترا لے وہب کا
مگر قومی اطبا دور سی کردیں گے یہ تنزلہ
زر انکا رو انکا علم انکا سلطنت انکی
بہت اونچے سروں میں سما رہی ہوا تو گت انکی
قوی اطفال کو کردیگی آخر تربیت انکی

تھا شوق ادائے مطلب اک حس کے ساتھ
دیوانہ تھی قوم عشق میں پہریوں کے
اکبر نے جو فکر کی تو وہ بات بنی
پکڑی گئی اور عنلام حالت بنی

جب تک ہم میں ہے قومی حصلت باقی
چالیس برس کی بات ہے یہ شاید
بیشک پردے کی ہے ضرورت باقی
صدا اسکے رہے گی پھر یہ محنت باقی

زاہد کی طبع دیکھ کے اس بت کو بچ گئی
اکبر ہی تھا کہ دین میں دل کو چھپا لیا
وہ کیا تمام ملک میں اک دھوم مچ گئی
وہ بھی کہاں سچا یہ کہو جان بچ گئی

شیخ و سید سے تو خالی نہیں ذکر شاعر
ذات سے انکی مخاطب نہیں فکر شاعر

طبع محزوں مری ہے عاشق ملت ایدوست
کیوں روا رکھتا ہے ناحق مری ذلت ایدوست

راہ وحشت میں اگر قیس سے لغزش ہو جائے
حیف لیلیٰ پہ جو آمادۂ کاوش ہو جائے

رہ گئے کم عربی شعر سمجھنے والے
حیل لے گیسوئے لیلیٰ میں الجھنے والے

فتولے کہو دنیا واعظ کی جیسی ہے
یہ عشق مت نہیں ہے اکبر کی پالسی ہے

یہ سرم ساقی عشق نگہ ہو کہ روح بیخود پڑی ہوئی ہے
حواس مطلق کی عقل گم ہے دلیل حیراں کھڑی ہوئی ہے

جو دل کی مس دکھواد جائے
رہی ہاں عاقبت کی بحث اکبر
حرایاں کی محبت جاہ جائے
سو اسکا حال تو اللہ جانے

شوق شہرت بھی بہ بازر کی رہی جاہ بھی ہے
ہاں مگر حسن بت زہرہ جبیں آفت دیں
معرفت انگیز تفکر ہیں ہوس جاہ بھی ہے
اس سے محصور تو یہ سدۂ درگاہ بھی ہے

کمال شوق میں صرف اک نظارہ کافی ہے
کہ حسن خود ہی ہے عاقل اشارہ کافی ہے

حسنِ نورِ شمع ہر محفل میں ہر شب ہے وہی
موسمِ باراں میں لیکن کثرتِ پروانہ ہے

بہ چشمِ غور دیکھو بلبل و پروانہ کی حالت
وہ اپنے پیچھیں دیا کرتی ہے اور وہ جان دیتا ہے
وہ پھنستی ہے قفس میں اور اسکا نام روشن ہے
ہوا پر خیمۂ معنی کو اکبر تان دیتا ہے

حالت پہلی سی اب کہاں میری ہے
حیرت انگیز داستاں میری ہے
سینہ میرا ہے دل نہیں ہے میرا
میری نہیں بات گو زباں میری ہے

واعظ کا دل بھی سوزِ محبت سے گرم ہے
چپ رہنے پر نہ جاؤ یہ دنیا کی شرم ہے

اُڑائی خود نمائی میں اگر دولت تو کیا اکبر
خدا کو مانکر جو دیں وہی اہلِ کرم اچھے

فیضِ حضرت بہر تمط ہوتا ہے
دل کو مرے حظ فقط یہیں ہوتا ہے
ہر امرِ غلط کی ہوتی ہے یاں تصحیح
اور لطف یہ ہے کہ غم غلط ہوتا ہے

میں نے اکبر سا بھی یہی نہیں دیکھا کوئی
کہتا ہے اُن کی کمر مجھ کو نظر آتی ہے

مایوس کر رہا ہے نئی روشنی کا رنگ
اسکا نہ کچھ ادب ہے نہ کچھ اعتبار ہے
تقدیس ماسٹر کی نہ لیڈر کا فاتحہ
یعنی نہ نورِ دل ہے نہ شمعِ مزار ہے

بوڑھے ہوئے کتاب سے بوس و کنار ہے
اپنے لئے الف ہی بس اب قدِ یار ہے
اپنی جبیں سے چین کے مالک اگر ہو تم
میں بھی ہوں شاہ روس کہ دل میرا زار ہے

زندگی سے اب طبیعت سیر ہے
موت کیوں آتی نہیں کیا دیر ہے
کون و مکاں خلوتِ جمالِ حضور ہے
غافل اسیرِ دامِ فریبِ شعور ہے

یا امیٹیشن کے صدقے چلے دودھ اور کھانڈ لے
یا ایجیٹیشن کے بدلے تو چلا جا بانڈ لے
یا قناعت اور طاعت میں بسر کر زندگی
رزق کی کشتی کو کھے پتوار لے اور ڈانڈ لے

دنیا کی حرص آج کا واعظ شہید ہے
گو پیر ہو گیا ہے مگر زن مرید ہے

جب تک رہے زندہ آرزو مند رہے
جب مر گئے ہم تو قبر میں بند رہے

۵۱ Imitation نقل اُتارنا
۵۳ Agitation مخالفانہ جوش

اس حشر میں خلد و نار کا ہے جھگڑا
دیکھیں یہ امید و بیم تا چند رہے

حاصل ہو کچھ معاش یہ محنت کی بات ہے
لیکن سرور قلب یہ قسمت کی بات ہے

تحسین کی واہ واہ لیاقت کی بات ہے
سرکار کی قبول یہ حکمت کی بات ہے

وہ مخبر رقیب ہے میں ہوں شہید عشق
یہ اپنی اپنی ہمت و غیرت کی بات ہے

جاپان و روس سے ہمیں کچھ واسطہ نہیں
خرچے کی یاں تو کمت ہمت کی بات ہے

بی اے بھی پاس ہوں ملے بی بی بھی دلپسند
محنت کی ہے وہ بات یہ قسمت کی بات ہے

تہذیب مغربی میں ہے بوسے تلک معاف
اس سے اگر بڑھو تو شرارت کی بات ہے

سچا مال مشغول ابال سے دل کا مشکل ہے
سرور بادۂ امید فردا آ ہی جاتا ہے

ہاں اس بت نے اڑائی ہمیں ملا بھولے
ہم تو کیا شیخ بھی توحید کا کلمہ بھولے

صنم ہند کو ہم یاد رہیں اے اکبر
غم نہیں ہے جو عرب میں ہمیں سلمیٰ بھولے

جان آچکی ہے لب پہ میں منتظر تھا کہ
اتنک ہے واں تغافل قرباں اس ادا کے

فغاں کرنے کا بھی یارا نہیں ہے
سوا افسوس کے چارہ نہیں ہے

ہمنشیں ظلم بتاں پہ چپ نہ رہنا چاہئے
بات جب کچھ بن نہ آئے شکر کرنا چاہئے

ہوا دل گم ہے ایسی کچھ زمانے کی
دعائیں مانگتا ہوں ہوش میں آنے کی

مجنوں کی پیاس کو بجھاتی
لیلیٰ کچھ باؤلی نہیں تھی

عمر ۲۳ سال

طے ہوئی بات نہ قیمت ابھی انکی ٹھہری
دل میرا لے کے چلے آپ یہ اچھی ٹھہری

مشتاق تو بستم کہ حریری و جبینی
لیکن چہ تواں کرد کہ مہمان رقیبی

دست فلک سے سید کی حالت بہت بگڑی
جو کچھ تھی انکی عظمت و وقعت وہ سب بگڑی
انکی دوا قناعت ویکی ہے بس فقط
ہاں مشغلے کے واسطے ہو یونیورسٹی

باقی نہیں رہی وہ دنیا سے گرم جوشی
اب میں ہوں اور عزلت اور عالم خموشی

ہملہ معاملہ کے ساتھ قافیہ ملایا گیا ہے

اپنے ہی دل کے ہاتھ اب میں بک گیا ہوں اکبر | سر میں نہیں رہا وہ سودائے خود فروشی

حسب فرمائش عالی جناب خان بہادر شیخ احمد حسین صاحب مذاق تعلقہ دار
پریانواں ضلع پرتاب گڈھ

کچھ اپنا سوچا نہ کام آیا وہی ہوا جو خدا نے چاہا | عجب ہی تسلیم و صبر کی خو اگر نہ پیدا ہو دل میں اب بھی
خدا سے بیگانہ تھی طبیعت دلی ارادوں پہ تھا بھروسا | عزیمتیں فسخ ہو گئیں جب عرفت ربی عرفت ربی

تاثیر ہوائے باغِ ہستی نہ گئی | صورت کی ادا نظر کی مستی نہ گئی
ہوتے ہی رہے جمال دلکش پیدا | طبع انساں سے بت پرستی نہ گئی

نہ گئی دل سے مرے حسن پرستی نہ گئی | بجھ گیا خون مگر روح کی مستی نہ گئی

شاخ میں پھل کا لگا رہنا ہے خامی کی دلیل | عقل پختہ ہو کے میرے سر سے زائل ہو گئی

ہوئی جو عمر اسی مجھ سے سنئے کہ پندرہ میں ہوا کیا باقی | عجب ہی چکر کے اقتضا سے جو رکھے نیت کو ٹیک باقی

موت کو دیکھا تو دنیا سے طبیعت پھر گئی | اٹھ گیا دل دھر سے دولت نظر سے گر گئی

دنیا سے تعلق رکھنے میں ہرگز نہیں تمہید بری | کیا خوب کہا ہے اکبر نے احسان اچھا امید بری

فلسفہ حریف کا دیں کا ہے عدو بنا | اس طرف ہے کید سخت اور ترا ہے بچپنا
صبح و شام صدق سے کر دعا کہ ربنا | لَا تُزِغْ قُلُوبَنَا بَعْدَ اِذْ ھَدَیْتَنَا

متعلق ترکی

متضاد گئے جو دو طرف سے دو تار | کیا جانیے کسکو اسنے اچھا سمجھا
لیکن اسبات کا سمجھنا تو ہے سہل | سرکار نے کسکو انہیں سچا سمجھا

بدبو مرے گھر نہ لائے شرابی پھیلا | ہے تیرا دہن نجاستوں کا تھیلا
ہر لحظہ طلب شراب کی ہے تجھکو | ہر دم ترے منہ سے ہے نکلتا مجرلا

مصحف مسلم نے کھولنا چھوڑ دیا | بنئے نے ٹھیک تولنا چھوڑ دیا
حاکم نے کہا نہ بولو انسے ہرگز | ہم نے بھی سب سے بولنا چھوڑ دیا

تیغِ مذہب کا کسی صاحب نے ڈھیلا کر دیا | سادہ طبعوں کو بھی بالآخر رنگیلا کر دیا
شوق پیدا کر دیا بنگلے کا اور پتلون کا | وہ مثل ہے مفلسی میں آٹا گیلا کر دیا
تھا بنارس پہلے ہی سے اے صنم رس میں بھرا | چشمِ مس ایسی لڑی اور اسکو رسیلا کر دیا

میرے نزدیک یہ پنجاب کا ملوا بھی بُرا | ساتھ ہی اسکے علیگڈہ کا یہ حلوا بھی بُرا
آپ اظہارِ وفا کیجئے تمکیں کے ساتھ | لیٹ جانا بھی بُرا ناز کا جلوا بھی بُرا

جب اپنے ہاتھ میں لی غیر نے عنانِ سمند | تو پھر سوار سے اکبر پیادہ پا اچھا

سر رشتۂ اتحاد ہم سے چھوٹا | آپس ہی کی خانہ جنگیوں نے لوٹا
قرآں کے اثر کو روک دینے کے لئے | ہم لوگوں پہ راویوں کا لشکر ٹوٹا

یہ قومی ترقی بھی ہے پریوں کا فسانہ | کانوں سے سنا سب مگر آنکھوں سے نہ دیکھا

اُٹھانا پڑا تھا اُن رات بارِ الفتِ خوباں | جوانی کیا تھی پیچھے مجھے بیگار پکڑا تھا

اب ان قصوں کا کیا حاصل انہیں باتوں کا کیا رونا | یہی مرضی خدا کی تھی یہی قسمت میں تھا ہونا
کہاں کی دولت و ثروت کہاں کی شوکت و حشمت | میسر ہیں تجھے دو روٹیاں بس گھر کا اک کونا

ہنگامۂ ترقی قومی کو دیکھ کر | اور اک حال کے لئے میں ہو گیا کھڑا
کوئی ہوا نہ مجھ سے مخاطب وہاں مگر | چپکے سے میرے کان میں اک غیر نے کہا
اکثر وہی بزرگ ہیں جو ہیں پئے ہوئے | باہوش کم ہیں اُنکے بھی منہ میں سیئے ہوئے
ہرگز کوئی کہے گا نہ اس انجمن کا راز | کیوں اپنے آپ کو ہے پریشاں کئے ہوئے

پہلے تھا قوم میں سب کچھ مگر اب کچھ نہ رہا | کسی شاعر نے ہے واللہ یہ کیا خوب کہا
شیخ کے پاس ہے اب صرف مصلّے باقی | اور مرے پاس ہے اردو کے معلّے باقی

معانیِ قرآں کا لو کچھ مزا | پڑھو لن یضرّوکم الا اذیٰ

نہ حرفِ شکوہ بہتر ہے نہ اچھا اشک کا بہنا | ہمارے دن یہی ہیں رنج سہنا اور چپ رہنا
خدا کیواسطے اکبر کوئی ذکر اور ہی چھیڑو | سنی باتوں کا کیا سُننا کہی باتوں کا کیا کہنا

[1] یعنی مسز اینی بسنٹ صاحبہ

کالج میں کسی نے کل یہ نغمہ گایا
کہتے تھے ولد کو لوگ سٹر لابیہ
قومی خصلت کا سر سے اُٹھا سایا
سٹر للما سٹر کا اب وقت آیا

بڑھاپا تا ہوں بنگالی کا درجہ ہر طرف صاحب
زمانے میں نیا یہ دور ہے راہی مراتب کا

تیروں نے غم کے قلب کو کیمچت کردیا
سوز دروں نے سینہ کو دم پخت کردیا

طفلِ دل محوِ طلسمِ رنگِ کالج ہو گیا
ذہن کو تپ آگئی مذہب کو فالج ہو گیا

سعادت روح کی کس بات میں ہے آپ کیا جانیں
کہ کالج میں کوئی اس علم کا ماہر نہیں ہوتا

واہ اے سید پاکیزہ گہر کیا کہنا
یہ دماغ اور یہ حکیمانہ نظر کیا کہنا
قوم کے عشق میں پُرسوز جگر کیا کہنا
ایک ہی دھن میں ہوئی عمر بسر کیا کہنا

قوم کا اوج ہو منظور خدا خواہ نہ ہو
خیر ممکن ہے کہ دنیا میں تری واہ نہ ہو

قوم کی تاریخ سے جو بےخبر ہو جائے گا
رفتہ رفتہ آدمیت کھو کے خر ہو جائے گا

بھائے جو نگاہ کو وہی رنگ اچھا ہے
لائے جو راہ پر وہی ڈھنگ اچھا
قرآن و نماز سے اگر دل نہ ہو گرم
ہنگامۂ رقص و مطرب و چنگ اچھا

میرے منصوبے ترقی کے ہوئے سب پائمال
بیج مغرب نے جو بویا وہ اُگا اور پھل گیا
بوٹ ڈاسن نے بنایا میں نے اک مضموں لکھا
ملک میں مضموں نہ پھیلا اور جوتا چل گیا

ساتھ اُنکے مرا شیخ تو چل ہی نہیں سکتا
بندر کی طرح اونٹ اُچھل ہی نہیں سکتا

پوچھا کہ شغل کیا ہے کہنے لگے گرو جی
بس رام رام جپنا چیلوں کا مال اپنا

کیا شور و فغاں نے میری اُسکو مضمحل کتنا
بہت شوخی شرارت تھی مگر عورت کا دل کتنا

خواہش ایوان نشد واعظ اسلام را
حاجت مشاطہ نیست روے دلارام را

جو پاس بھی ہو بعد مصیبت تو نقش میں کچھ نہیں فضیلت
اگر سو طالب کمال کے تم تو چھوڑ دو امتحان ایسا

پیری سے کمر خم ہے وہ فرماتے ہیں تن جا
قابو میں نہیں ہاتھ تو کیا ہو سکے پنجا
وسعت ہے درِ علم میں بے راہ عمل بند
ہے صاف سڑک پاؤں پہ لیکن ہے شکنجا

کیا کہوں اسکو میں بدبختی نیشن کے سوا
اسکو آتا نہیں اب کچھ امیٹیشن کے سوا

اسقدر تھا کھٹملوں کا چارپائی میں ہجوم
وصل کا دل سے مرے ارمان رخصت ہو گیا

لات دنیا نے جو ماری بنگیا دیندار وہ
تھی بری ٹھوکر مگر شیطان رخصت ہو گیا

مری تقریر کا اُس پر کچھ قابو نہیں چلتا
جہاں بندوق چلتی ہے وہاں جادو نہیں چلتا

کمر باندھی بھی یاروں نے جو راہ حق تو می میں
وہ لوٹے تو نہیں چلتا وہ لوٹے تو نہیں چلتا

کہا پیر طریقت نے اکڑ کر اسی کمشنر سے
یہی تنزل ہے جسمیں شیخ کا ٹٹو نہیں چلتا

لطیف الطبع ساتھی چاہیے فیاض طبیعت کا
چمن سے بے ہوا کے کاروان بو نہیں چلتا

درس تھا یکساں مگر وہ تو سیمی ہی رہے
تجھ پہ مذہب کے عوض شیطان کا قابو ہو گیا

ایک ہی بوتل سے پی ہوٹل میں دونوں نے شراب
لطف مستی اُنکو آیا اور تو اُلّو ہو گیا

سرقوم اُنکا حمیدیہ لعمرت مستانہ تھا
سر میں تھا سید کے قرآں ریپا میخانہ تھا

تجھے انگلش سے جب توقع نہیں ہے گرم جوشی کا
تو پھر کیا لطف ہے اے ہمنشیں اس بادہ نوشی کا

تکلف سے حباب اسے دیا سنگ کر لے اکبر
ادا کرتا ہوں میں یہ حق فقط پتلون پوشی کا

چھوڑ کر رخ اپنے مٹنے کا
منتظر ہوں اب اُنکے پٹنے کا

سرسید کو فلک نے تھپے سے دیا
تہذیب کو پھر دوبارہ حصے سے دیا

ملت کی شکست میں مدد دی کامل
سے لگی قوم جب تو بیسے سے دیا

گھر میں نہیں جب رہے تھلے سے دیا
باہر کسی طرف چلے تو چلنے سے دیا

کالج نے بٹھا دیا جو ماتم شہر
کچھ پھول چلے تھے لئے چھالے سے دیا

کچھ بھی نہیں چاہتے وہ چندے کے سوا
اس باغ میں کیا دھرا ہے پھندے کے سوا

گلچیں ہے ہر اک نہیں ہے بلبل کوئی
اس نکتے کو کون سمجھے بندے کے سوا

اونچ ہے یہ رئیسوں کی تانہ ہے نہ تگلے کا
نہ یہ پودا ہے گلشن کا نہ یہ بوٹا ہے گملے کا

ہمارے حضرت شیخ مہدی کی دہات ہے
جدا اسمیں چمکتے ہیں کہیں کا طرہ پر شملے کا

ط Nation قوم — ط Imitation نقل اُتارنا — دیکھ یعنی رہیونگے۔

دل چھوڑ کر زبان کے پہلو پہ آپڑے
ہم لوگ شاعری سے بہت دور جا پڑے

معنی کے ساتھ ہو تو مزہ ہے زبان کا
انجم نہیں تو لطف نہیں آسمان کا

ہے صاف عیاں حرم سرا کا مطلب
ممکن ہو اگر تو اس کو قائم رکھو
بیگانوں کے واسطے ہے اک حدِّ ادب
عزت کے نشان اور تو مٹ گئے سب

پنڈت نے خوب بات کہی جوش طبع میں
پتھر کے بدلے اب تو دھرم لوٹنے لگا[1]
تا حج گذشتہ عہد پہ یوں طعنہ زن ہیں آپ
محمود بت شکن تھا برہمن شکن ہیں آپ

محتاجِ درِ وکیل و مختار ہیں آپ
آوارہ و منتشر ہیں مانند غبار
سارے عملوں کے ناز بردار ہیں آپ
معلوم ہوا مجھے زمیندار ہیں آپ

جاتی رہی وعظ مذہبی کی قوت
اطفال کو ناز ہے، مگر قومی آنکھ
ہر سر میں سمائی خود سری کی قوت
روتی ہے کہ ہے کہ یہ خودکشی کی قوت

حاضر ہوا میں خدمت سید میں اک رات
بولے کہ تجھکو دین کی اصلاح فرض ہے
افسوس ہے کہ ہو نہ سکی کچھ زیادہ بات
میں چل دیا یہ کہہ کے کہ آداب عرض ہے

مہماں آئے تو اسکو گھیرو نہ بہت
مجلس ہوئی ختم اب میں گھر جاتا ہوں
اسکی راہوں سے اسکو پھیرو نہ بہت
بھائی ہے مجھے میرا حصہ دے رو نہ بہت

عینک آنکھوں پہ منہ میں مصنوعی دانت
اب تک ہے مگر وہی ہوس حضرت کی
نیچر نے سکھا کے کر دیا جسم کو تانت
سب ہے طول امل ہنوز شیطان کی آنت

عزیزوں کی اہانت کم بزرگوں کا ادب رخصت
جو دل بدلا تو سب بدلا شفقت تو سب رخصت

ڈیلی گیٹوں نے جو شملے میں بہم کی ہے صلاح
سنٹرل بھی ہو کمیٹی اور پراونشل بھی ہو
بابوؤں کی طرح لیکن عقل سے کچھ مطلب نہ ہو
بولے ایسے نہیں محتاج کچھ تصریح کے
بعد عمدہ کھانے کے ایسی ڈکاریں ہیں مباح
حامی پبلک بھی ہو رخ جانب کونسل بھی ہو
کردیں بس توضیح جزو کل سے کچھ مطلب نہ ہو
کیوں نہ ہو دانے تو ہیں ٹوٹی ہوئی تسبیح کے

[1] یعنی ٹوٹنے لگے۔

گندہ کے اس قومی گلے کا ہار ہو جائینگے یہ
بحث ملکی میں تو پڑنا ہے تری دیوانگی
ہم یہ کہتے ہیں کرو حق استخارہ رائے دے

پالسی کے طرۂ دستار ہو جائینگے یہ
پالسی اُنکی رہے قائم ہماری دل لگی
تم فقط پُتلے بنا سکتے ہو جاں اللہ دے

طفل مکتب کہ سخنہا ز زباں می گوید
طبع او فونوگراف است و سرودش سانقش

شکوہ کم کن کہ چنیں گفت و چناں می گوید
آنچہ بستند برو نقش ہماں می گوید

یہ بات غلط کہ ملک اسلام ہے ہند
ہم سب ہیں مطیع و خیر خواہ انگلش

یہ جھوٹ کہ ملک لچھمن و رام ہے ہند
یورپ کے لئے بس ایک گودام ہے ہند

گفتم ایران را سعیٔ جنگ نماند
آغا خندید و گفت رنگے دگر است

آں مردی و آں ہوا و آں رنگ نماند
کامروز برائے ساغرم سنگ نماند

شکر چشم و گوش کرتا ہوں مگر یارب یہ کیا
آنکھ ٹھگ کے حوالے کان مخبر کے سپرد

افسوس ہے بدگماں کی آزادی پہ
ملاؤں سے کیوں ہے اتنی وحشت اکبر

خالق کبھی خوش نہ ہوگا بربادی پر
یہ تو اک ٹکس ہے اس آبادی پر

پنڈت میٹھا ہے اپنی پوتھی لیکر
سودا اُسکو ہے جو سدھارا لیدل

بنیا بیٹھا ہے سونٹھ موتھی لیکر
وہ دولت و جنس گھر میں جو تھی لیکر

یہ وقتِ شکستِ قوم کا ہے بخدا
ایسی مسجد ہو جس پہ اطلاق ضرار

کرتا ہوں میں تجھ کو آج تنبیہ اکبر
قرآن کو مان لا تقم فیہ اکبر

کر رو نہ تعمیر گھر کی اکبر حدود میونسپل کے اندر
یہ اہلکاراں بدیانت بینگے پھوڑا دنگل کے اندر

ہوئے اس قدر مہذب کبھی گھر کا منہ نہ دیکھا
کٹی عمر ہوٹلوں میں مرے اسپتال جا کر

میں رعیت ہوں وہ شاہانہ دلیری ہے کہاں
مجھکو کیوں رشک آئے وضع ملتِ انگریز پر

کاسے بچہ جاتے ہیں ان لوگوں کی راہ رزق میں
خوف آتا ہے چھری چلتی ہے اُن کی میز پر

معمّا

ممکن نہیں عبور مرے اُن کے راز پر
بالفعل ہے مقامِ عدالت جہاز پر

کیا اسکی خوشی کہ تمکو ہے عقلِ کثیر
ہرگز یہ نہیں ہے حسنِ قانونِ خدا
ہمکو تو اسی سے کر دیا تم نے فقیر
کہتے ہیں حضور اسکو حسنِ تدبیر

تہذیبِ نو کے رنگ پہ بلبل بنے ہیں سب
واللہ کیا بہار ہے اس سبز باغ پر

تیغ ملتے ہی کہا ہیں گے تجھ سے بہرِ اخذِ زر
دین خود تجھکو نہ چھوڑے گا جو دنیا نہ چھوڑ

جس طرح ہے تجھے الم جسم کی تمیز
دیکھے گا درد جان کو بھی اک دن تو اے عزیز

ہرگز نہیں ہمکو سلطنت کا افسوس
انگریزوں پہ ہے بہت کم الزام اسکا
ہے ابتریٔ معاشرت کا افسوس
ہے اپنے ہی میل معصیت کا افسوس

سیاہ کرنا دلوں کا اسے ہے کیا مشکل
تمہارا علم لگاتا ہے آفتاب میں داغ

یار نے پوچھا کدھر جاتا ہے تو
پوچھا اُس جانب لئے جاتا ہے کون
عرض کی میں نے ہلاکت کیطرف
میں نے دیکھا اُسکی صورت کیطرف

بن گئی ہے خضرِ راہِ دبستاں کیدِ حریف
ہمکو یہ سجدہ ملایا چاہتا ہے خاک میں
ہے نمازِ گریۂ زاہد سے خشک کیک نحیف
کون سمجھے شاعروں کے یہ اشاراتِ لطیف

ہمکو نہیں اُنکے عیش و راحت پر رشک
کافی ہے ہمیں عبادتِ حق کے لئے
بعزت نہ کودن اسپ برساتے ہیں اشک
ایک اونٹنی ایک پال پانی اک مشک

کونسل میں شریک ہوگا کل ملک
یارب کل سلطنت ہے تیری
اونچا سنتی ہے کیا گورنمنٹ
گائیں ناحق بھڑک رہی ہیں
ہوتی ہے روش جو سلطنت کی
اب تھینکس کا بانٹ دیگا پل ملک
تؤتی الملک اور تنزع الملک
کیوں کرتا ہے اتنا شور و غل ملک
ویراں نہ کرینگے جان بل ملک
جاتا ہے اُسی طرف کو ڈھل ملک

زندہ جس سے ہے بزمِ قومی / وہ کون ہے مرحوم محسن الملک
غنچے کی طرح سمٹ کے ابھرو / اُسوقت کھلے گا مشتِ گلِ ملک

اکبر اس اندیشہ میں رہتا ہے غرق / کافر و میتھو میں ہے تھوڑا ہی فرق
کافری کا ہے علاج ایماں سے / میتھوڈیت تو ہے لپٹی جاں سے

بنامِ خیالاتِ پاٹ آفریں / زبانوں پہ بسکٹ کی چاٹ آفریں

اس قوم کو یک دلی کی رغبت ہی نہیں / جو ایسا کرے اُدھر طبیعت ہی نہیں
اکبر کہتا ہے میل رکھو باہم / وہ کہتے ہیں میل کی ضرورت ہی نہیں

کیسا اسلام ان میں بصیرت ہی نہیں / ایمان کہاں کہ جب بصیرت ہی نہیں
طرزِ تعلیم پر ہے لیکن الزام / وہ علم نہیں تو وہ طبیعت ہی نہیں

واں شوکت و زینت کے جو اسباب بہت ہیں / معنی کے یہاں گوہرِ نایاب بہت ہیں
صاحب کی سی محفل تو میسر نہیں لیکن / صد شکر کہ اکبر کے بھی احباب بہت ہیں

ترقی پاتے ہیں لڑکے ہمارے ٹھوکریں کھوکر / یہ کیا اندھیر ہے سمجھ لیتے ہیں یہ تب چکتے ہیں

دنیا میں ضرورت روشنی کی ہے اور آپ ہیں مطلق نور نہیں / یہ صورت حال یہی قائم تو اس کی چارہ گر کوئی نہیں
تاہم ہم ایسی جانتے ہیں اور آپ کو بھی پہچانتے ہیں / کہ آپ کی باتیں پاتے ہیں کچھ فہم تو کچھ گو زندہ نہیں
اے بھائیو بابو صاحب سے کچھ کام نہیں ہے کوئی عمل / کونسل شملہ بالا ہیں میں ہو سکن تو تمہارا عہد نہیں

مشتاق تھا ہوں در پہ حاضر ہوں میں / مشکور نہیں کہ بارِ خاطر ہوں میں
حسرت کو جو فرصتِ ملاقات نہ ہو / بوسہ پہ آستاں کے شاکر ہوں میں

ہوائے طوبیٰ ہے اب نہ سر میں نہ صبح کوثر ہے اس نظر میں / ہوس اگر ہے تو بس یہی ہے کہ ہم بھی چھپ جائیں تیر میں

دلچسپ ہوائیں ہوئے گلشن پہ چھپکیں / زلفیں شملے سے تا بہ دامن پہنچیں
درگا مائی سے راجہ جی جب روٹھے / صدقے ہو بیکولی نعیمیں پہنچیں

جھلا کے بولے آتے جو لپٹا اندھیرے میں / اندھیر اس طرح کا تو دیکھا کہیں نہیں

آغاز تحریکِ سودیشی میں یہ نظم کہی گئی تھی مصنف شورو شرسے متفق نہیں

داخل مری دانست میں یہ کام ہے پُن میں ۔۔۔ پہونچائے گا قوت شجرِ ملک کی بن میں
تحریکِ سودیشی پہ مجھے وجد ہے کیسر ۔۔۔ کیا خوب یہ نغمہ ہے چھڑا دیس کی دھن میں

عنایت مجھ پہ فرماتے ہیں شیخ و برہمن دونوں ۔۔۔ موافق اپنے اپنے پاتے ہیں میرا چلن دونوں
ترانے میرے ہم آہنگ دیر و کعبہ ہیں یکساں ۔۔۔ زباں پر میری موزوں ہوتی ہے حمد اور بھجن دونوں
مجھے اُلفت ہے سنّی سے بھی شیعہ سے بھی یاری ہے ۔۔۔ اکھاڑے میں دکھا سکتے ہیں دلکش بانکپن دونوں
مجھے ہوٹل بھی خوش آتا ہے اور ٹھاکردوارا بھی ۔۔۔ تبرک ہے مرے نزدیک پرشاد اور مٹن دونوں

ایک سید کیا کریں یا ٹھکر دس کیا کریں ۔۔۔ حضرتِ حالی کے اشعارِ مسدس کیا کریں
سچ تو یہ ہے مہربانی آپکی درکار ہے ۔۔۔ ہم غریب و ناتواں و زار و بیکس کیا کریں

روشنی سر میں۔ گدازِ غم۔ دل مایوس میں ۔۔۔ شمع ساں ہم جل رہے ہیں مغربی فانوس میں
روکتا زور و ریا سے ہوں تو فرماتے ہیں وہ ۔۔۔ آجکل برکت بڑی ہے خرقۂ سالوس میں

گولیوں کے زور سے کرتے ہیں وہ دنیا کو ہضم ۔۔۔ اس سے بہتر اس غذا کیواسطے چورن نہیں

ہم نیک خصال ہیں یہ تسلیم نہیں ۔۔۔ دنیا میں اس روش کی تکریم نہیں
لیکن یہ ہیں طریق و عاداتِ عجم ۔۔۔ واللہ کہ یہ عرب کی تعلیم نہیں

چو مسٹر نباشد ترا میہماں ۔۔۔ چہ بر میز خوردن چہ بر روے خواں

تہذیب نے گھر کیا ہے دلِ شیخ و رند میں ۔۔۔ سید کا جانشین ہے وہ آج ہند میں

یہ بولے رو کے پیر پیا اور گیا دین ۔۔۔ ادھر ہم دنیا سے اُٹھا اور گیا دین

نوکر کو سکھاتے ہیں میاں اپنی زباں ۔۔۔ مطلب یہ ہے کہ سمجھے آنکے فرماں
مقصود نہیں میاں کی سی عقل و تمیز ۔۔۔ اس نکتہ کو کیا وہ سمجھیں جو ہیں نادان

نیچریت چیست از دیں گم شدن ۔۔۔ نے قمیص و کوٹ و پتلون و بٹن

بھوک سے زائد ہو جسکے پاس کھانا اُسکے پاس ۔۔۔ اتنی دولت ہے کہ رکھنے کی جگہ ملتی نہیں

ناصح نے کہا کہ جلد مذہب چھوڑو
مذہب نے کہا کہ مجھکو چھوڑوگے تو وہ
ورنہ سائنس میں ڈالے گا تمہیں
کیا گود میں اک طرف بٹھالیگا تمہیں

پورا سائنس تم کو آنے کا نہیں
وہ کمپنیاں ہیں اور نہ کولیکی وہ کان
کچھ آیا تو پیٹوا مانے کا نہیں
نے تم ہوئے یہ دور جانیکا نہیں

سوجھا نہیں جو دھرم کو آئین صواب
واللہ یہی نتیجہ ہوگا پیدا
جتنا چھوڑوگے مجکو تم ہوگے خراب
دنیا میں حقارت اور عقبیٰ میں عذاب

اب قوم میں زندگی کے آثار نہیں
حکام کی سعی یہ صرف عیسیٰ نفسی
جو اہلِ نظر ہیں اس سے شرمندہ ہیں
اچھا کالج کے کچھ اگر زندہ ہیں

حدیں قوموں کی قسمت کیا کرتا ہے یہ تا ثم
محبت کس طرح اس قوم میں باہم رہے قائم
زمانہ دیکھکر چلئے طریق بدگمانی میں
رہا ہیں صرف تہمت دل ہیں تو ہے بدگمانی میں

میں نے کہا کہ ایسا سمجھئے مجھے علام
بولا وہ بت یہ ہٹکے فرنگی نہیں ہوں میں

ہندو و مسلم ایک ہیں دونوں
ہم وطن ہم زباں و ہم قسمت
یعنی یہ دونوں ایشیائی ہیں
کیوں نہ کہدوں کہ بھائی بھائی ہیں

پڑھتے نہیں نماز یہ جو ڈرا سے کیا کروں
قوم نہیں تو قوم نہیں ہائے کیا کروں

باپ سے مانگو نہ عشرت نہ چچا سے مانگو
حسن تدبیر بڑی چیز ہے اس دنیا میں
سعی بازو پہ کرو تکیہ خدا سے مانگو
مدد اس کام میں تم عقل رسا سے مانگو

دل سے دھرم اٹھا ہے تو اب ذات بھی توڑو
برباد کرو جب متوجہ کئے جس کو ذ
ویران ہوئی کھیتی تو عمارات بھی توڑو
باقی ہے سدا بے پھول تو اب ٹاٹ بھی توڑو

یا کس کے کمرے پے جو شاندار ہو
کیا فائدہ ہے قبر مگی سے ملے شیخ
یا حجرے میں گھسکے بیٹھو تہہ بانڈ ہو
بہتر ہے یہی کہ اپنی اک جا باندھو

بچہ ہر کے صورہ اور دل میں حسکا ذکر ہو
میں وہی سمجھوں جو اسکو عاقبت کی فکر ہو

شملہ بمقدارِ علم

افسوس ہے کہ مرگئے بابا[*] اب نہیں کوئی
شملے پہ جان دی تو تعجب ہے اسمیں کیا

اس درجہ جس میں علم ہو اس درجہ حلم ہو
لازم تھی وہ جگہ جو بمقدارِ علم ہو

زندگی اور قیامت میں ریلیشن[1] سمجھو
اسکو کالج اور اُسے کانووکیشن[2] سمجھو

ہو جنھیں مقدرتِ وضع و نفاذِ قانون
بس انھیں کو صفت اقوام میں نیشن[3] سمجھو

آہ و فریاد سے قابو میں نہ آئے گا وہ یار
طپشِ قلب کو بنگال ایجیٹیشن[4] سمجھو

دیں دار ہو درست دیں ہو کہ نہ ہو
قدر اسکی زمانے میں کہیں ہو کہ نہ ہو

مذہب پہ سب جمے رہو یہ ہے شیخ کا قول
کہدو کہ یقیں ہے اسمیں ہو کہ نہ ہو

افسوس ان پہ فلک نے پایا قابو
مطلق نہیں ان میں رنگتِ ہندو یا بو

شیخی کو چھوڑ مرزا پہلے سے بنے
بنتے جاتے ہیں اب یہ مسلم بابو

لطفِ سخن تو ہے یہی ٹرس[5] بھی ہو وٹی[6] بھی ہو
ذہن کا وصف ہے یہی اوریجنیلٹی[7] بھی ہو

مرشدِ نئی روشنی کا ہے قابلِ قدر
تزئیں بھی خوشنما ہے تنویر کے ساتھ

طالب جمعے کا لیکن اُس سے رہے دور
اتوار لگا ہوا ہے اس پیر کے ساتھ

عقل سید بود از انوارِ حکمت باشتم
شکلے در پیش ہست او را اگر گویم نبی

زور بازو پیش عدو را پنجہ برتافتہ
ز انبیا ہرگز کسے نگذشت نیشن یافتہ

پردہ اُٹھ جانے سے اخلاقی ترقی قوم کی
جو سمجھتے ہیں یقیناً عقل سے فارغ ہیں وہ

سُن چکا ہوں میں کہ کچھ بوڑھے بھی ہیں اسمیں شریک
یہ اگر سچ ہے تو بیشک پیر نابالغ ہیں وہ

اکبر کو ہے الفتِ بتانِ گمراہ
کرتا ہے انھیں کے وصف میں نامہ سیاہ

احباب سنیں جو اس سے ایسے اشعار
تردید کریں کہیں کہ سبحان اللہ

لے لیکے قلم کے لوگ بھالے نکلے
ہر سمت سے بیسیوں رسالے نکلے

افسوس کہ مفلسی نے چھاپا مارا
آخر احباب کے دوالے نکلے

---

[1] Relation بمعنی رشتہ [2] Convocation [3] Nation [4] Agitation بمعنی مخالفت پرجوش

[5] Terse لطیف [6] Witty ظریف [7] Originality جدت * سابق پرنسپل علیگڈھ کالج

سچ ہے کہ انھوں نے ملک لے رکھا ہے
ہم لوگوں سے کیمپ کو بچا رکھا ہے
لیکن ہے ادائے شکر ہم پر لازم
کھانے بھر کو ہمیں بھی دے رکھا ہے

پوچھتے کیا ہو مسلمانوں کا حال
منتشر اجزا سب ان کے ہو گئے
معتصم کب ہیں بحبل اللہ سے
دیکھ لو جھاڑو سے تنکے ہو گئے

غضب ہے وہ ضدی بڑے ہو گئے
میں لیٹا تو اٹھکر کھڑے ہو گئے
نہیں انکو کچھ شرم لاحول قوم
یہ ملحد تو چکنے گھڑے ہو گئے

ہر ایک کو ایک دن اجل آنی ہے
دنیا گذران ہے ہیچ ہے فانی ہے
لیکن مرنا ہو عالم وجد میں ہو
گویا کہ شعاع نور پر دانی ہے

تم کہتے ہی سمجھ کے ادائی رہتے
تم پر دل و جاں سے ہم فدائی رہتے
صد شکر تم آئے بڑھ گئی لذت طبع
لیکن جو نہ ملتے تب بھی بھائی رہتے

مسلمانوں نے کالج کی بڑی کیا راہ پکڑی ہے
وہی تو اک ٹھکانا ہے وہی بڈھے کی لکڑی ہے

ڈھ گئی دل سے مرے حسن پرستی نہ گئی
بجھ گیا خون مگر روح کی مستی نہ گئی

مجھکو کچھ حیرت نہ ہوگی تمکو ہو جائیگا فخر
کہدو اک بدمست گورے کو کہ بندہ زادہ ہے
مغربی تہذیب میں کسکو میں سمجھوں مستند
اس تماشا گاہ میں جو ہے وہ صاحبزادہ ہے

اسیر دام زلف پالیسی مدت سے بندہ ہے
صداقت نذر لکچر ہے ریاست نذر چندہ ہے

ان کی سب باتوں کو اکبر سیکھ لے
جو وہ فرمائینگے پیچھے آ کے لے

جو لوگ طرفدار علیگڑھ کے رہیں گے
اس دور میں مشکل وہی بڑھ چڑھ کے رہینگے
مفلس رہیں گمنام رہیں خیر جو کچھ ہو
کالج کے یہ سب علم تو ہم پڑھ کے رہینگے

داد قرآں کی نہ دو بھائی عمل اسپہ کرو
پیش درگاہ خدا داد کی حاجت کیا ہے

ظاہر میں اگرچہ راز سربستہ ہے
مضمون لطیف و خوب برجستہ ہے
پودا ہیں پھول کا علیگڑھ کالج
گلزار میں مسلمونکا گلدستہ ہے

سر حد پہ باغیوں کو سِکھ مارینگے
قائم رہے البشیر کا یہ پرچہ

گردن اُردو کی رامؔ رکھ مارینگے
ہم بھی مضموں کوئی لکھ مارینگے

کونسل سے ہر طرح کا قانون آ رہا ہے
لیکن پڑھوں میں کیونکر آنکھوں کی ہے یہ حالت

مطبع سے ہر طرح کا مضمون آ رہا ہے
اشک آ رہے تھے پہلے اب خون آ رہا ہے

باغوں میں تو بہار درختوں کی دیکھ لی
لیموسئے کاغذی تو بہت دیکھے آپ نے

کالج میں آکے کانوو کیشن کو دیکھئے
اب کاغذی ترقیِ نیشن کو دیکھئے

اپنے بھائی کے مقابل کبر سے تن جائیے
فلسفہ الحاد کا کر لیجئے فوراً قبول
چندے کی مجلس میں پڑھئے روکے قرآن مجید
شیخ صاحب ہے یہی قومی ترقی کی شناخت

غیر کا جب سامنا ہو بس تلی بن جائیے
دین کی ہو بات تو بیتال پڑھن جائیے
مذہبی محفل میں لیکن مثلِ دشمن جائیے
روٹھنے سے کچھ نہیں ہے فائدہ من جائیے

پڑا ہے قحط بشر مر رہے ہیں فاقوں سے
بجھی ہوئی ہے طبیعت یہ روشنی ہے فضول

خوشی ہو کیا مجھے شبرات میں پٹاخوں سے
اُتار لیجئے صاحب چراغ طاقوں سے

دنیا ہی اب درست ہے قائم نہ دین ہے

زر کی طلب میں شیخ بھی کوڑی کا تین ہے

اک دن وہ تھا کہ دب گئے تھے لوگ دین سے

اک دن یہ ہے کہ دین دبا ہے مشین سے

گذرے مری نگاہ سے یاروں کے جمگھٹے
کھانے بھی خوب کھائے اُڑیں گلچھریں بھی خوب
ہم تو اسی کو بات سمجھتے ہیں کام کی

مطلب یہ تھا سرور بڑھے اور غم گھٹے
لیکن ہوا یہی کہ بڑھے آپ ہم گھٹے
عشقِ صمد زیادہ ہو عشقِ صنم گھٹے

جس سے جو بن پڑے وہی کام کرے
لیکن رہے قومی بھائیوں کا ہمدرد

صاحب سے بنے کھائے کھیلے آرام کرے
ہر حال میں ادعائے اسلام کرے

پرچے ہیں نہ مذہب کے نہ وہ قصۂ دل ہے
اس عہد میں مائل سوئے الحاد جو دل ہے

پرچے ہیں اب اخبار کے اور آرٹیکل ہے
اسکی تو گورنمنٹ ہی ریسپانسبل[۵۲] ہے

۵۱ دوسرے مصرعہ کے قافیے کے لئے طبع آزمائی ہوتی تھی ۵۲ ذمہ دار۔

تل کھیت میں لٹائے تو گودام میں لیجائیں
کیا فائدہ عارضی پہ کسی ہٹ کے حوتل ہے

تنخواہ کے بل سے میں ہوتی ہے مسرت
اور شیخ یہ کہتا ہے کہ یہ سانپ کا بل ہے

غزالی و رومی کے بھلا کون سے گا
محفل میں چھڑا نغمۂ اسپنسر[1] و مل ہے

سالک کے طریقوں پہ عمل کر نہیں سکتے
کل آج دکھا آج کو کل کر نہیں سکتے

الزام کہیں مشق قواعد کا نہ لگ جائے
صوفی کبھی ہمت کو دراجھل کر نہیں سکتے

تائید کانفرنس

جمعیت عاقلاں قوم اچھی ہے
گلہائے سخن کے باغ کھل جائینگے

کہتا ہے یہ معترض کہ ملتا کیا ہے
کچھ اور نہیں تو دل ہی مل جائینگے

چالیس سال سے ہے نئی روشنی کا دور
کیونکر اسے کہوں کہ سراسر فضول ہے

البتہ ایک عرض کروں گا دلی رہاں
گو خوشنما ہست ہے مگر بے اصول ہے

دنیا کی ہوا راس جو آئی بھڑک اٹھے
انگارے ہوئے جاتے ہیں اب کول کے کالے

کمزور کی ہانڈی جو زبردست نے دیکھی
دل بٹے کھائے پڑے پھوٹے ہوئے کھول کے کھالے

تسبیح مرے تو ہے عطا کردۂ مرشد
ان برہمنوں کے پاس تو ہیں مول کے مالے

ترکیب تو دیکھو یہ زمانے کے چلن کی
افسوس کہ اس سے کوئی واقف بھی نہیں ہے

گرجا میں تو کرنیل و کمشنر بھی ہیں موجود
مسجد میں کوئی ڈپٹی و منصف بھی نہیں ہے

رمز اکبر دانش آموز و نشاط انگیز ہے
ہر سخن اسکا لطیف و خوب معنی خیز ہے

بالارادہ اس سے جو کرتا ہے اعراض و گریز
ناتواں ہیں وہ ہے یا کودن ہے یا انگریز ہے

سن ساری کی چالوں میں تو حامد انکا شاطر ہے
مگر جو حالت اصلی ہے وہ پبلک پہ ظاہر ہے

اس زمانے میں جو دل ادھر سے پھر جاتا ہے
آدمی پایۂ تہذیب سے گر جاتا ہے

میں کچھ واقف نہیں آرام وہ انکی یہ سب ہے
کہ یک سوہوم امیدوں کا لفظوں کا سمندر ہے

معاملہ تھا عرب کا خدائے واحد سے
عجم نے واسطہ رکھا شراب و شاہد سے

[1] یہ دونوں مغربی فلاسفر تھے

ادھر تھی حمد خدا ہی سے آشتی دل کی		ادھر تھی بحث نزاعِ حمید و عابد سے
ہے نئی روشنی اک توکل و ذاتی ترکیب		لفظ ہی لفظ ہیں جتنے ہیں زوائد اسکے
لیمپ بجلی کا ہے یہ مہر جہانتاب نہیں		جب اندھیرا ہو تو ظاہر ہوں فوائد اسکے
ہے علم اگر عقل کو آزاد کریں گے		دنیا تو کبھی دین بھی برباد کریں گے
جب خود نہیں رہنے کے کسی اصل پہ قائم		کیا خاک وہ قائم کوئی بنیاد کریں گے
بارک کوئی کردے گی عطا انکو گورنمنٹ		یا کالونی اپنی کوئی آباد کریں گے
صوتِ ہزار طائرِ بدلحن سے سنی		کہنے لگا کہ بھاڑ میں بلبل کی چونچ جائے
اُسنے کہا مقابلہ کا کب تھا یاں خیال		یہ تو وہی مثل ہے کہ کانا ہو کونچ جائے
مسجد کا ہے خیال نہ پروائے چرچ ہے		جو کچھ ہے اب تو کالج و تھیٹر میں خرچ ہے
عزت کا ہے نہ اوج نہ نیکی کی موج ہے		حملہ ہے اپنی قوم پہ لفظوں کی فوج ہے
اس طرزِ تربیت پہ ہیں اغیار خندہ زن		لاحول باپ کی ہے تو ماؤں کی نوج ہے
اسلام کی بو وہاں نہیں ہے مطلق		مسجد بھی ہے مولوی بھی ہیں ٹاٹ بھی ہے
دریا میں نہیں ہیں جوہرِ تیغِ اکبر		گو آب بھی اسمیں دھار بھی کاٹ بھی ہے
پیری نے دانت مجھپہ لگایا ہے گھات سے		بائیں طرف کی ڈاڑھ میں ہے درد رات سے
بارو سالے ایک طرف درد اک طرف		پہیل سے فائدہ ہے نہ کچھ تیجپات سے
نہ یہ قید شریعت ہے نہ یہ غفلت کا پردا ہے		رواج و مصلحت کی بات ہے حکمت کا پردا ہے
تمہیں دھوکے میں ڈالا ہے شالِ اہلِ یورپ نے		اُدھر سایہ حکومت کا ہے یاں عزت کا پردا ہے
کہتے ہیں ترکِ ملت انساں کو بات کیا ہے	[illegible]	تحقیق تو کرو تم حضرت کی ذات کیا ہے
خوب فرمایا یہ شاہِ جرمنی نے پوپ سے		وعظ ہم بھی سنتے ہیں لیکن دہانِ توپ سے
جدِ امجد خود میں کرتے تھے یہ موسم بسر		ہمکو اپنے عہد میں پالا پڑا کنٹوپ سے
رہ گئے نا آشنا احباب غائب ہوگئے		ہمنفس وہ اک باقی تھے وہ صاحب ہوگئے

وقت مدہ میں کون رکھتا ہے رفاقت کا خیال
ہمنشیں اپنے رقیبوں کے مصاحب ہو گئے

کدھر جاتی ہے طبع قوم اسکو کوئی کیا جانے
بصیرت جسکو ہے وہ جانیں اکبر یا خدا جانے

طریق حق میں بھی سیدھے جدا ذرا چلئے
فتن کی راہ نہیں ہے پیادہ پا چلئے

کہا جو غیر کو کیوں تو نے اے گلرو پھنسایا ہے
تو بولا دل لگی کے واسطے اسکو پھنسایا ہے

ادھر حیا و ذہن ہے اُسطرف ہیں جال گیسو کے
ہمارے دل کو اُسے کرکے بے قابو پھنسایا ہے

گلوں کو دیکھ کر کہتا ہے وہ شوخ
ہمارا رنگ بھی پھیکا نہیں ہے

عاشقوں کے بھی معین ہو گئے ہیں اب حقوق
عہد انگریزی ہے یہ ایجاں حال شاہی گئی

قوم اور سلطنت ہیں دو چیزیں
نیچرل جینئس بن نہیں سکتی

نیچرل وہ ہے یہ ہے مصنوعی
آئیں کیونکر صفات مجموعی

نہ رنگ انجمن وہ ہے نہ وہ میکش نہ وہ ساقی
نہ وہ مکتب نہ وہ ملّا نہ وہ صورت نہ وہ سیرت
کہاں وہ دعوت احباب کی طیاریاں اکبر

یہ دعوت کیا ہے بس اک ادائے فرض اخلاقی
سوا نام خدا کے اب رہا کیا قوم میں باقی
خموشی سے ادا کرتا ہوں بس اک فرض اخلاقی

بے بصیرت ہے مگر تو منکر شیخ و ولی
چشم بینا اگر کی ہیں آشکارو ہم نہاں

ناشگفتہ رہ گئی بیشک ترے دل کی کلی
دو قبائے گلرخاں رنگ تنی تو نے علی

بالاطاقت تہ افلاک انساں کی نہیں چلتی
وہاں تو ریل چلتی ہے یہاں روٹی نہیں چلتی

پہلے تو دکھائی تھی چمک ایسی گئی
کہتے ہیں حریف ہنس کے اب از رو طعن

اب پیش نگاہ میں فقط پیس وہی
جب دیں کو کھو دیا تو دنیا بھی گئی

ہم نے واعظ کی خوب ڈاڑھی نوچی
مس کو شکست دے کے کیا پائینگے

یہ بات مگر نہ اپنے دل میں سوچی
آخر کو رہیں گے موچی ہی کے موچی

فضل خدا سے عزت پائی آج ہمیں بھی جب ہمیں آئی
شیخ سب سمجھے فقط انگریزی بولے ہیں یہ عیسائی

اب تک جو کہیں ہماری قسمت نہ لڑی
ناحق سمجھے ہمنشیں ہے فکر اسکی پڑی

ماہ انگریزی انتہا انگریزی پیسے

انگریز کے ملک میں لڑائی کیسی
یہ ہند ہے یہاں خوش انتظامی ہے بڑی

روشنی جن میں نئی ہے وہ مری سنتے نہیں
لاکھ سمجھاؤ کہ صاحب ہے یہ فانی روشنی
انجم و شمس و قمر لیکن ہیں میرے ہم طریق
وضع پر قائم ہیں ان میں ہے پرانی روشنی

انگریزوں میں عادتِ سحر خیزی تھی
انداز و روش میں اک دلاویزی تھی
مشرق کی ہوا سے وضع اب ہے بدلی
پہلے اچھی تھی خالص انگریزی تھی

تھے کیک کی فکر میں سو روٹی بھی گئی
چاہی تھی شئے بڑی سو چھوٹی بھی گئی
واعظ کی نصیحتیں نہ مانیں آخر
پتلون کی تاک میں لنگوٹی بھی گئی

مہدی کو برا بھلا جو چاہو وہ کہو
لیکن دکھلادی انہوں نے بیوٹی اپنی
لاکھوں ہی کے ڈھیر کردئے کالج میں
پوری کردی یہ اس نے ڈیوٹی اپنی

حقیقت میں تو سب جلوہ تھا انکا
رہی اک حالتِ فرضی ہماری
خدا ہی سے دعا پر تھا بھروسا
کہیں گذری نہیں عرضی ہماری
خدا سے جب کہا مرتا ہے اکبر
کہا ہم کیا کریں مرضی ہماری

اقبال کے ساتھ اے خرد تو بھی گئی
غیرت کے ساتھ مذہبی بو بھی گئی
سچ کہتے ہیں حضرت کرامت[1] اکبر
رخصت ہوئی فارسی تو اردو بھی گئی

کیا پوچھتا ہے حکمت مغرب کا واہ واہ
فطرت بھی اسکو دیکھ کے حیران رہ گئی
سمجھے تھے یہ کہ ایک ہیں ہم اور ہماری جان
دیکھا مگر کہ ہم نہ رہے جان رہ گئی

قطعہ

جو پائی ترکِ عبادات میں مثال بری
شروع ہی سے پکارا کہ ہے یہ فال بری
جناب حضرت سید پہ کھل گیا ہوگا
کہ ہو ہی جاتی ہے بیقیدیوں سے چال بری
یہ بحث جانے دے اکبر کچھ اور باتیں کر
عبث ہے جب تو یقیناً یہ قیل و قال بری

خواہانِ نوکری نہ رہیں طالبانِ علم
قائم ہوئی ہے رائے یہ اہلِ شعور کی

[1] عالیجناب مولوی کرامت حسین صاحب بیرسٹر ایٹ لا (حال جج ہائی کورٹ الہ آباد)

کالج میں دھوم مچ رہی ہے پاس پاس کی
عہدوں سے آ رہی ہے صدا دور دور کی

یا ٹونکو ست جھٹکا چکا زنجیر کے آگے کچھ نہ چلی
تدبیر بہت کی اے اکبر تقدیر کے آگے کچھ نہ چلی

یورپ نے دکھا کر رنگ اپنا سید کو مرید بنا ہی لیا
سب پیروں سے تو وہ بچ نکلے اس پیر کے آگے کچھ نہ چلی

جہان نے ساز بدلا سات سروں کی گت بدلی
کتوں نے رنگ بدلا رنگتے یاروں کی صحت بدلی

فلک نے دور بدلا دور نے انسان کو بدلا
گئے ہم تم بدل قانون بدلا سلطنت بدلی

عجب حیرت انگیز ہے یہ انقلاب
ہماری سمجھ کیا سے کیا ہو گئی
سمجھتے تھے سب ہمکو سچا صریح
وہی بات بالکل سجا ہو گئی

جو کام تھا گھسنے کا نکلتا ہے وہ بل سے
خوش کیوں نہ رہیں لوگ فرنگی کے عمل سے

تاریخ تو خالد کی پڑھوں رات کو گھر پہ
اور دن کو کچہری میں دو نیل کمل سے

تماشا دیکھئے بجلی کا مغرب اور مشرق میں
کلوں میں ہے وہاں داخل یہاں مذہب پہ گرتی ہے

ایمان کی ہے تاک کافری ہے تو یہ ہے
تعلق سید م ہے ساحری ہے تو یہ ہے

نظم اکبر ہے داغ جادو و کفر
ماشاء اللہ شاعری ہے تو یہ ہے



ظرافت

الا یا ایہا الطفلاک بجو راہت بہ نادلہا ۔۔۔ کہ قرآں سہل بود اول ولے افتاد مشکلہا
بکن تزئیں پائے خود بہ بوٹ ڈاسن و پتلون ۔۔۔ کہ سر سید خبر دارد زراہ و رسم منزلہا

دیکھئے قوال بیچارے کا اب کیا حشر ہو ۔۔۔ شیخ صاحب کو تو لکچر پر بھی وجد آنے لگا
کیوں کریگا پیش ہم پہ جلوۂ حورِ بہشت ۔۔۔ جب تھیٹر کا سماں واعظ کو تڑپانے لگا

پاردے کا کیا ہے خود اثر تکا پیدا ۔۔۔ خود ہم نے کیا اِزار اور انگا پیدا
کیا خوب کہا ہے مولوی مہدی علی نے ۔۔۔ نیچر نے کیا ہے ہم کو ننگا پیدا

دیگر

جس کو دیکھا عاشقِ زلفِ چلیپا ہو گیا ۔۔۔ مست تھا دل پھول کر وہ سکی کا پیپا ہو گیا

مخمس

بکری کو ساگ پات کا سودا نہیں رہا ۔۔۔ بنگالیوں کو بھات کا سودا نہیں رہا
چوروں کو اپنی گھات کا سودا نہیں رہا ۔۔۔ اور شاطروں کو مات کا سودا نہیں رہا

اچھا ہوا ہے چندۂ اسکول میں ہر ایک

بنیوں کو اخذِ سود کی فرصت نہیں رہی ۔۔۔ منعم کو داد وجود کی فرصت نہیں رہی
لڑکوں کو کھیل کود کی فرصت نہیں رہی ۔۔۔ کودن کو گشت رود کی فرصت نہیں رہی

اچھا ہوا ہے چندۂ اسکول میں ہر ایک

گاہک کو مول بھاؤ کی پروا نہیں رہی ۔۔۔ مانجھی کو اپنی ناؤ کی پروا نہیں رہی
دل کو کہیں لگاؤ کی پروا نہیں رہی ۔۔۔ چوہوں کو نان پاؤ کی پروا نہیں رہی

اچھا ہوا ہے چندۂ اسکول میں ہر ایک

۱؎ رئیس جائیں ملک اودھ و وکیل الہ آباد

بچے فراغ طبع سے اب کھیلتے نہیں | اُبھرے ہوئے جواں کبھی ڈنڈ پیلتے نہیں
عشاق رنج ہجر بتاں جھیلتے نہیں | پاپڑ فروش پاپڑوں کو بیلتے نہیں

اچھا ہوا ہے چندۂ واسکول میں ہر ایک

لیتا ہے کون گرمی دل سے خدا کا نام | اب کون دھیان باندھ کے کرتا ہے رام رام
مذہب کو دور ہی سے کیا جاتا ہے سلام | کوٹھی کو ہے فروغ نہ رونق پہ ہے گرام

اچھا ہوا ہے چندۂ واسکول میں ہر ایک

کم ہو گیا ہے لوگوں میں آپس کا میل جول | وہ ٹولیاں نظر نہیں آتیں بسان غول
تاشے نہ ستار یا نے کہ بجتے کہیں نہ ڈھول | مخبوط الحواس پریشان گول مول

اچھا ہوا ہے چندۂ واسکول میں ہر ایک

اسکول ہی میں علم ہے جس سے کہ ہے شرف | لڑکا نہ سیکھے علم تو کہتے ہیں ناخلف
لیکن کچھ اور دھندے بھی ہیں پیش صف بصف | یہ کیا کہ ساری قوم ہی جھک جائے اک طرف

اچھا ہوا ہے چندۂ واسکول میں ہر ایک

پنڈت پراچا کے سارس پہ آ رہے | مرکٹ کے شیخ شہر بھی نوٹس پہ آ رہے
حالی غزل کو چھوڑ مسدس پہ آ رہے | ہم مرد تھے سو ہم بھی مخمس پہ آ رہے

اچھا ہوا ہے چندۂ واسکول میں ہر ایک

کونسل میں نکتہ چینیوں کی ٹولی ہٹ پٹی | اچھا ہوا مستقل کی اب یونیورسٹی
بیکار کاموں سے بھرے گا نہ ہر ستی | اس مل سے یہ شکایت احباب بھی ستی

اچھا ہوا ہے چندۂ واسکول میں ہر ایک

مری نظروں میں یکساں ہیں نشتر سوئی کہ ماتا | سے کرتے وہ جو مدعو تھا ہیں میں بھی جو آتا
ہم میں کیوں ضعف ہو جب دین سے لو پیت پھیرا | مسجدیں کیوں جھکیں حق پہ سے کر جا گرا
پیر مغاں سے رات کیا میں نے یہ کلام | مخدوم ہوں یہاں بھی مرا کچھ نہیں ملا

اُسنے یہ مسکرا کے کہا از رہ مزاج — جینے کی کس نے تمکو بڑھاپے میں دی صلاح
میں نے کہا کہ بعض تو دس سالہ پیر مرد — اب تک اُڑا رہے ہیں درِ میکدہ کی گرد
کہنے لگا کہ اُن پہ عبث ہے تری نظر — غفلت کا ہے وہ نشہ جوانی سے تیز تر

زمانہ کہہ رہا ہے سب سے پھر جا — نہ مندر جا نہ مسجد جا نہ گرجا

ایسا شوق نہ کرنا اکبر — گورے کو نہ بنانا سالا
بھائی رنگ یہی ہے اچھا — ہم بھی کالے یار بھی کالا

کرتے تھے بتوں سے خوب جھگڑا مانجھا — رہتے تھے مشیر برہمن اور اوجھا
برکت ہے اُسی کی اس عہد میں حضرت — بیٹھے ہوئے کر رہے ہیں جا چھا جا جھا

رحیمن پکاری کہ ٹیسا دھایوا — عجب جانور ہے یہ کاکاتوا
بتاؤ ذرا عقل ہے میری گم — کدھر چونچ ہے اور کدھر اسکی دُم

کرزن و کچنر کی حالت پر جو کل — وہ صنم تشریح کا طالب ہوا
کہدیا میں نے کہ ہے یہ صاف بات — دیکھ لو تم زن پہ نر غالب ہوا

بات سید کی کچھ ایسی تھی کہ جس نے اُسکو — کاٹنا چاہا زمانے میں وہ بس آپ کٹا
کہتے پھرتے ہیں یہ اب کانگریسی ہر سو — مر گیا کول کا بوڑھا یہ چلو پاپ کٹا

پانی پینا پڑا ہے پائپ کا — حرف پڑھنا پڑا ہے ٹائپ کا
پیٹ چلتا ہے آنکھ آئی ہے — شاہ ایڈورڈ کی دہائی ہے

ٹیچر[1] نے دیدیا ہے پٹہ رجولیت کا — کیونکر نہ ہوں بتوں سے طالب قبولیت کا

پرچہ رکھا جو اس نے میں یہ سمجھا — پاکٹ میں یہ بیس روپیہ کا نوٹ گیا
گھر پہ کھولا تو بس یہی لکھا تھا — کیا شعر تھے واہ واہ میں لوٹ گیا

اسمال[2] نہیں گریٹ[3] ہونا اچھا — دل ہوتا بڑا ہے سیٹ ہونا اچھا
پنڈت ہو کہ مولوی ہو دونوں بیکار — انساں کو گریجوایٹ[4] ہونا اچھا

[1] بالارادہ اصلی لفظ سے تجاوز کیا گیا [2] Small چھوٹا [3] Great بڑا [4] Graduate

بن پڑے تو قبلہ ہی مناسب ہے تجھے — وقتوں میں وہ پھنسا ہوا اسکو اثر ہو گیا
دیدنی ہے یہ تماشائے ستین انقلاب — باپ تو قبلہ تھے بیٹا اسکو اثر ہو گیا
شیخ صاحب یہ تو اپنے اپنے موقع کی ہے بات — آپ قبلہ سے گئے ہیں اسکو اثر ہو گیا
تنکے میں آج میں نے انکا بوسہ لے لیا — دیکھئے ڈگری جو ہو دعوی تو دائر ہو گیا
اب تو مجھکو بھی مناسب ہے کہ پٹواری ہوں — یار کو شوق حساب مال و سائر ہو گیا
فکر دنیا نے بھلایا سب وہ قرآن و حدیث — مولوی بھی محو قانون و نگاہ ہو گیا

دکھائی فلسفۂ مغربی نے وہ مردی — کہ پردہ کھل گیا اس قوم میں رہنماؤں کا
پری کی زلف میں الجھا دریش واعظ میں — دل غریب ہوا لقمہ امتحانوں کا
وہ حافظہ جو مناسب تھا ایشیا کے لئے — حرام ہو گیا یورپ کی داستانوں کا

یہی سبب ہے اسکی بات پہ کان دھرتے نہیں ہیں لوگ — کچھ جو دست مولوی سے نہ تھا یاں کوئی کان ایسا
مچائی سینے میں اسنے شورش اٹھالے اسے زباں کے ٹکڑے — میں جلد رخصت ہوا وہاں سے کہ حقہ ایسا اٹھا لیا
دوہش کے بو لگا کہاں ہو دکھاؤں کاریگری جو اپنی — کہا تھا منکر سے میں نے اک دن ہوا تو لا آسماں ایسا

عہد اسلام و عہد انگلش میں — سنئے قول اکبر سخنگو کا
پہلے توحید تھی تو اب تحصیل — آگے مل ایک تھا اب ملے دو کا

پکالیں پیس کر دو روٹیاں تھوڑے سے جو لانا — ہماری کیا ہے اے بھائی نہ مسٹر ہیں نہ مولانا

ممکن نہیں ان کے حکم سے سر پھیروں — دل میں مرے اب تو انکا ڈر بیٹھ گیا
ان کو یہ خوشی کہ اب رہے گا یہ غلام — مجھ کو یہ خوشی کہ وقت میرا بیٹھ گیا

سنتا نہیں کچھ کسی سے بڑھ بڑھ کے سوا — کہتا نہیں کوئی کچھ بھی پڑھ پڑھ کے سوا
پڑھنے کا نہ ٹھیک اصول پڑھنے کی نہ راہ — اور قبلہ کوئی نہیں علیگڈھ کے سوا

ہر ایک کو خوش کروں میں کیونکر صاحب — اپنے ہی طرف بلاتے ہیں ہر صاحب
آسائش عمر کے لئے کافی ہے — بی بی راضی ہوں اور کلکٹر صاحب

تم نے جو سنا صحیح ہے ہاں صاحب
عربی سے گریز کرتے ہیں خاں صاحب
سچ کہتے ہیں وہ کہ ہمکو اس سے کیا کام
ہیں کمپ میں ہم تو خانساماں صاحب

اندھیر مچا ہے زیر فلک خلقت بھی ہے چپ اور راج بھی چپ
ہم دیکھ رہے ہیں آنکھوں سے پر کل بھی تھے اور آج بھی چپ
صاحبزادے نشہ میں ہیں اور بین کنور جی کی بج ٹھن
ہیں مولوی صاحب قبلہ بھی چپ اور پنڈت جی مہراج بھی چپ

سکۂ زر یا بوسہ در دھوتی زر تار داشت
با وجودش نالہائے زار در اخبار داشت
گفتمش در عین وصل ایں نالہ و فریاد چیست
گفت ما را خوف فیس و ٹیکس در ایں کار داشت

اسلام کو جو کہتے ہیں پھیلا بزور تیغ
یہ بھی کہیں گے پھیلی خدائی بزور موت

می دمد آں بت کنار گنگ ناقوس طرب
ندوۂ شیخم مگر در کمیٹی افتادہ است

در پس ہر گریہ آخر خندہ ایست
بعد ہر اسپیچ آخر چندہ ایست
یاد دار ایں قول مولانائے روم
مرد آخر بیں مبارک بندہ ایست

پشہ بیدار است و پنکھا کش بخواب افتادہ است
اکبر بیچارہ امشب در عذاب افتادہ است

زر قوم سے لیکے ایسا ساماں کرو
جس سے کہ تمہاری بزم بن جائے بہشت
حلوے مانڈے سے کام رکھو بھائی
مردہ دوزخ میں جائے یا پائے بہشت

پردہ میں ضرور ہے ملوانیت سے بے حد
انصاف پسند کو نہیں چاہیئے ہٹ
تشبیہ بری نہیں اگر میں یہ کہوں
بیگم ہے پیچواں لیڈی سگرٹ

ہر رنگ کی باتوں کا مرے دل میں ہے جھرمٹ
اجمیر میں کلچا ہوں علیگڈھ میں ہوں بسکٹ
پابند کسی مشرب و ملت کا نہیں ہوں
گھوڑا مری آزادی کا اب جاتا ہے بگٹٹ

شیطاں نے دیا یہ شیخ جی کو نوٹس
بالکل ہی گیا ہے زور اب آپ کا ٹوٹ
آیندہ پڑھیں گے آپ لاحول اگر
فوراً داغوں گا اک ڈفیمیشن[1] سوٹ

شیطاں نے سنا جو شیخ صاحب سے یہ قول
بولے کہ فضول تجھ کو آتا ہے یہ ہول
میں خود ہوں بدل گیا زمانے کے ساتھ
پڑھتی ہے مجھی پہ اب تو دنیا لاحول

[1] نالش ازالۂ حیثیت عرفی۔

حضرت اکبر سے شکریہ لطیف رم میں
شیخ جی رفرفت سے پھرتے تھے پہلے جیسے شرر

سب ہیں کچھ بہ گئے خونِ جگر کے پیکے گھونٹ
چشم بد دور اب ہے ہیں آپ کسر میٹ کے اونٹ

کودتے پھرتے ہیں یہ باغ میں ٹٹو کی طرح
ان نئی روشنی والوں سے نہیں ہے کچھ فیض
آگئی زلفِ ہمساں زلفِ بتاں پر غالب
اکبر اس عہد میں جو صبر و تحمل سے ہو کام

باغباں دبکے ہوئے بیٹھے ہیں الّو کی طرح
شب تاریک میں چمکا کریں جگنو کی طرح
پیچ ہوتے تھے ہم ابھی راستو کی طرح
اس سے بہتر ہے کہ غصہ کرو بالو کی طرح

سید کی طرف تو چندہ لانے کی ہے تیخ
بہتر ہے یہی کہ بت پرستی سیکھئے

اور شیخ کے گھر میں بھگانے کی ہے تیخ
گو اس میں بھی صبح کو نہانے کی ہے تیخ

سحر مسلم شکایت ما خدا کرد
من از بیگانگاں ہرگز نہ نالم

کہ تفسیرش ہما دیدی چہا کرد
کہ تو من انچہ کرد آں آشنا کرد

اکبر اگرچہ موسمِ باراں خوش است خوب
مجھ دود کہ گوشش بفریاد سدہ نیز

لیکن چو گوش و چشم دریں فصل وا کشید
ٹھگار سد کہ گوشہ چشمے سیا کنید

مگو بہ سیٹھ کہ او را بجز خدا نہ خواہد ماند
من ارچہ در تفکر یاد بستر مسار ستادم

بگو بہ برہمن اور ادھرم نہ خواہد ماند
رقیب نیز چنیں محترم نہ خواہد ماند

تجھ پہ ہے شۂ حقارت کی نظر
بہتر ہے یہی رہ بھر سے اکبر

پتلوں پہ غصہ و شرارت کی نظر
شاید پڑ جائے انکی رحمت کی نظر

جو دو قوم ساتھ پڑیں تو یہی مناسب ہے
جا کرے کوئی بت آکے یہ کہے مجھ سے
جو سن چکے مری غزلیں تو بولے لا چندہ

کہ اپنے گھر میں کرسمس بھی کر تو عید بھی کر
تمہارے ہی لئے گھر میں مجھے مرید بھی کر
جو ہنسایا ہے اتنا تو آج لید بھی کر

اس رت کے لئے ہے دہر میں فصل بہار
کہتا ہے اٹھا ؤ اسکو یہ ہے مرا جوش

اک تخت رواں یہ پھرتا ہے لیل و نہار
کہہ دو اکبر کہ میں فرشتہ نہ کہار

انہیں شوقِ عبادت بھی ہے اور گانے کی عادت بھی
نکلتی ہیں دعائیں اُنکے مُنہ سے ٹھمریاں ہو کر

تعلق عاشق و معشوق کا تو لطف رکھتا تھا
مزے اب وہ کہاں باقی رہے بی بی میاں ہو کر

نہ تھی مطلق توقع بل بنا کر پیش کر دو گے
مری جاں لٹ گیا میں تو تمہارا میہماں ہو کر

حقیقت میں میں بلبل ہوں مگر چارے کی خواہش میں
بنا ہوں ممبرِ کونسل یہاں مٹھو میاں ہو کر

نکالا کرتے ہیں گھر سے یہ کہکر تو تو مجنوں ہے
ستا رکھا ہے مجھ کو ساس نے لیلیٰ کی ماں ہو کر

رقیبِ سفلہ خو ٹھہرے نہ میری آہ کے آگے
بھگایا مچھروں کو اُنکے گھروں سے دھواں ہو کر

پاسے دریگون و دل در پیشواز
چند روزے باہمیں حالت بساز

سُنتا ہوں محال ہے خدائی سے گریز
لیکن کہتا تھا مجھ سے کل اک انگریز

تم مانگ لو اپنے شاعروں سے گھوڑا
فطرت کے حدود سے زیادہ ہے وہ تیز

آگے انجن کے دین ہے کیا چیز
بھینس کے آگے بین ہے کیا چیز

ہند میں شیخ رہ گیا افسوس
اونٹ گنگا میں بہہ گیا افسوس

دیکھ کر ہم کو ایسے دلدل میں
راہ چلتا بھی کہہ گیا افسوس

عاشق کا خیال ہے بہت ٹھیک معاش
ہونے نہیں دیتا حُسن سب کے راز کو فاش

کیوں وصل[۱] میں جستجو کمر کی وہ کرے
حاضر میں نہ حجت اور نہ غائب کی تلاش

بی شیخانی بھی ہیں بہت ذی ہوش
کہتی ہیں شیخ سے بجوش و خروش

خواہ لنگی ہو خواہ ہو تہمد
در عمل کوش و ہرچہ خواہی پوش

دل نے یہ کہا کہ دین کے جو نہ ہوں دوست
ہرگز رکھوں گا میں نہ ایسوں سے غرض

میں نے یہ کہا کہ خیر بہتر ہے مگر
اب شیخ کو بھی ہے چار پیسوں سے غرض

مذہب کے جو ہو رہیں تو سرکار کا خوف
مذہب سے اگر پھریں تو پھٹکار کا خوف

دونوں سے اگر بچیں تو احباب کو ہے
بے رونقی دُکان و دربار کا خوف

اونچے ہیں رذیل اور ہیں نیچے شریف
قسمت کا یہ دیکھتے ہیں اب پھیر شریف

۱؎ جب معشوق پیشِ نظر ہو وصل کے یہی معنی ہیں۔

اکبر کو یہ مجتہد نے دی خوب صلاح
جلد کیجے بھائی صاحب آمیز شریف

سب نے کہا کہ نکتہ چینی میری
سے قابل داد اگر کریں آپ انصاف
میں نے یہ کہا بجا ہے لیکن یہ بھی شش
سب بار گراں و تلخ تقصیر معاف

فرمائیں مرا قصور حضرت ہی معاف
جو امر ہے واقعی گزارش کروں صاف
انکار نہیں ثنا بدورے سے مجھے
لیکن یہ طریق اب ہے فیشن کے خلاف

عالم ہے تو کیجئے بات کا شوق
مسٹر سے تو ہو مساوات کا شوق
چکرا ہی میں آپ کو بیسار رکھوں گا
مجھکو بھی ہوا ہے اسی بات کا شوق

شمع سے تشبیہ پا سکتے ہیں یہ عیاش امیر
رات بھر گھلا کریں دن بھر رہیں بالائے طاق

ہندو تھے میں تمام کر گا سے کے سینگ
آغا گرمی دکھاتے ہیں پیچ کے سینگ
لیکن حضرت کو ہے یہ کس چیز پہ مار
کالج میں ڈسٹے ہوئے اڑاتے ہیں ڈینگ

کیسی ترقی کیسا میل
ہم سے بس لو اسکا کھیل
جسکی لاٹھی اسکی بھینس
صلح کل معقول عقل کل

انکار سے حساب دوستانہ نہیں سکتا
غلط فہمی بہت ہوتی ہے پڑتی جاتی ہے مشکل
یہ کہکر پیش کردے فرد اخراجات اے اکبر
حساب دوستاں در دل حساب خانداں در دل

کہتی ہے زراہ کر مجھ سے وہ گرل
کیا تم سے ملوں کہیں کا نہ ڈیوک نہ ارل
اکبر نے کہا دکھا کے داغ دل و اشک
ہے میری گرہ میں بھی یہ روبی یہ پرل

خوشی سے میں نے کئے یہ صفیں آم قبول
ادائے شکر میں اب ہو مرا سلام قبول
نہ میں سخن کا ہوں تاجر نہ طالب شہرت
اسی سے کرتی ہے پبلک مرا کلام قبول
زمانہ دیکھئے کہتے ہیں پنڈت اور جوتش
میاں ہماری بھی ہو جائے رام رام قبول
وعید صبح بنارس کی صبح میں ہیں بڑے
بھلا وہ کرنے لگے کیوں اودھ کی شام قبول
منشی ہو ہوں ثبت کم بس کی بول اٹھے آغا
کہ معتبر ہے ستاریم نا تمام قبول

Earl of Duke [illegible] Girl [illegible]

مسوں کے ہوتے ہوئے کیوں نہ ہو انکو میں دل دوں
ملے حلال تو پھر کیوں کروں حرام قبول

مثیر صورت مہر منیر تاباں ہوں
کریں خواص و عوام انکا احترام قبول

نہ ہو جو وہ اسکی لندن تو گھر کا ٹھرا ہو
نہیں ہے بنگ کا مجھکو تو کوئی جام قبول

سنہ ۱۸۱۷ء

اسقدر رنگ اڑا نہ سکے رنگیں اوراق
چوک میں پادری صاحب نے جو کھولی بیبل

ہنر سے اکبر نے کیا رنج نہیں کچھ اس کا
ہو گئی اب تو حقیقت میں یہ ہولی بیبل[1]

شیخ صاحب کو نہیں شاعروں کی بات سے کام
حسن کی قید نہیں بس ہے ستاہ سے کام

یاں تو برپا ہے کے افسانوں سے دل بریاں ہے
بابو ہی اچھے کہ انکو ہے فقط بھات سے کام

کہتے ہیں ہم کو جو چندہ دے مہذب ہے وہی
اُسکے افعال سے مطلب ہے نہ عادات سے کام

ماسٹر صاحب کا کلم اسوقت گو سب ہیں تمام
اہل دانش میں اگر میرا فزوں ہے احترام

بات بالکل صاف ہے پیچیدگی کچھ بھی نہیں
میں ہوں سعدی کا بھتیجا وہ ہیں ملٹن کے غلام

مذہب نے کر دیا تھا ہر اک کو غریق قوم
تجھے مبتلا سے حج و صلاۃ و زکوٰۃ و صوم

دنیا و دیں کا فیصلہ آخر کو یہ ہوا
عشق بتاں شباب میں پیری میں عشق قوم

من العلم قلیلاً کو بھی دیکھو بعد او تیتم
نہ مانو گے تو اک دن بھائیو کھاؤ گے جوتی تم

تجھکو کیا کسی کی ہوا نے فدائے گل
مجھ کو کیا کسی کی ادا نے فدائے قوم

آ عندلیب مل کے کریں آہ و زاریاں
تو ہائے گل پکار میں چلاؤں ہائے قوم

آپ کی فرقت میں میں کل رات بھر سویا نہیں
لیکن اتنی بات تھی ہمتا تار ہا رویا نہیں

نوشجاں فرمائیں حضرت شوق سے یہ ناشتا
چھ بجے ہیں میں نے تو منہ بھی ابھی دھویا نہیں

ہوسا کیسا کہ تکلوری بھی نہیں پاتا ہوں
بس کلام اپنا انھیں جا کے سنا آتا ہوں

وہ یہ فرماتے ہیں کیا خوب کہا ہے واللہ
میں یہ کہتا ہوں کہ آداب بجا لاتا ہوں

ہم کیا حشا لی ہوائی گولا چھوڑیں
کس جوگ کے بل پر اپنا چولا چھوڑیں

[1] انجیل مقدس

حسرت سے تو چھاونی میں دیکھی ہے دُکاں دُ
ہم کیوں اپنا محلہ تُوا چھوڑیں

خلاف شرع کبھی شیخ تھوکتا بھی نہیں
مگر اندھیرے اُجالے یہ چوکتا بھی نہیں

سوپ کا شایق ہوں یخنی ہوگی کیا
چاہیے کٹلٹ یہ قیمہ کیا کروں

لیتھبرج کی چاہیے ریڈر مجھے
شیخ سعدی کی کریما کیا کروں

کھینچتے ہیں ہر طرف تانیں حریف
پھر میں اپنے سُر کو دھیما کیا کروں

ڈاکٹر سے دوستی لڑنے سے بیر
پھر میں اپنا جان بیما کیا کروں

جام میں آیا لطیفہ قارِ مہیب
ہائے اسے اے ماہ سیما کیا کروں

رو رہا ہے شہر میں طاعون چارہ کیا کروں
لاٹ صاحب تک ہیں چپ پھر میں بچارا کیا کروں

نیچری وعظ مہذب کو لئے پھرتے ہیں
شیخ صاحب ہیں کہ مذہب کو لئے پھرتے ہیں

ہمکو اِن تلخ مباحث سے سروکار نہیں
ہم تو اک شوخ شکر لب کو لئے پھرتے ہیں

سب سودا اشعار اور کسب ہوتے ہیں
مفلس سے کہاں وہ ملتفت ہوتے ہیں

کر ہیچ تو عشق کے اکھاڑے میں ہزار
یہ مت تو نہ زور زر ہی چت ہوتے ہیں

سچ کہا اکبر نے ہاتھا پائی کا ہے کیا علاج
زورِ مطلق سے تو ممکن ہے انہیں ساکت کریں

بدگماں سرگرم ہوں وہ ہم جو انکو چت کریں
ہے فقط یہ مدعا ان کی کمر شامت کریں

شیخ جی دریوتھے انکی طبع میں حدت کہاں
مغربی جوہر مگر ملغم کو چاہیں پت کریں

جینکوں دُنیا سے کس طرح میں
عورت نے کہا کہ گود میں ہوں

قومی چندے کدھر سمائیں
کالج نے کہا کہ توند میں ہوں

ماشاء اللہ وہ ڈِنر کھاتے ہیں
بنگالی بھائی اُنکا سر کھاتے ہیں

بس ہم ہیں خدا کے بیکسے اکبر
انکی گاتے ہیں اپنے گھر کھاتے ہیں

یورپ والے جو چاہیں دل میں بھر دیں
جسکے سر پر جو چاہیں تہمت دھر دیں

بچتے رہو انکی تیزیوں سے اکبر
تم کیا ہو خدا کے تین ٹکڑے کر دیں

سلہ انگریزی شوربا - سلہ انگریزی کباب

کوٹھی میں جمع ہے نہ ڈپازٹ ہے بنکس[1] میں
قلاش کر دیا مجھے دو چار تھینکس[2] میں

لذت چاہو تو وصل معشوق کہاں
شوکت چاہو تو زر کا صندوق کہاں
کہتا ہے یہ دل کہ خودکشی کی ٹھہرے
خیر اسکو بھی مان لیں تو بندوق کہاں

شبوں میں کورس دن میں فارمولا[3] ورک کرتے ہیں
عدیم الفرصتی سے اب کی الفت ترک کرتے ہیں

آپ کی صورت بہت اچھی ہے اسمیں شک نہیں
پھر مجھے کیا۔ ذہن میں اسکا جواب اب تک نہیں
مجھ سے آخر آپ کو کیوں اسقدر وحشت یہ خوف
آپ بنگالی نہیں ہیں اور میں ازبک نہیں

گو کہ وہ کہلاتے پڑنگ اور کیک ہیں
پھر بھی سیدھے ہیں نہایت نیک ہیں
جب میں کہتا ہوں کہ گیو می کس ڈیر[4]
سر جھکا کر کہتے یو می ٹیک[5] ہیں

تن رہے ہیں آپ فکرِ جاہ کے پتلون میں
میں گھلا جاتا ہوں فکر رزق کی افیون میں

حال دنیا سے بے خبر ہیں آپ
گو کہ فرس ماک بیتک ہیں
شیخ جی پر یہ قول صادق ہے
چاہ زمزم کے آپ مینڈک ہیں
شیخ جی کو جو آگیا غصہ
لگے کہنے یہ پھینک کر دستا
تم ہو شیطان کے مطیع و مرید
تم کو ہر ایک جانتا ہے پلید
ہے تمہاری نمود بس اتنی
جس طرح ہو پڑی پریڈ پہ لید

کل مستِ عیش و ناز تھے ہوٹل کے ہال میں
اب ہائے ہائے کر رہے ہیں اسپتال میں
دنیا اسے قرار دو اور آخرت یہ ہے
سن لو کہ ساز معنی اکبر کی گت یہ ہے

سنا کے مصرع یہ شیخ صاحب بہت زیادہ ہنسا چکے ہیں
ہماری گردن وہ کیوں نہ ماریں جو ناک اپنی کٹا چکے ہیں

رقیبوں نے رپٹ لکھوائی ہے جا جا کے تھانے میں
کہ **اکبر** نام لیتا ہے خدا کا اس زمانے میں

مے کی طرف سے معذرت

قسمت وہ کہاں کہ اب وہ تقسیم نہیں
کیونکر وہ اثر ہو جب وہ تعلیم نہیں
لغزش پہ مری برا نہ مانو لے شیخ
وہسکی کی ہے لہر موج تسنیم نہیں

[1] Banks [2] Thanks [3] انگریزی حساب کالج میں جسکی تعلیم ہوتی ہے [4] ive me kiss dear یعنی پیاری مجھکو بوسہ دو [5] You may take یعنی آپ لے سکتے ہیں۔

مچھروں نے سخت ستایا رات
میں نے کوسا کہ ہو تمہیں طاعون
بولے اُس کا ہمارا منبع ایک
کیوں وہ کرنے لگا ہمارا خون

گئے کل حافظ محمد حسین
تو مہدی سے بولے یہ حامی ملل
کہ کر دیجئے اُن کی دعوت ضرور
وہ ہیں صاحب دانش و علم و فن
وہ ہیں مولوی آپ بھی مولوی
ذرا دیکھ لیں رونقِ انجمن
وہ بولے مرا اُنکا کیا جوڑ ہے
میں گلڈنگ[۱] ہوں وہ ہیں اسٹیلین[۲]

وہ لطف اب ہندو و مسلماں میں کہاں
اغیار ان پہ گذرتے ہیں خندہ زناں
جھگڑا کبھی گائے کا زباں کی کبھی بحث
ہے سخت مضر یہ نسخۂ گاؤ زباں

چندوں ہی کے سوجھتے ہیں اُنکو مضموں
دل شاد ہو اس سے قوم یا ہو محزوں
لڑکے انہیں دیکھکر مچاتے ہیں دھوم
یہ ہیں نئی روشنی کے چندا ماموں

اعزاز سب کے مٹتے جاتے ہیں نشاں
اگلے سے خیال ہند میں اب وہ کہاں
سیّد ہو تو ہو مسٹر سیّد
مولا ہو حالی تو تم ہو انگریزی خواں

متفرق شعر یا قطعہ نہیں ہے

پردہ اُٹھتا ہے ترقی کے یہ سامان تو ہیں
حوریں کالج میں پہونچ جائینگی غلماں تو ہیں
کٹ گئی ناک حرم میں تو نہیں کچھ پروا
تھینک یو ویری سننے کے لئے کان تو ہیں
حاسدان آگے بڑھا کر مری باتوں پہ کہا
آپ کیوں جان مری کھاتے ہیں یاں تو ہیں
اُن سے ملنے میں ہے ایمان کا نقصان اکبر
خیر جو کچھ ہو نکلتے مرے ارمان تو ہیں

وہ ایسی ریش والے کو بھلا کب پان دیتے ہیں
جناب شیخ ناحق اس ہوس میں جان دیتے ہیں

کیوں کرتا ہے اعتراض بے شرم
اُنکا جو میں ہمزباں نہیں ہوں
گو ہوں بڑی روشنی کا شیدا
گو میں شرعی جواں نہیں ہوں
کرتا نہیں لیک اُس کی ظلمت
اُنکا احسان داں نہیں ہوں

[۱] Gelding [۲] Stallion

کرتا نہیں قوم پر اُسے پیش ۔۔۔ عیاش ہوں قلتباں نہیں ہوں

فخریہ میرے سامنے جو اشعار پڑھے سعدی کے ۔۔۔ فخریہ آپ سنانے لگے نظمِ ملٹن
شیخ سعدی تو بزرگوں میں سے تھے اے دوست ۔۔۔ آپ کے کون تھے ملٹن یہ سنوں حضرتِ من

بولے جاڑوں میں لالہ گنگا دین ۔۔۔ دھوپ سے مجھکو ہوتی ہے تسکین
ڈاڑھی سورج کی تھام لیتا ہوں ۔۔۔ مدعا یہ کہ گھام لیتا ہوں

مذہب نے پکارا اے **اکبر** اللہ نہیں تو کچھ بھی نہیں ۔۔۔ یاروں نے کہا یہ قول غلط تنخواہ نہیں تو کچھ بھی نہیں
ہر بات پہ تم قسمیں کھاتا جب یاد کریں راجہ صاحب ۔۔۔ دربار اودھر میں اے **اکبر** واللہ نہیں تو کچھ بھی نہیں
ملنے کا کسی سے ہے یہ مزا اک جوشِ طبیعت ہو پیدا ۔۔۔ اُس بزم میں میرے پہنچنے پر اتناہ نہیں تو کچھ بھی نہیں

تھا تصور رہا اک آزادیِ رندانہ ہوں ۔۔۔ لیکن اب بالکل اسیر انتظامِ خانہ ہوں
پہلے تھا اُس بُت کے گرد اب ساتھ ہے بچوں کی فوج ۔۔۔ عشق میں دیوانہ تھا اب فکر میں دیوانہ ہوں

ہم ایسی کل کتابیں قابلِ ضبطی سمجھتے ہیں ۔۔۔ کہ جنکو پڑھ کے لڑکے باپ کو خبطی سمجھتے ہیں

مذہب نے کہا کہ جان سے عاری ہیں ۔۔۔ آپس ہی کے لوگ باعثِ خواری ہیں
گویا قزاق تھے ہوئے ہیں اب اسیر ۔۔۔ اپنوں ہی میں کچھ گداہ سرکاری ہیں

حیراں ہیں اس زمانے میں ہم جی کے کیا کریں ۔۔۔ جائز سہی شراب مگر پی کے کیا کریں
تعلیم اونچے درجے کی ہوتی نہیں نصیب ۔۔۔ پھر گھر میں بیٹھکر بجز اے بی کے کیا کریں

شیخ کی وہ دھج نہیں وہ شیخ کی ڈاڑھی نہیں ۔۔۔ دوستی مذہب سے ہے پر اسقدر گاڑھی نہیں

اکبر مجھے شک نہیں تری تیزی میں ۔۔۔ اور تیرے بیاں کی دلآویزی میں
شیطان عربی سے ہند میں ہے بیخ تن ۔۔۔ لاحول کا ترجمہ کر انگریزی میں

ہیں عمل اچھے مگر دروازۂ جنت سے ہے بند ۔۔۔ گر سپ چلتے ہیں پاس لیکن نوکری ملتی نہیں

گورنمنٹ کی خیر یارو مناؤ ۔۔۔ گلے میں جو اُتریں وہ تانیں اُڑاؤ
کہاں ایسی آزادیاں تھیں میسر ۔۔۔ انا الحق کہو اور پھانسی نہ پاؤ

شیخ اس درجہ اناڑی ہے جو گھوڑے پہ چڑھے
لات دنیا پہ نہ ماروا کبھی اے حضرت شیخ

ناک گردن میں رکاب آ کے پھنسی ران میں ہو
ٹھیکیں کر لو ذرا ورنہ تو کچھ ران میں ہو

شوق لیلائے سول سروس نے مجھ مجنوں کو
جامۂ ہستی کے ٹکڑے اُڑ رہے ہیں سرج میں

اتنا دوڑایا لنگوٹی کر دیا پتلون کو
پھینکئے اس کوٹ کو تہ کیجئے پتلون کو

دنیا تو سبھی طریق سے منہ موڑو
بھوکے سے کہو کہ مذاہب میں رہو

شیرازہ مذہبی لغت کا توڑو
آشنوں سے کہو کہ قل ہو اللہ چھوڑو

فقط مذہب سے تم میں جرأت و وقعت کی ہے یہ بو

وگرنہ اور کیا نسبت کہاں ولیم کہاں کلّو

بے صبر ہو کر جو میٹھو طعنۂ حالی سنو
ہمکو تو پیر طریقت نے یہی دی ہے صلاح

باہر ہو کر جو ہمکو قوم سے گالی سنو
قصۂ منصور دیکھو اور قوالی سنو

اونٹ نے گالیوں کی صد پر شیر کو ساتھی کیا
مس پہ رکھا چاہتے ہو تاقی اپنی دسترس

پھر تو میدک سے بھی مدرسے نے پایا اونٹ کو
منہ میں ہاتھی کے کبھی لے کھائی وہ گنا نہ دو

تکلفات سے للہ اب یا سر نہ پھیر اؤ
مجھے بھی چکھو گے کیا رکھ کے خوانِ نعمت پر

جو دال روٹی ہو موجود وقت پر وہ کھلاؤ
کباب کرتا ہے اس مجھکو آنکھ اور پلاؤ

نیکی کے حق میں کچھ ادائی نہ کرو
میٹھو بھی رہو گے اور مرو گے بھی ضرور

اللہ کے ساتھ لے وعائی نہ کرو
کہتا ہوں کہ دعوی جدائی نہ کرو

صاحب سے اذن لیکے کروں گا میں عشق چشم

لیسنس ہے ضرور ہرن کے شکار کو

جب پڑی قومی مصیبت تو کسی نے کیا کیا
ہاں جو شاعر تھے انھوں نے نالۂ موزوں کے ساتھ

سب ہوئے انگلینڈ غلامِ حکومت سے تہی یا
داغِ دل کو آسمانِ نظم پر چمکا دیا

پیتا ہوں شراب آبِ زمزم کے ساتھ
ہے عشقِ حقیقی و مجازی دونوں

رکھتا ہوں اک آدمی بھی غم غم کے ساتھ
قرآں کی بھی صدا ہے چھم چھم کے ساتھ

قوم سے سنت کی سفارش کیا کروں

نیک کو شیطان کر دیتی ہے یہ

ایک جوہر ہے فقط اس میں مفید

غزل میری سنتے نہیں شیخ جی
تکلف کے پکوان میں دن ڈھلا
اضافہ ہوئی مجھ سے گندم پہ مے
یہ تھی قیمتِ رزق ٹوٹے جو دانت

پیارا ہے ہمکو۔ شیخ ہمارا بُرا سہی
اکبر کا نغمہ قوم کے حق میں مفید ہے

رہا کرتا ہے مرغِ تمنا کی
چھری سے اُسکی کٹوا کر فلک نے

ابھی انجن گیا ہے اسٹرٹ سے
رہی رات ایشیا غفلت میں سوتے

ہے عجب انقلاب دنیا میں
اب وہ تسبیح پر بجائے درود

ہوئی جب آمدِ پیری ہوا میں سر کہ پیشانی
سوال اب یہ عبث ہے جب ہے پتلونوں کی ارزانی

کچھ سین خوش آتے ہیں نہ بھاتے ہیں سر جی
سنتا نہیں لکچر ہیں پڑا رہتا ہوں دن رات

کلب میں محروم ہوں میں لطفِ خاطر خواہ سے

نج مغرب سیکھ کر دیکھا تو یہ کافور تھی

علم پر بھی عشق کی تاثیر آخر پڑ گئی
صل کی شب میں مجھے اُس بت سے لڑائی[۳] تھی نہاں

خودکشی آسان کردیتی ہے یہ

تقدس کی بھی انتہا ہوگئی
ہماری تو پوری سزا ہوگئی
یہ پوستے سے بھی اک خطا ہوگئی
غرض کوڑی کوڑی ادا ہوگئی

ہیا تو ولایتی نہیں دیسی ٹھرا سہی
دل کو تو گرم رکھتا ہے وہ بے سرا سہی

نئی تہذیب کے انڈے ہیں عنا کی
خدا جانے ہماری ناک کیا کی

کئے دیتی ہے تاریکی ہوا کی
تنزل یورپ کی کام اپنا کیا کی

کیا کہوں بات بھائی صاحب کی
پڑھ رہے ہیں ڈنائی صاحب کی

ترش روئی کی چٹنی جو بڑے ہے ڈاڑھی ہو جب کھچڑی
چو کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی

میں ترقی[۱] کا طالب ہوں نہ خواہاں اثر جی[۲]
لگتا ہے فقط لیڈیوں میں وقت ذر جی

آگیا ہوں تنگ مذہب کی معاذ اللہ سے

اب میں سمجھا واقعی ڈاڑھی خدا کا نور تھی

تخلئے کی بات پبلک کے دلوں میں گر گئی
یہ اثر اُسکا ہوا اُردو سے ہندی لڑ گئی

سرگرمی۔ [۲] سعی کی کوشش [۳] یعنی عربی فارسی کے الفاظ داخل کردئے گئے

سائنس سے زیادہ ہے مذہب کی جڑ بڑی
بالو یہ کہتے ہیں کہ دھرم جیت جائے گا
توپوں کی مار سے بھی خدا کی پکڑ بڑی
اسوقت گو فلک سے بلا ہی سے گر پڑی

کچہریوں میں ہے پرستش گریجویٹوں کی
نہیں ہے قدر تو بس علم دین و تقوی کی
سڑک پہ مانگ ہے قلیوں کی اور مٹیوں کی
خرابی ہے تو فقط شیخ جی کے بیٹوں کی

مقصود ہے شغل کوئی مصرف ہی سہی
ہنگامۂ موت بھی ہے اک جشن اکبر
پیمانہ سے نہیں تو ایمون سہی
گر جنگ نہیں تو خیر طاعون سہی

لذت نان جویں تجھکو مبارک اے شیخ
حسرت خشکہ مجھکو دلا دیں اکبر
مجھ گنہگار کو ہے صرف تسمن کافی
رہنمائی کے لئے ہے مجھے انجن کافی

دہشت نئی روشنی سے آخر کو گھٹی
کرکٹ جمناسٹک ٹریننگ کالج
فکر روزی میں شیخ کی طبع ڈٹی
مولانا سیکھتے ہیں بامعمل نٹی

اسوقت کی بحث میں تم جو بہ مدد لڑکے سوگے ساتھی
یہ اپنا کھوں وہ تمکو دینگے نہ پی پوری او بانٹ دینگے
مگر وہ رہتے ہیں دور تم سے یہ لوگ سالتی یہاں ہیں ریڈو سی
ہرل کو اپنی جو چھوڑ کر تم انھیں کی شرکت کرو دلوں میں
یہ ہوگی حکام کو بھی دقت جو ہوگی اس چاہ کی کچھ اہمیت
جو مانگو گے لیک پھل سلم وہ کاٹ کر ایک پھانک دینگے

ولایت صاحب حلال نکلے یہ راہ جی سے ملیگا ہاتھی
پڑیگا موقع جو کوئی آکر تو دونوں ہی تمکو چھانٹ دینگے
ملے جلے ہیں سوسائٹی میں اہیر ایسی تو ہم میں گھوسے
تو یہ تو کوئی نہ کہہ سکیگا تمہارے دشمن کہاں نقل ہیں
ضرورت انکو بھی یہ ہوگی کریں ہر اک سے علحدہ نوش
چھاڑو نگے پھیر ہی کسے تو سب کو وہ ایک لاٹھی سے ہانک دینگے

انکے وستہ نازمیں سے پائی تیغ
اب کہاں باقی ہے ہم میں پانٹی

آخر کو ہوئی وہ مات جو ہونی تھی ہوئی
مذہب مٹی ہے ہا ہے مٹی ڈھونڈی

جو چست تھے ہوگئے ہیں وہ شتر حلیم
جو تیز تھے سنکے ہیں پولو پولی

مذہب اور مولوی یہ گالی ہوئی
دروازۂ معنی ہے بہر کیوں بند
اسپیچ پہ انجمن میں تالی ہوئی
ہر بات تو اے جناب عالی ہوئی

Tea of جاے کلے Piety تقریر

سنئے جناب اُردو و ہندی — میں یہ سمجھا یہ عالم رندی
یعنی ہے اسمیں لطف وصل بتاں — خوب ملکر لڑی زباں سے زباں

اخلاق نکو و خوش تمیزی نہ سہی — القاب حبیبی و عزیزی نہ سہی
میٹھے پانی سے ہے زبان شیریں کا کام — جاں بخش حرارت غریزی نہ سہی

بھائی مجھے کل یہ بات پتّی کی — تفریق اُڑادو شیعہ و سُنّی کی
جیسا موقع ہو بس بٹھا دو وہ نگیں — ہیرے کی نہ شرط ہو نہ صندچی کی

ملتا نہیں گوشت خیر بڑی ہی سہی — کچھ کھیل ضرور ہے پھسڈی ہی سہی
موقع جو پڑے پر قواعد کا نہیں — چندہ تحصیل کر کوڑی ہی سہی

واہ کیا دھج ہے میرے بھولے کی — شکل کوئلے کی ہیٹ سولے کی

مری فغاں پہ مس ناشناس بول اُٹھی — کہ بابوؤں میں تو عادت ہے غل مچانے کی
بجائیں شوق سے ناقوس برہمن اکبر — یہاں تو شیخ کو دھن ہے بگل بجانے کی

کوئی شورش نہیں ہے ہر طرح سے خیر سلا ہے — نہ سرگرمی پولس کی ہے نہ جاری مارشلا ہے
یہ کلکتہ[1] کی شوخی اور یہ ڈھاکہ[2] کی ادا سمجھی — وہ اک فرشی کیڈی ہے یہ لفظی گیند بلا ہے
یہ دیسی ورزشیں ہیں مغربی جمناسٹک ہے وہ — نئے سن کی طنابیں ہیں کرسمس کا پچھلا ہے

مہمان فلک کہاں سکون پاتا ہے — آسودہ جو ہیں انھیں بھی ٹہلاتا ہے
ہے ہضم کی فکر میں یہ نقل و حرکت — ظاہر ہے صریح پیٹ دوڑاتا ہے

در پر مظلوم اک پڑا روتا ہے — بیچارہ بلا میں مبتلا روتا ہے
کہتا ہے وہ شوخ تال سم ٹھیک نہیں — کیا اسکی سنوں کہ بے سُرا روتا ہے

نہ وہ وضعیں نہ وہ رسمیں نہ چٹیا ہے نہ لٹیا ہے — مگر ہیں محنتی کوئی قلی ہے کوئی ٹٹیا ہے

اٹھا تو تھا ولولہ یہ دل میں کہ صرف یادِ خدا کرینگے — معاً اگر یہ خیال آیا ملی نہ روٹی تو کیا کرینگے
کہاں کے قبلہ کہاں کے قبلی جنید کیسے کہاں کے شبلی — عوض تصوف کے ہمنے طب لی بنینگے سرجن مزا کرینگے

[1] کانگرس [2] کانفرنس

اصل سے بھی پھر ہونگے خائف مرض سے اپنے ہونگے دفع
اثر کرے گی ہوا مخالف تو آپ اپنی دوا کرینگے

پوچھا میں نے کہ تیرا مذہب کیا ہے
کہنے لگا اس سے تیرا مطلب کیا ہے
میں نے یہ کہا کہ حال مدعی کے لئے
بولا کہ شکست کھا چکے اب کیا ہے

اپنی گرہ سے کچھ نہ مجھے آپ دیجئے
اخبار میں تو نام مرا چھاپ دیجئے

دیکھو جسے وہ پانیر آفس میں ہے ڈٹا
بہر خدا مجھے بھی کہیں چھاپ دیجئے

چشم جہاں سے حالت اصلی چھپی نہیں
اخبار میں جو چاہئے وہ چھاپ دیجئے

دعویٰ بہت بڑا ہے ریاضی میں آپکو
طول شب فراق کو تو ناپ دیجئے

سنتے نہیں ہیں شیخ نئی روشنی کی بات
انجن کی انکے کان میں اب بھاپ دیجئے

اس بت کے در پہ غیر سے اکبر نے کہدیا
زر ہی میں دینے لایا ہوں جان آپ دیجئے

شیخ صاحب دیکھکر اس مس کو ساکت ہوگئے
ماسٹر صاحب بہت کمزور تھے چت ہوگئے

نہ کچھ انتظار گزٹ کیجئے
جو افسر کہے بس وہ جھٹ کیجئے

بہت بھاتی ہے اک بیوی مجھے
دعا ہے کہ لڑکی یہ پٹ کیجئے

کہاں کا حلال اور کیسا حرام
جو صاحب کھلائیں وہ چٹ کیجئے

سکھاتے ہیں تقلید انگلش جو آپ
کہیں مسلموں کو نہ پٹ کیجئے

بگڑ جائے گا سیم سے سارا کھیل
بس ان لغتوں پر نہ ہٹ کیجئے

بہت شوق انگیز پیسے کا ہے
تو چہرے پہ اپنے گلٹ کیجئے

اجل آئی اکبر گیا وقت ہٹ
اب اللہ کہئے اور دم سٹ کیجئے

نہایت حکمت آگیں آپ کی اسپیچ ہوتی ہے
مرا شربت کا دیباچہ ہے گو وہ پیچ ہوتی ہے

سبق آپ کی بے شست بدن آپ کا بیچ ہے
شاید پہلی بیگم سے کسی بات یہ ہیچ ہے

پہنو نچا میں فلک پر جو نظر تم سے ملائی
شاید کہ میں بیکل ہوں نظر آپ کی کج ہے

اس پینے شمع حسن کی وہ خیر مینائیں
عشاق کی کثرت سے کہ یہ فوج کج ہے

لہ If اگر لہ But لیکن

جز ئے کو سدھارے ہوئے مدت ہوئی اکبر	البتہ علیگڑھ کی لگی ایک یہ پخ ہے
رندی و شراب و بزم شاہد بھی ہے	منطق بھی ہے دلیل ملحد بھی ہے
لیکن قربانِ حکمتِ پیرِ مغاں ؔ	دو مولوی بھی ہیں ایک مسجد بھی ہے
دھن نوکری کی ہے نہ پری ہے نہ حور ہے	اب فکر بس اُن کی ہے قیامت تو دور ہے
آئین بھی بدلتے ہیں نیت کے ساتھ روز	امید بے اصول سے اب دل نفور ہے
دن تو جنات کی خدمت میں بسر ہوتا ہے	رات پریوں کی خوشامد میں گزر جاتی ہے
ساعتِ رسپکٹ کا وقت آئے کہاں سے اکبر	دیکھ تو غور سے دنیا کو کدھر جاتی ہے
نوکروں پر جو گذرتی ہے مجھے معلوم ہے	بس کرم کیجئے مجھے بیکار رہنے دیجئے
راہ میں لیسنس ہی کافی ہے عزت کے لئے	بس یہی لے لیجئے تلوار رہنے دیجئے
ڈاکٹر صاحب سے ملنا آپ کا اچھا نہیں	بیٹھے گھر میں مجھے بیمار رہنے دیجئے
تیزئ مے کا اثر تھا نزع کی آمد نہ تھی	خیر اُٹھئے توبہ استغفار رہنے دیجئے
کامیابی کا شدیسی پر ہر اک در بستہ ہے	چھ پنچ طوطا رام نے کھولی مگر پربستہ ہے

مقام آگرہ

شومیکری شروع جو کی اک عزیز نے	جو سلسلہ ملاتے تھے بھرام گور سے
پوچھا کہ بھائی تم تو تھے تلوار کے دھنی	مورث تمہارے آئے تھے غزنین و غور سے
کہنے لگے ہے اسمیں بھی اک بات نوک کی	روٹی اب ہم کماتے ہیں جوتے کے زور سے
موکل چھٹے اُنکے پیچھے سے جب	تو بس قوم مرحوم کے سر ہوئے
پپیہے پکارا کئے (P) پی کہاں	مگر وہ پلیڈر سے لیڈر ہوئے
پردے کے واسطے تو عبث بیقرار ہے	پردہ دروں کا راز تو خود آشکار ہے
آغا تقی ہیں حسن نہ اب وہ سنگار ہے	پردہ اُٹھاکے دیکھو تو کوا اگھار ہے
نزاد ایسے بیخبر ہیں ابروئے خمدار سے	جسطرح بابو کو ہے بیگانگت تلوار سے

پریوں کا شوق ہے تمہیں سکر جو رہے
کالج سے ہے نجات تو ذکرِ حضور سے

بابو صاحب نے کہا اک بات ہے میرا کلام
اسمیں کیا شک ہے مگر یہ نوع شالامار ہے

سوئے فلک چلے جو غبارے میں بیٹھکر
سنہ حاسدوں کے حسد و غیرت سے مڑ چلے
احباب نے کہا کہ مبارک ہو یہ عروج
شکر خدا کہ آپ تو یہ بابو بھی اُڑ چلے

سینہ مس کا اُبھارا ہے دل فساد انگیز ہے
لوگ سچ کہتے ہیں بد سجاں ماد انگیز ہے
عدل انگلش بس ہے تو بیدار ہی ہے شیخ کو
بابوؤں کی شورش الحاد انگیز ہے
علم کی حد تک عقیدے سید یقیں کے ساتھ ہیں
اُنکے آگے کی ہوس صرف اعتقاد انگیز ہے

شیخ جی گھر سے نہ نکلے اور مجھ سے کہدیا
آپ بی اے پاس ہیں اور بندہ بی بی پاس ہے

ممکن نہیں اے مس ترا نوٹس نہ لیا جائے
گال ایسے پر پرادہوں اور کس نہ لیا جائے

لندن میں بگڑ جاؤگے وسواس یہی ہے کاکا
تم پاس رہو میرے بڑا پاس یہی ہے

سراک بر مارک آپ کا عقرب کا نیش ہے
مجھکو بھی رنج غیر کا سینہ بھی ریش ہے
مجھسے کہا کہ گور فشتر سے ہے ا سحن
اُس سے یہ کہدیا کہ تو گور کیش ہے

یاروں کو فکر دورِ حرا کچھ نہیں رہی
بس کام ہے اُنھیں رو عیش و نشاط سے
کہتے ہیں حرج کیا ہے جو باریک ہے وہ پل
بائیسکل پہ گذرینگے ہم پل صراط سے

خلقت اسی سمت صف بصف جاتی ہے
باجو و رباب و چنگ و دف جاتی ہے
بے نور خدا بھی طالب رزق کا دوست
ڈاڑھی بھی تو پیٹ کی طرف جاتی ہے

کچھ شک نہیں کہ حضرت واعظ ہیں جو شخص
یہ اور بات ہے کہ ذرا بیوقوف ہیں

اُردو کے تمنا ربع کے مالک ہیں خود بخود
پھر کیا سبب جو اس سے انہیں انحراف ہے
یعنی اردو سے جیب انکیں کے مذاق کی ذ
اُردو کی تیں حرف ہی صاف صاف ہے

دوست بھی نہیں سمجھے اکبر
سن لے یہ بات گر تجھے شک ہے
تسبیح سے چھوڑے اُلجھے الحن میں
اُسمیں تک کم تھی اسمیں ٹک ٹک ہے

ہر چند کہ جذبۂ اعتقاد اب تک ہے
تاہم لیجیے یا وقت دل میں شک ہے

بیٹھے تو بہت ہی سر جھکا کر ہیں حضور
کیا جانے مراقبہ ہے یا پینک ہے

کی ہے مسند سے نے کمیٹی پیٹ ہیں
باقی ابھی ہر رگ کے اندر کھٹک ہے

حضرت تو لد ہیں تمسد را انجمن
دم بدم انکی بھی اک تحریک ہے

تیرے قدم سے رونق شہر پراگ ہے
یعنی ترے ہی دم سے بتوں کا سہاگ ہے

بھڑکی ہے دل کی آگ گوالن کے عشق میں
احباب ہنستے ہیں کہ یہ کنڈے کی آگ ہے

سب سمجھتے ہیں کہ یہ عشق بتاں اک روگ ہے
لیکن اسکو کیا کریں ملتا جو من بھوگ ہے

شاہدانِ مغربی کرتے نہیں مجھکو قبول
ٹال دیتے ہیں یہ کہکر آپ کالا لوگ ہے

دیکھوں عروس دہر کو کیوں آنکھ کھول کے
بہتر یہی ہے کام نکالوں ٹٹول کے

جو مرد ہیں وہ پاک ہیں دنیا کے میل سے
سچ ہے تثلیث ملتے ہیں ایسی چڑیل سے

چہرے کے نیچے تھر ہے ڈاڑھی کا جھول جھال
اس فرد کو بچا لیے تفصیل ذیل سے

جب کہا گیسو کا بوسہ دیجیے دل لیجیے
ہنس کے بولے آپ کو سودا ہے مسہل لیجیے

دل میں جو پڑ گئی ہے گرہ کھول ڈالیے
اک دم میں کل متاعِ سخن تول ڈالیے

ترکیب ہے ترقی اردو کی بس یہ خوب
جو آپ بول سکتے ہیں سب بول ڈالیے

واہ اکبر بس معتسیم کول ہو کر رہ گئے
خود فروشی کی نہیں انمول ہو کر رہ گئے

عرض و طول ہند میں کتنے نہ دوڑائے خطوط
دل کشی مرکز میں پائی گول ہو کر رہ گئے

ہم سے شب وصال وہ بے میل ہو گئے
افسوس انٹرنس میں ہم فیل ہو گئے

درگاہ کے چراغ کو چھوڑا برائے لمپ
سب کی نظریں گھی سے گا تیل ہو گئے

بوڑھوں نے پہلے لڑکوں کو خود ہی بنایا کھیل
انکی نظر میں آپ ہی اب کھیل ہو گئے

اے شیخ جب تکمیل نہیں دستِ قوم میں
پھر کیا خوشی جو اونٹ ترے ریل ہو گئے

ہم بھی کلیل کرنے لگے گاسے کی طرح
اس ناکس میں بھی حضرتِ گو کھیل ہو گئے

[1] قواعد

میں نے جو کہا کل انتظام آپ کا ہے — سے فائدہ آپ کا یہ کام آپ کا ہے
کہنے لگے مسکرا کے یہ سب ہے صحیح — لیکن جو تِس بڑھنے کا کام آپ کا ہے

وہ ہے جسکی نظر سے بالکل گم ہے — گویا میں کہوں وہ داخل مردم ہے
شایستہ جو ہو تو اسکو بیٹی سمجھو — ایسا جو نہ ہو تو اک جرنے دم ہے

(آیندہ اُردو زبان کا نمونہ)

بابو جی کا وہ شت ہوا ہو کر — فیر اُس کو پیام دیتا ہے
بابو کہتے ہیں وہ نہ جائے گا — بیرے انڈرجی کا م دیتا ہے

واسطہ کم ہو گیا اسلام کے قانون سے — دب گئی آخر مسلمانی مری تیکون سے

اب کہاں تک تنگ سے بیں صرف ایمان لیجیے — تاکہ عشق بتاں سُست بیاں کیجیے
ہے یہی بہتر علیگڈھ جا کے سید سے کہوں — مجھ سے چیدہ لیجیے مجھ کو مسلماں کیجیے

جب انگلا کورس جارح ہو گیا تعلیم طفلاں سے — تو اب اعراض ہم کیونکر کریں تعلیم نسواں سے

انکو کیا کام ہے مروت سے — اپنے رخ سے یہ منہ نہ موڑینگے
جان شاید فرشتے چھوڑ بھی دیں — ڈاکٹر فیس کو نہ چھوڑینگے

اس اکھاڑے میں اڑ گئے دیکھکر قانون کے — شیخ نے تمدن سے ہجرت کی طرف تیکون کے

ہیں کچھ گفتگو اسمیں یقیناً سیر ہیں حسرت — بس اتنی بحث باقی ہے پھنسیا ہے کہ آئین ہے
چمک تیتوں کی ہاتھوں کی صفائی واہ کیا کہنا — مگر یہ دیکھ تو گنھاریہ کا ہے کہ گردن ہے
مدار کار جب ہو اتفاق و عقل و حکمت پر — تو اس سے جو کرے غفلت وہ اپنا آپ دشمن ہے

راہ تو مجھ کو بتا دی حضرت نے — اونٹ کا لیکن کرایہ کون دے

اب تو جا کر ایشیائی کھا لیو — نیند میں غفلت کی صدیوں سو لئے
ہوشیار کہ جتنے حضرات نھیں — ہم تو اب انکے کے پیچھے ہو لئے
اب تھیٹر میں ملینگے جا کے جو — خانقاہوں میں تو برسوں رو لئے

ہوتا ہے نفخ یورپ میں نان پاؤ سے
میں خوش ہوں ایشیا کے خیالی پلاؤ سے
ایمان بیچنے پہ ہیں اب سب تلے ہوئے
لیکن خرید ہو جو علیگڈھ کے بھاؤ سے
دھمکا کے بوسہ لونگا رخ رشک ماہ کا
چندہ وصول ہوتا ہے صاحب دباؤ سے

چیٹھی اُس مس کی ہے کہ یہ جادو ہے
دل جوش مفاخرت سے بے قابو ہے
ایسی پری اور مجھ کو پیارا لکھے
القاب میں دیکھئے ڈیر کلو ہے

ہندی مسلم میں ہند کی بو بھی ہے
افطار میں ہے کھجور تو سیو بھی ہے
اللہ اللہ ہے زبان پر بیشک
لیکن اک رنگ بم مہادیو بھی ہے

بُرا ہوا کہ رقیبوں میں بڑھ گئے بابو
ذرا سی بات ہوئی اور یہ سوئے تھانہ چلے

حریص زر کی میت پر یہ بولا طالب قوت
جو ملجائے تو اسکو کھاؤں یہ سونیکا کشتہ ہے

ہیں لمپ عزیز شمع بیگانہ ہے
جلتا ہے چراغ سے جو فرزانہ ہے
سبکی ہے سونکے رشتہ روشن پہ نگاہ
جو ہے نئی روشنی کا پروانہ ہے

عبث ہرکا گلا ہے مستغیثہ بولتی کیوں ہے
کوئی پوچھے تو ناحق تمنے ڈالی اولتی کیوں ہے

آپ کی انجمن کی ہے کیا بات
آہ چھپتی ہے واہ چھپتی ہے
حکمتوں سے ہوئی ہے جزو شکم
روح بھی اب تو کورس چپتی ہے
اس غرض سے کہ سینہ پوش نہ ہو
شیخ کی ریش روز ٹیپتی ہے
پائے خامہ ٹھہر نہیں سکتا
کسقدر یہ زمین تپتی ہے

جو عقل کھری تھی کی وہ کھوٹی اسنے
اچھے اچھوں سے چھینی روٹی اسنے
ستوں پہ شراب فاقہ مستی لائی
پتلون کو کردیا لنگوٹی اسنے

کہا جو میں نے کہ انکی ادا انوکھی ہے
کہا بتوں نے کہ اردو میاں کی چوکھی ہے

نکتہ یہ سنا ہے ایک بنگالی سے
کرتا ہو بسر جو تم کو خوشحالی سے
خالی ہو جگہ تو اپنے بھائی کو دلاؤ
غصہ آئے تو کام لو گالی سے